امام اعظم ابو حنیفہؒ

حالات زندگی، قانون سازی اور سیاست

مفتی عزیز الرحمٰن

مکتبہ رحمانیہ ○ اردو بازار ○ لاہور

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

منظوم

حالاتِ زندگی قانون سازی اور فقہ

مفتی عزیز الرحمٰن

مکتبہ دینیات
رائیونڈ ـــــــ ضلع لاہور

نام کتاب ——————— امام اعظم ابو حنیفہؒ

مؤلف ——————— مفتی عزیز الرحمان

سن طباعت ——————— ۱۹۷۹ء

ناشر ——————— مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اُردو بازار لاہور

مطبوعہ ——————— زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظر اور نظارے

غم عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
ترے عشق نے بنا دی میری زندگی فسانہ

"حیات امام اعظم ابوحنیفہ" اردو میں ایک جدید ریسرچ ہے مصنف نے پانچ سال کی انتھک محنت کے بعد اسکو ترتیب دیا ہے۔ ہر اعتبار سے عجیب و غریب کتاب ہے مشاہیر ہندوستان نے اس کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے:۔

صدر مفتی دار العلوم دیوبند:۔ حیات امام اعظم ابوحنیفہ مولفہ جناب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مدنی دار الافتاء بجنور کا میں نے اول سے آخر تک مطالعہ کیا ہے۔ عزیز موصوف نے بیحد کاوش اور مطالعہ کتب سے امام صاحب کی سوانح حیات کو جمع کیا ہے اور ہر پہلو پر ان کی حیات کے موضوعات پر سلیقہ اور احترام کے ساتھ بحث کی ہے اور بعض مواقع میں نئی تحقیق نے کتاب کی افادیت میں اور اضافہ کر دیا ہے، "جواب تک پردہ خفا میں تھی" میں نے اس سلسلہ میں سیرۃ النعمان، احسن البیان، ابوحنیفہ لابی زہرہ، خیرات الحسان تبییض الصحیفہ، مناقب بزازی، مناقب کردری، مناقب ابی حنیفہ للذہبی وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ امام صاحب کے حالات میں اردو میں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن مفتی صاحب موصوف کی تالیف امام اعظم ابوحنیفہ سب سے بہتر ہے

طلبا ہی نہیں بلکہ علماء کے لئے بھی اس کا مطالعہ مفید ہے، کیونکہ اس میں ہر شبہ کا جواب مستند حوالہ جات سے موجود ہے۔ دینی وعلمی اور سیاسی زندگی دونوں سے بحث کی ہے جو مطالعہ سے تعلق رکھتی ہے زندگی کے ہر پہلو کو لیکر اسکے لئے خاص خاص سرخیاں دی ہیں اور اس پر سلیقہ کے ساتھ بحث کی ہے مخالفین کے جوابات میں تحریری صورت ایسی نہیں اختیار کی جو طبائع پر گراں ہو۔ غرضکہ ہر اعتبار سے کتاب مفید اور قابل قدر ہے اللہ تعالے اس کو مقبول عام اور مفید انام کر دے۔ مؤلف مذکور کو احناف کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ایک اہم فریضہ علمی ادا کیا ہے۔

جزاہ اللہ خیر الجزاء

مؤلف مذکور کی متعدد تصنیفات ہیں جو سب مفید انام ہیں طلباء کو چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ کا خصوصیت سے مطالعہ کریں۔

(مولانا مفتی) سید مہدی حسن صاحب۔ ۲۰ رجب ۸۲ھ

حضرت مولانا سیّد محمّد میاں صاحب۔ میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب (مدنی دار الافتاء بجنور) کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنی تازہ تصنیف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ پیش فرما کر استفاضہ اور استفادہ کا موقع دیا جزاھم اللہ احقر نے از اول تا آخر تقریباً تمام کتاب کا مطالعہ کیا جسکے بعد میرے وجدان نے شہادت دی کہ یہ کتاب محققانہ ترتیب و تالیف کی ایک قابل قدر مثال ہے۔

حضرت امام اعظم کے متعلق عربی میں بہت سی کتابیں ہیں اردو میں بھی متعدد جلیل القدر مصنفین نے حضرت امام کی سوانح اور سیرت لکھی ہے مگر مولانا عزیز الرحمن صاحب کی اس تصنیف کی خصوصیت ہے کہ اسمیں حضرت امام کی زندگی کے کسی ایک رخ پر نہیں بلکہ تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے

امام اعظم ابوحنیفہ صرف مجتہد ہی نہیں تھے بلکہ ان جملہ کمالات کے

کے حامل اور ان تمام صفات سے متصف تھے جو ایسے کامل و کمل میں ہونی چاہئیں جس کو دنیا فقہ و اجتہاد کا امام اعظم تسلیم کرنے پر مجبور ہو۔ حفظ احادیث فہم قرآن بلاشبہ کمالات ہیں اور ایسے کمالات ہیں کہ ان پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے مگر تفقہ یعنی مبصرانہ فکر اور مجتہدانہ فیصلوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام سیاسی، اقتصادی، معاشی، عمرانی اور معاشرتی معاملات سے پوری واقفیت اور بڑی حد تک تجربہ رکھتا ہو جن کے متعلق وہ احادیث رسول اللہ ﷺ اور آیات کتاب اللہ سے فیصلہ چاہتا ہے جس شخص کو تجارتی کاروبار کا تجربہ نہیں ہوگا یا جس نے مثلاً منطق فلسفہ کی موشگافیوں کے سمجھنے میں اپنا دماغ نہیں کھپایا ہوگا وہ اقتصادی سوالات کس طرح حل کر سکیگا یا ان شبہات کو کس طرح رفع کریگا جو کسی منطقی یا فلسفی کو پیش آتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی زندگی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کی ان تمام نوعیتوں اور تمام نہیں تو اکثر و بیشتر نوعیتوں کا گلدستہ ہیں جن سے انفرادی یا اجتماعی زندگی متنوع ہوتی ہے، اپنے زمانے کی سیاسیات سے بھی ان کا گہرا تعلق رہا ہے اور اجتماعیات سے بھی، وہ بہت بڑے سوداگر بھی تھے اور بہت بڑے امین بھی جن کے یہاں بہت سے لوگوں کی امانتیں بھی رہا کرتی تھیں اور لوگ ان سے قرض بھی لیا کرتے تھے، وہ عیالدار بھی تھے اور جائدادوں کے مالک بھی، وہ بہترین مناظر اور بلند پایہ متکلم بھی رہے تھے اور زندہ دار شب دیجور بھی ان کی خصوصیت تھی۔ عرب سے بھی ان کا تعلق تھا اور عجم سے بھی، وہ آزاد بھی رہے اور پابند سلاسل بھی۔ زندگی شاہانہ تھی اور طبیعت فقیرانہ، وہ صاحب لباس بھی تھے اور گوشہ نشین، عزلت گزیں بھی منڈیوں اور بازاروں سے بھی ان کا تعلق تھا اور بحث و نظر کی مجلسوں اور درس و تدریس کی محفلوں سے بھی۔

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی اس کتاب کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو اس میں اجاگر کیا گیا ہے اور اس طرح

کے جن مضامین کے لئے کئی جلدیں درکار تھیں ان کو تقریباً ساڑھے تین سو صفحات کی ایک جلد میں سمو دیا گیا ہے۔ لقامت کہتر بقیمت بہتر۔

اس تصنیف لطیف میں اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور حضرت امام کے مخالفین کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، مگر یہ اعتدال و استقامت قابل صد تحسین ہے کہ فرق مراتب، احترام اکابر اور پاس ادب کے توازن میں کہیں بھی فرق نہیں آیا ہے فجزاهم الله عنا عن سائر المسلمین خیرا و شکر الله سعیه

محتاج دعا، محمد میاں ـــ ۱۶ شعبان ۹۴ھ

مفتی دارالعلوم دیوبند :۔ میاں نے کتاب امام اعظم ابوحنیفہ رح جس کے مصنف و مؤلف مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب ہیں جو حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی کے خلیفہ اور مجاز ہیں اور آج کل شہر بجنور میں تدریس عربی اور افتار کا کام انجام دے رہے ہیں اول سے آخر تک مطالعہ کیا مولانا صاحب ممدوح نے بڑی کاوش اور محنت سے امام صاحب کی یہ سوانح تیار فرمائی ہے حضرت امام اعظم کے تابعی ہونے کے بارے میں بہت بہترین کلام کیا ہے اسی طرح آپ کے حافظ حدیث ہونے کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے۔

کتاب کا آخری حصہ بہت ہی زیادہ قابل استفادہ ہے میرے نزدیک ہر حنفی کے پاس اس کا رہنا ضروری ہے اور حدیث کے طلبہ کے لئے میرا مشورہ ہے کہ اس کو ضرور اپنے پاس رکھیں اور مطالعہ کریں۔ احقر کے خیال میں طلبار اور علماء کے لئے یہ ایک بہترین ہدیہ ہے حق تعالیٰ قبولیت کی دولت سے نوازے آمین۔ فقط فخر الحسن غفرلہ۔ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۹ شعبان ۹۴ھ

مولانا قاضی سجاد حسین صاحب :۔ مکرمی زید عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔ گرامی نامہ شرف صدور ہوا، میرے ذہن میں یہ تھا کہ جناب کی عنایت کردہ کتاب حیات امام اعظم ابوحنیفہ رح کو پڑھ کر اس پر مجھے کچھ لکھنا بھی ہے۔ جس وقت جناب نے کتاب عنایت فرمائی تھی مطالعہ تو میں نے اس کا اسی

وقت شروع کر دیا تھا اور چند دن میں اس کو بالاستیعاب پڑھ لیا تھا یہ کچھ عجب اتفاق ہوا کہ اس عرصہ میں امام صاحب پر چند کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی سب سے پہلے علامہ ابو زہرہ مصری زیدعلمہ و فضلہ کی کتاب پڑھی۔ اس کے بعد مولٰنا مناظر احسن کی کتاب پڑھی اس کے فوراً ہی بعد جناب کی کتاب کے مطالعہ میں لگ گیا۔ اردو میں اس سے پہلے بھی کتابیں لکھی گئی ہیں سیرۃ النعمان بھی مشہور ہے لیکن بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جناب کی تصنیف اس سلسلہ کا نقش آخر ہے مختلف عنوانوں پر جس قدر کاوش سے جناب نے مواد فراہم کیا یہ آپ ہی جیسے یکسو عالم کا حصہ ہو سکتا تھا۔ جامعیت کے ساتھ آپ نے امام اعظم کی زندگی کے ہر گوشہ کو اس طرح اجاگر کر دیا ہے کہ اس سے کافی روشنی حاصل ہوتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ امام صاحب کی زندگی کے اس قدر موضوعات پر تفصیلی کلام کا اس کتاب میں زیادہ موقعہ بھی نہ تھا۔ غالباً ہمارے اکابر خلفائے اربعہ میں ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہی ترتیب فضیلت کے قائل ہیں یعنی افضلہم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم کیا امام اعظم بھی اسی کے قائل تھے علامہ ابو زہرہ کی رائے ہے کہ امام صاحب افضلیت عثمان رض کے قائل نہ تھے مجھے امام صاحب کا ایک مقولہ یاد ہے اہل سنت والجماعت کی تعریف میں فرمایا ہے من فضل الشیخین واحب الختنین اس سے بھی امام صاحب کے اسی رجحان کا پتہ چلتا ہے جس کی علامہ ابو زہرہ نے تصریح کی ہے ہو سکے تو دوسرے اڈیشن میں اس موضوع پر کچھ تحریر فرمائیے۔ امام اعظم اور اہل بیت کا تعلق بھی وضاحت کا متقاضی ہے میں دست بدعا ہوں کہ حضرت حق جل مجدہٗ آپکے علم و فضل میں اور عمر میں ترقی دے اور آپکی یہ سعی اور اس جیسی اور مساعی عنداللہ مشکور ہوں۔ والسلام۔ سجاد حسین

مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب دہلی :- مخلصم و مکرم مولانا عزیز الرحمن دام مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ گرامی نامہ ملا تھا۔ تین ہفتوں سے گردش میں تھا

آج یہاں کل وہاں، پرسوں ریل میں، جلسے، جلوس، تقریریں، آپکو میرے خط کا انتظار ہوگا۔ کتاب ساتھ رکھی تھی مگر ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکا۔ ایک روز یہیں چند متفرق مقامات دیکھے تھے، انشاء اللہ جلد باضابطہ اظہار رائے کروں گا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ بعض مباحث جو مولانا شبلی کی سیرۃ النعمان میں نہیں تھے یا تشنہ تھے وہ اس میں آگئے ہیں تابعیت کی بحث بھی بہت خوب ہر باب پنجم، ششم، ہفتم بھی اہم ترین ہیں ان میں فقہ حنفی سے متعلق تمام بحثیں آگئی ہیں، انداز بیان بھی سادہ، مؤثر اور دل پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول عام کی نعمت سے نوازے جن حالات میں آپنے یہ قابل قدر خدمت انجام دی ہے وہ سبق آموز ہے

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی :۔ میں آپ کی کتاب حیات امام اعظمؒ کا بالاستیعاب مطالعہ کر نہیں سکا ہاں جگہ جگہ سے اس کو پڑھا ماشاء اللہ مجموعی طور پر آپکی محنت قابل داد ہے ایک آدھ مقام کے بعد انداز تحریر سنجیدہ ہے

حضرت مولانا محمد عمر صاحب حامد نہاں :۔ وی پی وصول ہوا امام صاحب کی کرامت ہے کہ اتنے عرصہ کے بعد ایسے عنوانوں اور حقائق پر آپ سے قضا و قدر نے یہ کتاب لکھوالی۔ صحیح یہ ہے کہ لقد فاق علے سیرۃ النعمان جزاکم اللہ خیر الجزاء و تقبل مساعیکم۔ میں نے حیات امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کے متعلق اس کی تعریف و توصیف میں جو کچھ لکھا ہے وہ علی بصیرۃ لکھا ہے اہل علم و فضل کی جلالت قدر سے اہل علم و فضل ہی متاثر ہوا کرتے ہیں مگر اس میں غلو نہیں چاہیئے اسکے علوم حقہ اور کمالات مطلوبہ کا اقرار نہ کرنا دینی خیانت ہے۔ مولانا شبلی بیشک بڑے درجے کے ہوئے مگر ان کے فواضل سے اس قدر مرعوب ہونا کہ غالب کے بعد کے دور میں دوسرے کو شاعر ہی تسلیم نہ کریں علم و فن کی قدر افزائی نہیں ہے۔

الغزالی میں انہوں نے امام صاحب کے کمال کے مفہوم سے اپنے کو خود عاجز مانا ہے ایسے ہی سیرت النعمان کے تشنہ مقامات خدا نے آپ سے اس تالیف

کے ذریعے سیراب کرائے۔ لوگ نگارش کی عمدگی اور لکھنے کے گویا عادی ہوگئے ہیں حالانکہ جسکے بارے میں نگارش ہے اس کے محاسن مدنظر رہنا ضروری ہیں۔ دعا ہے کہ یہ کتاب صرف برائے مطالعہ نہ رہے بلکہ آپ جیسے صلحاء چراغ عمل بنیں۔

حضرت مولانا منت اللہ صاحب۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی زندگی فکری علمی اور عملی حیثیت سے پوری امت کی زندگی ہے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو امام اعظم کی عطاسے مستفید نہ ہوا ہو اردو زبان میں آپ پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے کم ہے جواب تک نہیں لکھا جاسکا ہے مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب سلمہ اللہ کی تالیف "امام اعظم ابوحنیفہؒ" اس سلسلہ کی ایک اہم اور قیمتی خدمت ہے جو اپنی جامعیت اور حسن ترتیب میں ہر طرح قابل قدر ہے جس میں امام اعظم کی زندگی کے اکثر و بیشتر پہلو علمی و اجتہادی خدمات اور فکری و عملی کارنامے جدید و حسین ترتیب کے ساتھ جمع ہیں کتاب علماء اور طلباء کے استفادے کے لائق ہے حق تعالیٰ مصنف محترم کی محنت اور خدمت کو قبول فرمائے اور اجر جزیل سے نوازے۔ آمین۔

منت اللہ غفرلہ۔ خانقاہ مونگیر۔ یکم رجب ۱۳۸۵ھ

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی:۔ اردو زبان میں امام اعظم پر متعدد کتابیں لکھی جاچکی ہیں جن میں مولانا شبلی، مرزا حیرت دہلوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مفتی عبداللطیف صاحب کی کتابیں زیادہ بہتر جامع اور محققانہ ہیں مصر سے شیخ ابوزہرہ کی کتاب "فقہ ابی حنیفہ وآثارہ" امام صاحب کے تفقہ، ان کے اصول استنباط احکام اور ان کے طریق فکر و اجتہاد پر بڑی مبسوط اور مدلل کتاب ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں ان سب مذکورہ بالا کتابوں کے مباحث کا خلاصہ بڑی عمدہ ترتیب اور سلیقہ سے یکجا کردیا ہے اور جہاں جو بات انہیں اپنے مسلک اور موقف کے خلاف نظر آئی ہے اس پر کلام کیا ہے لیکن کلام کی نوعیت

بجائے برہانی اور تحقیقی ہونے کے اقناعی یا الزامی زیادہ ہے مثلاً امام بخاری کو امام اعظم سے کدیا پرخاش تھی، اس کا اصل پس منظر ارباب رائے اور محدثین کا شدید اختلاف اور مناقشہ تھا اور اس عہد کے سیاسی حالات نے اس اختلاف کو غیر معمولی طور پر تیز و تند کر دیا تھا۔ امام بخاری کا لب و لہجہ کیسا ہی درشت اور کرخت ہو لیکن جب تک آپ اس تاریخی اور سیاسی پس منظر کو سامنے نہیں رکھینگے، امام اعظم سے امام بخاری کے اختلاف کو سمجھ نہیں سکیں گے، اس کے برخلاف مؤلف نے امام صاحب کی طرف سے جواب کا جو طریقہ اختیار کیا ہے (ص ۱۳۱ و ۱۳۲) اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوگا کہ امام اعظم کیطرف سے دفاع ہو یا نہ ہو صحیح بخاری کا وہ مقام باقی نہیں رہے گا جو اسے جمہور امت کے نزدیک حاصل ہے۔ اس نوع کی اور بھی چند کوتاہیوں کے باوجود کتاب مجموعی حیثیت سے بہت مفید ہے اور محنت و توجہ سے لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس میں ذاتی حالات و سوانح، ذہانت و فطانت، علم و فضل اور مکارم اخلاق کے علاوہ امام صاحب کے تفقہ اور ماخذ استدلال و قیاس کے مختلف گوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے لائق مؤلف کے بقول موجودہ زمانہ کے نئے مسائل و معاملات پر غور و فکر کرنے کی راہیں بھی کھلیں گی اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ خود بڑا فائدہ ہے مدارس عربیہ کے اساتذہ اور طلبار کو خاص طور پر اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

مولانا محمد عثمان فارقلیط :- یہ کتاب حضرت امام اعظمؒ کے حالات میں مراجعت کتب کے بعد تالیف کی گئی ہے امام صاحب کے حالات میں علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان کو حرف آخر تصور کیا جاتا تھا مصنف نے بھی اس کتاب میں سیرۃ النعمان سے مدد لی ہے اور بہت سے نئے علمی مباحث بھی آ گئے ہیں حضرت امام اعظمؒ پر اب تک جس قدر بھی اعتراضات کئے گئے ہیں ان سب کا جواب اس کتاب میں آ گیا ہے۔ جہاں محدثین اور نقصار کا مقابلہ کیا گیا ہے وہاں غیر جانبدار رہنا عموماً مشکل ہو جاتا ہے مصنف

کتاب نے بھی اعتدال پسندی کا ثبوت دیا پھر بھی قدرے مجادلہ کی جھلک آگئی ہے کتاب میں تابعین کی بحث بہت مدلل ہے اور امام صاحب کو افضل التابعین ثابت کیا ہے اور اس میں بہت بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں بحدیث میں امام صاحب کی کتاب کیا ہے۔ اس بحث کو بہت غلط طریقے سے نباہنے کی کوشش کی ہے اور ثبوت میں امام صاحب کی مسانید کی فہرست پیش کی گئی ہے مصنف نے دلائل وشواہد سے ثابت کیا ہے کہ فقہ اکبر امام صاحب ہی کی کتاب ہے اور انکار کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے گیارہویں باب میں امام صاحب کی عملی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تصوف، عبادات، اخلاقیات اور معاملات میں آپکا جو مرتبہ ہے اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے کتاب میں بعض جگہ غیر مقلدوں کا رد بھی لکھا ہے لیکن روشن خیال علماء کو ان القاب سے احتراز کرنا چاہیئے جو دوسروں کو ناپسند ہیں

مکتوب گرامی مولانا منت اللہ صاحب۔ مکرم بندہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یاد دہانی والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔

"امام اعظم ابوحنیفہؒ" پر اپنی رائے منسلک کر رہا ہوں تفصیلی تبصرہ کا حق تو اسے پہونچتا ہے جس کی معلومات مصنف سے زیادہ ہوں یا پھر اس موضوع پر پوری تیاری کرے ظاہر سکے ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ میں نہیں میں نے تو الٹ پلٹ کر کہیں کہیں سے دیکھا ہے اور پھر ایسا دیکھنے والا جیسی رائے قائم کر سکتا ہے وہ بھی ظاہر ہے، بہر حال میں آپکی اس تالیف کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر وسیع اور کامیاب محنت سمجھتا ہوں، اللہ کرے آپ کا قلم اس طرح کی تصنیفات برابر اہل علم کے سامنے پیش کرتا رہے اور حق تعالےٰ اسے شرف قبول بھی بخشتا رہے۔

سوانح حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ آج نکال رہی ہے کل سے انشاء اللہ

دیکھونگا خدا کرے پوری کتاب دیکھنے کا موقعہ مل جائے انشاء اللہ اس کے بعد اس پر بھی اپنی رائے لکھ کر بھیجوں گا۔ میں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ اس عاجز کو اپنی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں گے۔

مفتی صاحب! ایک عرض کردوں، عمر کا بڑا حصہ گذر چکا، جمادی الثانی کے مہینہ میں عمر کا پچپنواں سال شروع کر دیا۔ اب پیچھے لوٹ کر دیکھتا ہوں تو زندگی کا ہر ورق سیاہ نظر آتا ہے، منزل دور ہے، راستہ کٹھن اور توشہ بالکل نہیں، خدا کی رحمت، احباب، مخلصین اور بزرگوں کی دعاؤں کے سوا کوئی اور سہارا نظر نہیں آتا، اس لئے رسمًا نہیں اپنے حال زار پر نظر ڈالتے ہوئے واقعتًا لکھتا ہوں کہ مجھے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔

والسلام منت اللہ غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حامداً و مصلیاً ...... امّا بعد

بندۂ حقیر و ہیچمداں کی یہ پانچویں تصنیف یا تالیف ہے جس پر اس حقیر
نے اپنی وسعت بھر محنت صرف کی ہے اس سے پیشتر چار کتابوں پر اگرچہ محنت
اور وقت کافی صرف ہوا ہے لیکن وہ کتابیں نہ اتنی ضخیم ہیں اور نہ ان میں اتنا
الجھاؤ ہے میں زمانہ طالب علمی میں سوچا کرتا تھا کہ آج کل اہل علم اور اہل قلم
خصوصاً اردو داں حضرات تحقیق اور ریسرچ کے نام سے علمائے متاخرین کی
مختلف شخصیتوں مثلاً ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن رجب، ابن کثیر پر تحقیق فرما رہے ہیں
لیکن اس شخصیت (جو بقول امام شافعی صاحبؒ ان سب کی علمی ناتے سے مربی کی حیثیت
رکھتی ہے) پر کوئی کچھ نہیں لکھ رہا حالانکہ موجودہ زمانہ میں جس قدر امام ابو حنیفہؒ پر تحقیق
کی جائیگی اسی قدر عالمی مسائل آسانی کے ساتھ حل ہو سکیں گے۔

شکر خدا کہ اب گذشتہ آٹھ سات سال سے میں نے بعض اخبارات اور رسائل میں
کبھی کبھی امام اعظم ابو حنیفہؒ پر مضامین پڑھے ہیں بدیں وجہ بندہ کا دیرینہ جذبہ
عود کر آیا اور قلب کے گوشہ میں جو باریک سی چنگاری دبی پڑی تھی وہ اس ہلکی
سی ہوا سے کچھ چمک دینے لگی جسکی وجہ سے توفیق ایزد تعالیٰ امام صاحبؒ پر تحقیقی
طور سے لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ بہت دن خاکہ بنانے میں صرف ہو گئے جب جب یوں
سوچتا تھا کام کا پھیلاؤ اور اس کا ثقل میری ہمت کو پیچھے کی طرف دھکیل دیتا

تھا خدا خدا کر کے ایک مضمون مرتب کر کے مدینہ اخبار میں شائع کیا۔ اتفاق کی بات
وہ مضمون لوگوں کو اس قدر پسند آیا کہ ہندوستان اور پاکستان کے چند مؤقر
جرائد نے اس کو مدینہ سے نقل کیا اس طرح اس عاجز کی ہمت بندھ گئی اور
ایک دن امام صاحب کی سوانح حیات لکھنے کی بسم اللہ کر ہی دی

یوں تو اردو لٹریچر میں امام صاحب کے متعلق مختلف عنوانات کے تحت
بہت کچھ موجود ہے لیکن مفصل اور جامعیت کے اعتبار سے بجز علامہ شبلی
کی سیرت نعمان کے اور کوئی کتاب قابل ذکر یا معیاری نہیں ہے لیکن میں جس طرح
امام صاحب کے متعلق تحقیق و ریسرچ کا متمنی تھا اس سے سیرت نعمان تقریباً خالی ہی
سی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ قارئین کرام تحقیق و ریسرچ کے
معیار پر میری اس حقیر کوشش کو علامہ شبلی نعمانی کی سیرت نعمان اور ابو زہرہ مصری
کی کتاب "ابو حنیفہ" سے کمتر نہ پائیں گے۔ (انشاء اللہ)

کتاب کی ترتیب

اس کتاب کی ترتیب و تدوین امام صاحب کے اب تک کے تمام تذکروں میں بالکل نئی ہے اس عاجز نے
ترتیب کو درست اور مناسب رکھنے کے لئے ہفتوں سوچا ہے پھر کہیں جا کر
مضامین کو قلمبند کیا ہے یوں ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے بعض کو اس ترتیب
سے اتفاق نہ ہو لیکن للعاشقین مذاہب

اس کتاب کے اخذ و استنباط کے لئے مجھے بہت اسفار کرنے پڑے ہیں
ایک دفعہ علی گڈھ یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی پہنچ کر وہاں سے کچھ اخذ کیا ہے
چند مرتبہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ کی بھی ورق گردانی کی ہے مدرسہ عربیہ
مدینۃ العلوم بجنور اور جناب سعید اختر صاحب مدیر مدینہ بجنور اور بندہ عاجز کا ذاتی کتبخانہ
سو یہ کتاب ان ہی کتبخانوں کی مرہون منت ہے اس لئے اولاً میں اللہ تعالیٰ کا شکر
ادا کرتا ہوں اور پھر ان حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔
امام ابو حنیفہ رح کے متعلق جب کبھی بھی مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ فلاں کتاب

میں فلاں جگہ فلاں چیز دستیاب ہو سکتی ہے اس حقیر فقیر نے اللہ تعالیٰ کی امداد سے اس کتابچے کے حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اس طرح یہ کتاب امام اعظم ابو حنیفہ رح کے متعلق بے شمار قدیم و جدید عربی، فارسی اردو زبان کے لٹریچر کا ایک بیش قیمت مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔

راقم الحروف نے کم و بیش اس کتاب کی تدوین و ترتیب پر پانچ سال صرف کئے ہیں اور ایک انسانی کوشش کا جہاں تک تعلق ہے اس سے دریغ نہیں کیا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ درمیان میں بعض کتابیں مثلاً وصایا، محبت والے اور اسی طرح مدینہ اخبار اور دوسرے رسائل کے لئے مختلف عنوانات کے تحت سینکڑوں مضامین لکھے ہیں لیکن تدبر و تفکر اور تجسس کے اعتبار سے یکتا مجھے کسی بھی لمحہ فارغ نہ کر سکی

اہل علم سے گذارش

حضرات! اس حقیر کی یہ ناچیز کوشش اس کے بعد آپ کے سامنے ہے جبکہ اسکے متعدد اقساط مدینہ اخبار بجنور میں اور میری بلا خواہش کے مدینہ سے منقول ہو کر نوائے وقت پاکستان انقلاب بمبئی، چٹان لاہور، بصیرت لاہور میں شائع ہو چکے ہیں جن کو پڑھ کر اہل علم قدر داں حضرات نے جلدی سے جلدی اس کتاب کی طباعت کیلئے اصرار کیا ہے تاہم مجھے نہ اپنے علم پر ناز ہے اس لئے کہ فوق کل ذی علم علیم سے یہ دنیا بھری پڑی ہے لیکن اہل علم اور قدر داں حضرات کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے جہاں کسی کی لغزش پر اطلاع پائی ہے، مطلع کیا ہے یہی آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت میری ضعیف ترین انسانیت کو جو خطا اور نسیان سے مرکب ہے فراموش نہ فرمائیں۔

کچھ اپنے بارے میں

میرا وطن ضلع بجنور کا ایک قدیم ترین قصبہ شرفا اور اہل علم کی بستی نہٹور ہے تاریخ پیدائش کا علم نہیں۔ البتہ میری مڈل کی سند پر جنوری ۱۹۲۷ء لکھا ہے لیکن میرا خیال

ہے کہ میری پیدائش ۱۹۲۵ء کی ہے میرے دادا (حسین بخش) قصبہ منڈاور کے رہنے والے تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ان کے والدین قتل کر دیئے گئے تھے یہ بہت ہی کمسن تھے، ان کی پرورش موضع ترکولہ (نہٹور) کے ایک سید نے کی تھی وہیں یہ رہا کرتے تھے اور اسی خاندان میں ان کی شادی بھی ہوئی تھی، بعد میں کسی وجہ سے میرے دادا نے نہٹور کی سکونت اختیار کرلی تھی

میرے دادا کے یہاں چار بیٹے (میرے والد عبد الرحمن، اور تین دوسرے یعنی عبد الرزاق، فضل احمد، صوفی محمد حسین، اور ایک بیٹی (مسماۃ بانو) پیدا ہوئے ان تمام کی شادیاں چاند پور کے علاقہ شیوبخ کے مواضعات میں ہوئیں میری والدہ انہیں دیہات کے شیخ زادوں کی بیٹی تھیں۔ میرے والد کی دوسری شادی قصبہ کوٹ قادر (بجنور) کے خاندان سادات میں ہوئی اس کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میرا سلسلہ نسب کیا ہے کیونکہ ہمارے گھرانے میں پڑھنے لکھنے کا دستور نہیں تھا اس پورے گھرانے میں سب سے پہلے میری بڑی بہن نے پڑھی اور ان کے بعد میرے بھانجے نے تعلیم حاصل کی۔ سب کے آخر میں میرے پڑھنے کا نمبر آیا مجھے پڑھنے کے لیے کسی نے آمادہ نہیں کیا تھا، میں خود ہی محلہ کے بچوں کے ساتھ سرکاری اسکول میں پڑھنے جانے لگا تھا، اس لئے میں نے قرآن شریف شروع میں نہیں پڑھا تھا ۱۹۴۳ء میں، میں مڈل کے امتحان سے فارغ ہوا میں نے جتنے دن بھی پڑھا نہایت

لہ ۱۹۶۳ء میں مولانا قاضی شمس الدین قصبہ درویش ضلع ہزارہ نے ایک استفتاء کے ذیل میں مجھ سے میرے حالات دریافت کیئے تھے وہی حالات میں نے اپنی کتاب "حیات امام اعظم ابوحنیفہ" میں شائع کر دیئے تھے ۱۹۶۸ء میں ماہنامہ دیروحرم سہارنپور نے بھی ایک انٹرویو لیا اور اپنے شمارہ میں شائع کیا وہی حالات کچھ اضافہ سے یہاں درج ہیں۔ یہ میری خواہش نہیں دوسروں کے سوال کا جواب ہے۔

شوق سے پڑھا۔ عام طور پر راستہ چلتے چلتے کتابیں پڑھا کرتا تھا چنانچہ مڈل تک پورا نصاب، معہ حساب وکتاب وجملہ مضامین مجھے ویسے ہی یاد ہیں جیسے اس وقت یاد تھے۔ مڈل کے امتحان میں پوری یوپی میں میری ممتاز پوزیشن تھی اور تمام مضامین میں فرسٹ ڈویژن تھا

میں بارہ یا چودہ سال کی عمر سے اپنے گھر سے ذرا فاصلے پر مردانے مکان میں اکثر تنہا رہا کرتا تھا اسی وقت سے میری طبیعت ہنگامہ آرائی سے گریز کرتی ہے اور تنہائی پسند ہے۔ میں اکثر وبیشتر مجالس میں جم کر بیٹھنے سے گھبراتا ہوں۔ بایں ہمہ سنہ ۱۹۴۳ء میں مڈل پاس کرنے کے بعد میرا راستہ تبدیل ہوگیا اور میں نے پرائمری مدرسہ میں ملازمت کرلی اور عرصہ تک پڑھاتا رہا اور بعد ایک مدت کے استعفیٰ دیدیا۔

سنہ ۱۹۴۸ء سے میری زندگی میں پھر انقلاب آیا۔ مہینہ اور تاریخ یاد نہیں ایک دن میں حسب معمول صوفی رحمت اللہ صاحب باربر کی دوکان پر شیونگ کرانے گیا تھا۔ پہلے سے چند آدمی اور بھی بیٹھے تھے میرا نمبر تیسرا یا چوتھا ہوگا، ان کے تخت پر ایک رسالہ مولوی پڑا ہوا تھا اس میں حضرت ابو درداءؓ کی سوانح حیات تھی وقت گذارنے کے لیے اسکو پڑھنا شروع کیا۔ خدا کی توفیق اور ہدایت میرا انتظار کررہی تھی حضرت ابو درداءؓ کے حالات نے قلب پر اثر کیا اور دنیا بدل گئی، جب نمبر آیا تو میں نے صوفی صاحب سے عرض کیا :—

انگریزی بالوں کو صاف کر دیجئے اور شیونگ کی بجائے داڑھی کی تحریر بنا دیجئے

دو ایک مرتبہ انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر بسم اللہ پڑھ کر اپنا کام شروع کردیا۔ گھر آیا۔ قمیصوں کی کالریں کاٹ دیں۔ کوٹ اور پتلون اتار پھینکا پائجامے کو چھوٹا کردیا غرضکہ جب عصر کی نماز پڑھنے گیا تو لوگوں کو شناخت کرنے میں دشواری ہوئی ہے یہ ملا ہے یا ماسٹر ہے؟

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں!

شام کو ایک دوکاندار نے ردی میں آئی ہوئی ایک کتاب مجھے دی سرورق پر اس کتاب کا نام نہیں تھا۔ اس وجہ سے آج تک نام نہ معلوم ہو سکا تصوف کے فن میں کتاب تھی اس کا ایک جملہ جو بہت اثر انداز ہوا اب بھی یاد ہے۔

صاحبزادے اگر پیا کی نظر میں محبوب بننا چاہے تو ماں کے
جوڑے پہن کر گوشہ میں بیٹھ جا

بہر حال خداوند عالم نے جو کچھ توفیق دی کیا۔ مدرسی سے استعفا دیدیا پاسۂ عمر لیکر اپنے شہر کے مدرسہ میں پڑھنے جا بیٹھا۔ دن بھر اسی میں لگا رہتا تھا رات کو جہالت میں جیسی الٹی سیدھی نماز پڑھی جاتی تھی پڑھ لیتا تھا۔ صوفی رحمت اللہ صاحب جو حضرت شاہ یٰسین صاحب نگینوی کے مرید تھے انہوں نے حضرت شاہ صاحب کی تصوف کی کتابیں دیں۔ کچھ کتابوں کے ذریعہ کچھ پوچھ کر ذکر شروع کیا۔ معلوم نہیں صحیح پڑھتا تھا یا غلط، مگر خدا کا نام تو ہر حال میں موثر ہے۔ تزکیہ اور تغذیہ دونوں تاثیریں اس میں موجود ہیں۔

نہٹور میں حضرت شاہ محمد یٰسین صاحب خلیفہ حضرت مولانا گنگوہی کی بہت آمد رہتی تھی انکے بہت مرید وہاں تھے انہیں سے کچھ کچھ سیکھ لیتا تھا کچھ کتابوں سے پڑھ لیتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں جو معمولات تحریر فرمائے ہیں وہ سب کرتا تھا، اسم ذات، ذکر جہری، پاس انفاس۔ حضرت شاہ صاحب کے فیض ہی سے کرنے لگا تھا۔ دعا کیا کرتا تھا کہ قرآن پاک آجائے غالباً ایک سال بعد یعنی ۱۹۴۹ء میں۔ میں نے فارسی پڑھنا شروع کی عمر بھی بیس پچیس کے درمیان تھی حضرت مولانا حامد حسن صاحب گنگوہی رح شاگرد رشید حضرت شیخ الہند میرے استاذ تھے میں تنہا ان سے پڑھنے والا تھا اس لئے دن میں دس دس مرتبہ سبق ہوجاتا تھا مجھے یاد پڑتا ہے کہ پہلے سال ہدایۃ النحو اور کافیہ تک میں نے پڑھ لیا تھا اور دوسرے سال مختصر المعانی، شرح وقایہ، نور الانوار سلم وغیرہ تک پڑھ لیا تھا اس زمانہ میں میری کتنی راتیں ایسی گذری ہیں کہ کتاب

پڑھتے پڑھتے صبح کی اذان ہو جاتی تھی۔ میں نے جتنی کتابیں بھی نصاب میں داخل
ہیں سب کو بالاستیعاب پڑھا ہے اس طرح پر کہ ہر کتاب کے شروع کے چند
ورق تو استاذ مرحوم سے پڑھے ہیں اور پھر دس دس ورق مع ترجمہ و تشریح
کے سنا دیا کرتا تھا میں استاذ مرحوم کے سامنے تنہا پڑھنے والا تھا
سویرے سے مغرب کے وقت تک ان کے ساتھ رہتا تھا وہ بھی جہاں موقعہ دیکھتے
سبق سننے بیٹھ جاتے کبھی کسی دکان کے تختہ پر سبق ہونے لگتا تھا اور کبھی
کسی محلہ کی مسجد میں۔ غرضکہ میں نے بھی خوب محنت سے پڑھا اور انہوں نے بھی
خوب لگن سے پڑھایا۔ تیسرے سال غالباً ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں میں دارالعلوم
دیوبند میں ہدایہ اولین، جلالین شریف، میبذی، سراجی میں داخل ہوا دوسرے
سال مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف وغیرہ پڑھیں، تیسرے سال
۱۳۷۶ھ میں، میں نے سیدی و مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنی رح سے دورۂ
حدیث پڑھا۔

ہاں اتنا اور عرض کر دوں کہ میرے پاس اردو کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا
بہت سے دواوین تھے ان سب کو فروخت کر کے میں نے عربی کی کتابیں خریدیں
علماء سے معلوم کرتا تھا کہ کونسی کتابیں خریدوں؟ ابتدائے نحو پڑھنے کے زمانہ میں میں نے
مشکوٰۃ شریف کی شرح، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی خریدی تھیں۔ اس وجہ
سے کہ مدرسہ کا دستور تھا کہ وہ پڑھی ہوئی کتابیں واپس لے لیتا تھا۔ مجھے
خیال ہوا کہ بلا کتابوں کے آئندہ کس طرح کام چلے گا؟ چنانچہ دورۂ حدیث تک
میرے پاس شروحات کا کتب خانہ ہو گیا تھا۔ میں نے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کی
متعدد شروحات نہ پڑھی ہوں۔ ہدایہ کے ساتھ عینی اور فتح القدیر کو بالاستیعاب پڑھا
ہے۔ اسی طرح دورہ حدیث کے زمانہ میں ہر حدیث کی شرح، فتح الباری، بذل،
فتح الملہم، اوجز المسالک کو میں نے بالاستیعاب پڑھا ہے غرضکہ خوب محنت سے پڑھا
ہے مجھے یہ افسوس نہیں ہے کہ میرا وقت ضائع ہوا ہے بلکہ مجھے جس قدر وقت ملا اس

سے خوب فائدہ اٹھایا ہے زمانہ طالب علمی میں انجمن سازی، تقریر بازی سے میں ہمیشہ مجتنب رہا ہوں۔ میں نے کبھی ان طلبار کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جو اس قسم کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں میں اتنا یکسو رہا کہ بجز چند اساتذہ کے مجھ سے کوئی واقف بھی نہیں تھا ان تمام چیزوں کے مقابلہ میں میرا نظریہ یہ ہے کہ علم ہونا چاہئے تقریر، تحریر، مناظرے سب آسان ہیں خصوصاً علم فقہ جس کو آتا ہے اس کو سب کچھ آتا ہے اور جو اس سے ناواقف ہے اس سے کچھ نہیں آتا۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر میں دارالافتار میں داخل ہوا اور خارج اوقات میں حکیم محفوظ علی صاحب مرحوم دیوبندی سے فن طب کی تکمیل کی اور اسی سال میں حضرت مدنی رح سے بیعت بھی ہو گیا۔ ذکر جہری، پاس انفاس پہلے ہی سے کرتا تھا یہی حضرتؒ نے تعلیم فرمایا میں نے حضرت کو سلوک کے سبق کیلئے کبھی کوئی پرچہ نہیں لکھا وہ اپنی مرضی سے اس سلسلہ کے اذکار اور مراقبہ تعلیم فرماتے رہے۔ اس زمانہ میں میں نے بہت کتابوں کا مطالعہ کیا ہے البتہ چھ مہینہ کیلئے حضرت نے مجھ سے مطالعہ چھوڑا کر صرف اذکار اور مراقبہ ہی کا حکم دیا۔ بالآخر رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ قیام ٹانڈہ میں مجھے انہوں نے اجازت بیعت مرحمت فرمادی اور شوال ۱۳۷۴ھ میں اپنی ایک مستعمل ٹوپی بھی مرحمت فرمائی۔ انہوں نے مجھے کیسا پایا اس کو وہ جانتے ہونگے میں اپنے بارہ میں نہایت صفائی سے کہتا ہوں کہ میں بہت خراب انسان ہوں خدا مجھے ہدایت دے اور معاف فرمادے۔

سودہ شد از سجدۂ پیش بتاں پیشانیم\
چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

۶ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو میں حضرت شیخ الاسلام رح کے ارشاد سے بنگلور آیا یہاں کوئی عربی کا مدرسہ نہیں تھا بس لے دیکر اسلامی یتیم خانہ بچوں کی دینی تعلیم کیلئے ایک ادارہ تھا دوسرا مدرسہ جو محلہ قاضی باڑہ میں تھا وہ تقریباً بند ہی تھا یہاں ہو دیکر میں یتیم خانہ کی حدود میں مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم کے نام سے جاری کیا، جو

قریباً بارہ سال تک مختلف مقامات پر تبدیل ہوتا رہا اور بقول شخصے کہ بارہ سال میں تو کوڑی کے بھی دن پھر جاتے ہیں، اور یہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مدرسہ تھا اس کے دن بھی پھرے چنانچہ بارہ سال بعد اس کے لئے ایک مستقل آراضی خرید کر اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا اب بحمد اللہ مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بجنور ضلع کا سب سے بڑا دینی مدرسہ ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ اسی مدرسہ کا ایک شعبہ مدنی دار الافتاء ہے جو نہ صرف ملک میں بلکہ بیرون ملک میں جانا پہچانا جاتا ہے

یہ تعجب ہوگا کہ اس مدرسہ کے قیام میں کسی سرمایہ داری کو دخل نہیں بلکہ فقر وفاقہ اور تمام قسم کے مصائب و آلام اس کی بنیاد میں رچے بسے ہیں اور سرمایہ داری زمینداری، صاحبزادگی اور پیرائیت کے تند و تیز جھونکوں نے اس کے حق میں وہی کام کیا ہے کہ جو سبزہ نورستہ کے ساتھ تیز ہوائیں کرتی ہیں کہ اس کی ہر حرکت کے ساتھ سبزہ کو نمو حاصل ہوتا ہے اور انجام کار ہوائیں غائب ہو جاتی ہیں اور سبزہ نورستہ ایک دن سایہ دار تناور درخت بن جاتا ہے اور پھر ہر باد مخالف اس سے ٹکرا کر فنا ہو جاتی ہے اور یہ اپنی جگہ موجود رہتا ہے اور مخلوق اس کے سایہ سے فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جسطرح اس ملک کو سرمایہ دارانہ اور زمیندارانہ ذہنیت سے نقصان پہونچا ہے اسیطرح ان دونوں ذہنیتوں اور نظام صاحبزادگی نے دین کی جڑوں کو اکھاڑ ڈالا ہے اور وہ ذوات انتہائی منحوس ہیں کہ جن کی وجہ سے اخوانیت عناد اور انتشار کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ بہر حال یہ مدرسہ اس ضلع میں خدا کی بڑی رحمت ہے اور اس کے دین کا بڑا کام کر رہا ہے

لکھنے کا کام: میں نے کسی سے سیکھا اور نہ اسکی مشق کی کیونکہ اس کے بارے میں میرا ذہن یہ ہے کہ آدمی کو کسی فن میں کمال حاصل ہونا چاہیئے خصوصاً فقہ میں تو اسکو

سب کام آسان ہوجاتے ہیں، اسلئے میں نے کبھی مضامین نویسی کی کوشش نہیں کی۔ بجنور آیا تو یہاں مدینہ اخبار موجود تھا ۱۹۵۶ء میں اس کا سیرت نمبر شائع ہوا تو پروفیسر اجمل کی سیرت قرآنیہ کا ایک قابل اعتراض حصہ شائع ہوا حضرت شیخ الاسلام رح کے امر سے میں نے اس کا جواب لکھا یاد رہے میں نے کبھی کوئی کام اپنی مرضی سے شروع نہیں کیا حضرت کی حیات میں ان کے امر سے اور انکے بعد مختلف دوستوں اور بزرگوں کے اصرار پر شروع کیا اللہ تعالیٰ نے اسی میں برکت دی۔

ناحق شناسی ہوگی کہ مدینہ اخبار کا اگر شکریہ نہ ادا کیا جائے اس نے میرا تعارف کرانے میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ برابر مدینہ اخبار میں شائع ہوتا رہا ہے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ اعزازی طور پر اسکی ادارت کے اہم فریضہ کو میں نے انجام دیا ہے۔

تحریری کام کا پھیلاؤ اور اس کی اشاعت مجھ جیسا کم مایہ انسان نہیں کر سکتا لیکن بفضل خدا کہ ایک درجن سے زیادہ میری کتابیں شائع ہوئیں جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بہت سے ملکوں میں معروف ہوئیں وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔

باوجود اخبار میں ایک مدت کام کرنے کے مجھے سیاسی دنیا سے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی، بلکہ ہمیشہ اس سے علیحدہ رہا ہوں بلکہ اپنی خدمت کیلئے میں نے ہمیشہ مذہبی میدان کو اپنایا ہے چنانچہ تبلیغی جماعت میری محبوب ترین جماعت ہے اور اس کام کو میں اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے باعث فلاح سمجھتا ہوں

عزیز الرحمٰن غفرلہ

مدنی دار الافتاء بجنور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امامِ اعظم ابو حنیفہ رح

قرآنِ پاک کی روشنی میں

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

مہاجرین اور انصار میں سابقین اولین اور جن حضرات نے ان کی نیکیوں میں اتباع کی اللہ نے ان سب کو پسند کر لیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ امام اعظمؒ اور تابعین میں افضل ہیں

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہو بے پردہ روحِ قرآنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام اعظم ابو حنیفہؒ

حدیث شریف کی روشنی میں

رجل من ابناء فارس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے اتار لائیگا ——— (مسلم)

بالاتفاق
اس حدیث کا مصداق ابو حنیفہ نعمان
بن ثابت ہیں۔
(سیوطی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حیات امام اعظم ابوحنیفہ

رضی اللہ عنہ

ماخذ و حوالہ جات

قرآن پاک		مناقب	موفق
احادیث نبویہ		”	کردری
حدائق الحنفیہ	از مولانا فقیر محمد صاحب	طبقات	ابن سعد
ابوحنیفہ	ابوزہرہ مصری	جامع صحیح	بخاری
خیرات الحسان	علامہ ابن حجر مکی	عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین
سیرت النعمان	علامہ شبلی	ترجمان السنۃ	مولانا بدر عالم میرٹھی
فتح الباری	حافظ ابن حجر	نصب الرایہ	علامہ جمال الدین زیلعی
معجم المصنفین۔	علامہ شیخ محمود حسن خاں ٹونکی	البنایہ	علامہ بدر الدین عینی
نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر	ہدایہ	علامہ کمال الدین
تنسیق النظام	مولانا محمد حسن سنبھلی	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
اوشحۃ الجید	مولانا شوق نیموی	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ
اوجز المسالک	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب	ریاض المرتاض	نواب صدیق حسن صاحب
مناقب	ذہبی	الجواہر المضیہ	علامہ ابن ابی الوفا
نزہۃ النظر	حاشیہ	مبدا و معاد	حضرت مجدد الف ثانی

حیاتِ امام اعظم ابوحنیفہ رضؓ

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ÷ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

نعمان کا تذکرہ ہمارے لئے بار بار کرو کیونکہ وہ ایک مشک
ہے جس کی تکرار سے خوشبو پھیلے گی (امام شافعی)

نام ونسب | نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ، لقب بالاتفاق امام اعظم ہے
آپکی کنیت "ابوحنیفہ" کسی اولاد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ
کنیت وصفی ہے یعنی "ابا الملۃ الحنفیہ" اور بوجہ آیۃ مبارکہ

وَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ	ابراہیم حنیف کی ملت کا
حَنِيفًا الآیۃ	اتباع کرو

آپ نے اپنی کنیت "ابوحنیفہ" اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اسے شرف
قبولیت بخشا جسکی وجہ سے اصل اسم "نعمان" پر غالب آگئی قبولیت اور پسندیدگی
اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کنیت کے ساتھ ایک لقب
"امام اعظم" کو بھی شہرت دوام بخشی

ذٰلکَ فضل اللہ یؤتیہ	یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس
من یشاء (الآیۃ)	کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

آپ کا سن ولادت متفق علیہ اور مشہور روایت کی بنا پر سنہ ۸۰ھ ہے
علامہ موفق اور دیگر مورخین ومحدثین اور اصحاب سیر اور اصحاب الرجال نے مختلف
اسناد سے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ دوسری روایت سنہ ۶۱ھ کی ہے لیکن
یہ روایت ضعیف ہے اول الذکر روایت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

الصحیح ھی الروایۃ	صحیح روایت پہلی ہی ہے اور اسی
الاولیٰ وھی المجمع علیہا[1]	پر سب کا اتفاق ہے۔

---

[1] مناقب ص۵ ج ۱

امام صاحبؓ نسلاً فارسی ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے :-
نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن قیس بن یزدگرد بن
شہریار بن نوشیرواں[1]
بعض نے آپ کو عربی النسل بتلایا ہے[2] لیکن صحیح یہی ہے کہ آپ فارسی
ہیں مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ غلام خاندان سے تعلق رکھتے
ہیں یا آپ کے اجداد غلام تھے[3]۔ اس کے ثبوت میں حافظ ابن حجر مکی صاحب
خیرات الحسان نے ایک روایت آپ کے پوتے یعنی اسماعیل بن حماد بن
ابی حنیفہ سے اس طرح نقل کی ہے

واللہ ما وقع لنا رق قط[4] - خدا کی قسم ہم کبھی غلام نہیں تھے

اسی روایت کو جمہور علماء و مورخین نے اختیار کیا ہے علامہ شبلی کی
تحقیق بھی بہت خوب ہے فرماتے ہیں :-

خطیب مورخ بغدادی نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی روایت
نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن
مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس سے ہیں کبھی کسی غلامی میں نہیں آئے
ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ثابت بچپن میں حضرت علیؓ
کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ان کے اور انکے خاندان کے حق
میں دعا کی ہے۔ امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں ہے۔
اسماعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتلایا ہے اور پر دادا
کا نام مرزبان حالانکہ زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی
ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا اسمٰعیل نے سلسلہ نسب کے
بیان میں وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا

---

[1] حدائق الحنفیہ ص۱ [2] ابوزہرہ ص۱۲ [3] صاحب اتحاف النبلا نے امام صاحب کو رقیت
کی طرف منسوب کیا ہے لیکن دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی [4] خیرات الحسان

زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا ماہ اور مرزبان لقب ہو گئے کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اسقدر اور بھی ثابت ہے کہ انکا خاندان فارس کا ایک مشہور اور معزز خاندان تھا[1] ۔ فارسی میں رئیس خاندان کو مرزبان کہتے ہیں اسی لئے قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابو المحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہو گئے کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک ہی معنی ہیں دراصل وہی "مہ" ہے جسکے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرعہ ہے

نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

عربی لہجہ نے "مہہ" کو "ماہ" کر دیا ہے[2]

لیکن وہ روایات کہ جن کو بعض مورخوں نے بیان کیا ہے "زوطی کابل سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور قبیلہ تیم اللہ کی ایک عورت نے ان کو خرید لیا تھا" واہیات، کمزور اور بے اصل ہیں۔ روایات سے اس قدر تو ثابت ہے کہ خلافت فاروق اعظم میں جب لشکر اسلام نے لشکر فارس کو شکست دی تو اسوقت امام ابوحنیفہ رح کے والد اور امام ابن سیرین کے والد گرفتار کر لئے گئے تھے بالفرض اگر صاحب اتحاف النبلاء کے اعتراض کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا ہوا کیونکہ معیار شرافت تقویٰ ہے نہ کہ نسب، قرآن میں ارشاد ہے

اکرمکم عند اللہ اتقٰکم   تم میں شریف ترین اللہ کے نزدیک
(الآیۃ)   تمہارے سب سے زیادہ متقی ہیں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ۔

اولیٰ بی المتقون من   مجھ سے نزدیک تر متقی ہیں جو بھی

---

[1] سلسلہ نسب سے معلوم ہوا کہ آپ شاہی خاندان سے تھے عجیب اتفاق ہے کہ شہنشاہان عالم نے بھی آپ ہی کے فقہ پر اپنی حکومتوں کو قائم کیا۔ [2] سیرۃ النعمان ص ۱۳

کانوا حیث کانوا　　　ہوں اور جہاں بھی ہوں

پھر بقول علامہ جلال الدین سیوطی کہ حدیث " لو کان الدین " کے مصداق امام صاحب ہیں اب کسی مزید دلیل ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر حضرات صحابہ رضؓ میں بہت سے صحابہ غلام تھے۔ حضرت بلال رضؓ کے مقابلہ میں امت میں کس آزاد کو پیش کیا جا سکتا ہے ؟ یا کفار مکہ کے سرداروں میں کس کا نام لیا جا سکتا ہے ؟ ؎

ابولہب فی فائق الحسن لم یکن　　　علیٰ بلال اسود اللون حالك

ابولہب حسین ترین ہونے کے باوجود حضرت بلال سیاہ ترین پر فوقیت نہ لے سکا

کسی نے کیا خوب کہا ہے :-

خاک کے پردے میں ہیرے کی کنی ہوتی ہے

حضرات تابعین اور ائمہ کرام کی ایک کثیر تعداد غلام تھی۔ عطا بن ابی رباح ربیعۃ الرائے، نافع، طاؤس، ابن کیسان، ابن ابی کثیر میمون بن مہران مکحول ضحاک بن مزاحم، حسن ابن سیرین یہ سب غلام ہی تھے۔ لہٰذا اب اس اعتراض کی حقیقت کہ امام ابو حنیفہ مولیٰ ہیں تار عنکبوت کے سوا کچھ نہیں ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض روایات میں امام ابو حنیفہ رحؒ کے نام کے ساتھ لفظ " مولیٰ " ملتا ہے لیکن اس کا تاریخی پس منظر ہے

لفظ مولیٰ اور اس کا پس منظر

اہل عرب اس کا استعمال بہت سے معنی میں کرتے ہیں مثلاً مولیٰ بمعنی آقا مولیٰ بہ معنیٰ غلام "، مولیٰ بمعنی " حلیف " لیکن اصطلاحاً مورخین نے اس کا اطلاق غیر عرب پر کیا ہے

هو الاسم الذی اطلقه　　　مولیٰ ایک اسم ہے جسکا اطلاق مورخوں

المورخون علیٰ غیر العرب[۱]　　　نے عجمیوں پر کیا ہے

اور حضرات تابعین کے زمانہ میں یہ لفظ فقہائے کرام کے لیے بھی مستعمل تھا۔

---

[۱] ابو زہرہ ص۱۳

هم حملة الفقه فی عصر التابعین[1] — موالی عصر تابعین میں اہل فقہ تھے۔

لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ تابعین کے زمانہ میں تمام اہل فقہ کو "موالی" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا؟ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب فتوحات میں زیادہ مشغول تھے اور اسلامی سلطنت کی حدود روز بروز وسیع تر ہو رہی تھیں عربوں کو عجمی شہروں اور اہل عجم کو عربی امصار میں آنے جانے کے مواقع کثرت سے پیش آتے تھے اور اسی ضمن میں فریقین کے دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے ایسے تعلقات کو اہل عرب "ولا" اور ایسے اشخاص کو "موالی" کہتے تھے لہذا اگر زوطی (امام کے دادا) نے بھی کسی عرب سے یہی رشتہ قائم کر لیا ہو تو کیا بعید ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ اس زمانہ میں علماء و فقہاء ہی موالی کیوں تھے؟ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ اہل عرب کو فتوحات اور امور حکمرانی سے فرصت نہیں تھی جو وہ علم کی طرف توجہ کرتے اور اس وقت تک علم حدیث، علم فقہ اہل عرب کے نزدیک فن کے درجہ میں شمار نہیں ہوتے تھے مگر اہل عجم کے نزدیک ان کی حیثیت ایک مستقل فن کی تھی اور وہ ان کو فن ہی کی طرح سیکھتے تھے لہذا اس وقت اہل عجم کو اسی علمی غرانت کی وجہ سے اگر "موالی" سردار کہا گیا ہو تو قرین قیاس ہے۔

امام صاحبؒ کا مولد آپ کا مولد کوفہ ہے اس وقت کوفہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ علامہ کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں کوفہ کا تعارف اسطرح کرایا ہے:-

> کوفہ عہد فاروقی ۱۷ھ میں بحکم امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رض تعمیر کیا گیا اور اس کے اطراف میں فصحائے عرب آباد کئے گئے اور سرکاری طور پر یہاں کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے حضرت عبداللہ

---

[1] ابو زہرہ ص۱۴۲

بن مسعود رضہ کا تقرر ہوا ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت
عمر رضہ نے اہل کوفہ کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا: " ابن مسعود رضہ
کی مجھے یہاں خاص ضرورت تھی۔ لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھتے
ہوئے ان کو بھیج رہا ہوں " حضرت ابن مسعود رضہ نے کوفہ میں حضرت
عثمان رضہ کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور مسائلِ دینیہ
کی تعلیم دی حضرت ابن مسعود رضہ کی اس جدوجہد اور کوشش کا یہ نتیجہ
ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہو گئے۔ حضرت علی رضہ
جب کوفہ پہونچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا: " اللہ تعالیٰ بھلا
کرے ابن مسعودؓ کا کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا " اور
دوسرے جلیل القدر صحابہ رضہ مثلاً حضرت سعید بن جبیر رضہ یہاں ایسے
تھے کہ جب حضرت ابن عباس رضہ سے کوفہ کا کوئی آدمی مسئلہ دریافت
کرتا تو فرماتے: " کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر رضہ نہ تھے جو یہاں
دریافت کرنے آئے اسی کوفہ میں مشہور تابعی " امام شعبی " رہتے تھے
ان کے متعلق حضرت ابن عمر رضہ فرمایا کرتے تھے: " باوجودیکہ ہم غزوات
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے لیکن ان کی یادداشت
جتنی انکو ہے ہم کو نہیں۔ حضرت ابراہیم نخعی کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا ان
کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اصحاب نقد کے نزدیک
ان کے مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ پایا ہے۔ ابوعمران نے ان کے
متعلق تحریر فرمایا ہے کہ :- " ابراہیم نخعی اپنے زمانے کے تمام علماء
سے افضل ہیں " ۹۵ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ابوعمران نے ایک
شخص سے کہا کہ آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ انسان کو سپردِ خاک
کر دیا ہے، اس نے کہا کیا حسن بصری رضہ سے بھی زیادہ! فرمایا بلکہ تمام۔

اہل بصرہ اور اہل کوفہ، اہل شام، اہل حجاز سے بھی زیادہ

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں پندرہ سو صحابہ رض کا قیام رہا ہے جن میں ستر اصحاب بدری تھے علاوہ ازیں حضرت علقمہ کا قیام بھی اسی شہر میں تھا۔ رامہرمزی نے اپنی کتاب الفاصل میں قابوس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں اور یہ تو حضرت ابن مسعود رض کے شاگرد ہیں۔ فرمایا جان پدر! میں خود ان کے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو مسائل دریافت کرنے کے لئے آتے جاتے دیکھتا ہوں۔

قاضی شریح یہاں کے مشہور قاضی رہ چکے ہیں ان کے بارے میں حضرت علی رض کا بیان ہے شریح اٹھو! اور فیصلہ کرو! کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو۔ ان کے علاوہ ۳۳ حضرات اور بھی یہاں رہتے تھے جو اصحاب رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں اصحاب فتویٰ تھے

اس دور کے بعد ان حضرات کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے انکی تعداد بھی ہزار ہا سے متجاوز تھی۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لئے تنہا عبدالرحمٰن ابن الاشعث کے ساتھ چار ہزار کی تعداد میں قراء تابعین تھے۔ رامہرمزی انس ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہونچا تو اس وقت وہاں چار ہزار محدثین اور چار سو فقہاء موجود تھے۔ عفان ابن مسلم[1] سے روایت ہے کہ جب ہم کوفہ پہونچے تو وہاں ہم نے چار ماہ قیام کیا حدیث کا وہاں اس قدر چرچا تھا کہ اگر ہم حدیثیں لکھنا چاہتے تو ایک لاکھ لکھ سکتے تھے۔ لیکن ہم نے صرف ۵۰ ہزار

---

[1] آپ امام احمد اور امام بخاری کے استاذ ہیں۔

پر اکتفا کیا اور یہ حدیثیں وہ ہیں جو جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔

کوفہ کی اس مختصر علمی اور تاریخی داستان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ
دیث اور رجال کی کتابوں میں بیشتر راوی کوفہ ہی کے کیوں ہیں؟ امام بخاری رح
رماتے ہیں کہ میں متعدد بار حدیث حاصل کرنے کوفہ گیا ہوں[۱]۔ اہل کوفہ کی علمیت
ے متاثر ہو کر امام ترمذی نے اکثر جگہ اہل کوفہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔ یہی
ہر امام صاحب کا مولد ہے جہاں سے ہمیشہ علوم نبوت کی نشر و اشاعت
ہوئی ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حنفی فقہ احادیث کے خلاف ہے
حض قیاس پر مبنی ہے وہ ان مشہور تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں

امام صاحب نے اپنے زمانہ میں کوفہ کا کوئی تابعی اور صحابی ایسا نہیں
وڑا جس سے ملاقات نہیں کی۔ پھر آپ سے بہت سے تابعین نے روایات
ں کی ہیں۔

---

[۱] فتح الباری۔

تابعیتِ امام اعظم

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ کے سوانح نگاروں کے درمیان آپ کی تابعیت کا مسئلہ بہت اہم شمار کیا گیا ہے اور مخالفین و موافقین نے بھی اس کے نفی و اثبات میں بہت کافی زور صرف کیا ہے

یہ معرکہ اگرچہ آج کل کی روشنی خصوصاً غیر قوموں میں لفظی منازعت کی حیثیت رکھتا ہو تو ہو لیکن اس سے مسلمانوں کی اپنے پیغمبر سے والہانہ عقیدت اور محبت اور قرآن کریم سے بے پناہ تعلق کا پتہ چلتا ہے ارشاد باری ہے ۔

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ	سب سے پہلے ایمان لانے والے
الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ	مہاجرین اور انصار اور انکی نیکیوں
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ	میں جنہوں نے اتباع کی اللہ تعالیٰ ان
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ	سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے
(الآیۃ)	راضی ہیں

آخر جن لوگوں کو خداوند عالم کی طرف سے یہ شرافت اور بزرگی حاصل ہوئی ہے ان کے اعزاز و اکرام کی کنہ کو کون پہونچ سکتا ہے حدیث شریف میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

طوبیٰ لمن رآنی ولمن	مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور
رآٰی من رآنی (الحدیث)	میرے دیکھنے والوں کو دیکھا

آخر اس نسبت میں کچھ تو خیر و برکت ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے ۔

خیر القرون قرنی ثم	مبارک تر میرا زمانہ ہے اور پھر اس کے

الذین یلونھم ثم الذین — متصل اور پھر اس سے
یلونھم (الحدیث) متصل۔

اسی قسم کی آیات واحادیث سے حضرات صحابہؓ وتابعین کے مقام کی رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی مرتبہ کی رفعت کیطرف حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اشارہ کیا ہے :۔

فضیلت میں اویس قرنیؒ حضرت معاویہ رضؓ کے گھوڑے کی ناک میں اس گرد کے برابر نہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیساتھ جہاد کی شرکت میں بیٹھ گئی تھی۔

حضرات صحابہ رضؓ کے بعد حضرات تابعین ہی کا مرتبہ ہے حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ تابعی ہیں یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ آپ کا سن پیدائش ۸۰ھ اور دوسری روایت کی بناپر ۶۱ھ ہے اور حضرات صحابہ رضؓ کی جماعت میں سب سے آخر وفات پانے والے ابوالطفیل (مکہ معظمہ) ۱۱۰ھ ہیں اور امام صاحب کا سن وفات ۱۵۰ھ (غالباً) ہے۔ لہٰذا ۸۰ھ لغایۃ ۱۱۰ھ، یا ۶۱ھ لغایۃ ۱۱۰ھ تیس اور ۵۰ سال کی مدت میں کتنے صحابہ رضؓ موجود ہونگے جن سے امام صاحب کی ملاقات کے قوی امکانات ہیں۔ پہلی روایت (۳۰ سالہ مدت) میں مندرجہ ذیل حضرات صحابہؓ کی ملاقات کے قوی امکانات موجود ہیں۔

حضرات صحابہ رضؓ جن کا زمانہ امام صاحب رحؒ نے پایا

۱۔	حضرت انس بن مالک رضؓ	متوفی سنہ ۹۳ھ
۲۔	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضؓ	" سنہ ۸۷ھ
۳۔	حضرت سہل بن سعد رضؓ	" سنہ ۸۸ھ
۴۔	حضرت ابوالطفیل رضؓ	" سنہ ۱۱۰ھ
۵۔	حضرت واثلہ بن الاسقع رضؓ	" سنہ ۸۵ھ

۶۔ حضرت مقدام بن معدیکرب رض — متوفی سنہ ۸۷ھ

۷۔ حضرت ابوامامہ باہلی رض — " سنہ ۸۶ھ

۸۔ حضرت عمرو بن حریث رض — " سنہ ۸۵ھ

۹۔ حضرت عبداللہ بن بسر رض — " سنہ ۸۸ھ یا سنہ ۹۶ھ

۱۰۔ حضرت بسر بن ارطاۃ رض — " سنہ ۸۶ھ

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن حارث[1] بن جزء۔ متوفی سنہ ۸۵ھ یا سنہ ۸۶ھ یا سنہ ۸۷ھ یا سنہ ۸۸ھ یا سنہ ۹۹ھ [1]

۱۲۔ حضرت عتبی بن عبد السلمی رض — متوفی سنہ ۸۷ھ یا سنہ ۹۰ھ

۱۳۔ حضرت اسعد بن سہل رض — " سنہ ۱۰۰ھ

۱۴۔ حضرت سائب بن یزید رض — " سنہ ۹۱ھ

۱۵۔ حضرت طارق بن شہاب بجلی کوفی رض — " سنہ ۸۲ھ یا سنہ ۸۳ھ

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رض — " سنہ ۸۷ھ یا سنہ ۸۹ھ

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن الحارث بن نوفل رض — " سنہ ۹۹ھ

۱۸۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ رض — " سنہ ۸۳ھ

۱۹۔ حضرت مالک بن حویرث رض — " سنہ ۹۴ھ

۲۰۔ حضرت محمود بن لبید رض — " سنہ ۹۶ھ

۲۱۔ حضرت مالک بن اوس رض — " سنہ ۹۲ھ

۲۲۔ حضرت قبیصہ ابن ذویب رض — " سنہ (تقریب)

جناب حافظ المزی نے بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کی ملاقات ۲۷ صحابہ رض سے ہوئی ہے[2] تاہم بقید سن وفات حضرات کی فہرست ہم نے پیش کر دی منصف

---

[1] حضرت عبداللہ بن حارث رض کے سن وفات میں جس قدر اختلاف ہے وہ ہم نے ذکر کر دیا لیکن برہان الاسلام حسین بن علی بن حسین غزنوی نے جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کا سن وفات سنہ ۹۹ھ ہے۔ (مقدمہ مسند امام اعظم ص ۶۹ مطبوعہ کراچی) [2] معجم المصنفین ص ۲۳ ج ۲

مزاج اہل علم تو امام صاحب کی تابعیت سے انکار نہیں کر سکتے اور دوسروں کو ہم قابل اعتنار نہیں سمجھتے۔

تابعی کی تعریف

امام صاحب کی تابعیت کے متعلق اختلاف تابعی کی تعریف کے اختلاف پر مبنی ہے بعض حضرات نے رویت کیساتھ روایت کی بھی شرط لگائی ہے لیکن یہ قید صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رویت ہی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے جس کی بنار پر جمہور نے صحابی اور تابعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

من لقی النبی صلعم مومنا به ومات علی الاسلام ولو تخللت ردة [1]	صحابی وہ ہے جس نے بحالت ایمان حضورؐ سے ملاقات کی اور اسلام پر وفات پائی، اگرچہ درمیان میں ارتداد پیش آگیا ہو۔

اس تعریف کے اعتبار سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (جو مرتد ہو گئے تھے) صحابی ہیں اور محمد بن ابی بکر رضؓ (جن کی عمر حضورؐ کی وفات کے وقت چھ ماہ تھی) صحابی ہیں اس تعریف میں صرف ملاقات کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اگر اس کے ساتھ روایت کی قید کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرات صحابہ رضؓ کی کثیر تعداد رتبہ صحابیت سے نکل جائیگی جس کو کوئی بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور تابعی کی تعریف صحابی رضؓ کی تعریف سے ماخوذ ہے :-

التابعی وهو من لقی الصحابی [2]	تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی

حافظ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں اسی تعریف کو اکثر محدثین کا مسلک قرار دیا ہے اسی تعریف کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی بیان فرماتے ہیں

هذا هو المختار خلافاً لمن اشترط فی التابعی طول الملازمة	یہ بہترین تعریف ہے ہاں ان کے خلاف ہے جو تابعی کے لئے طول صحبت

---

[1] نخبۃ الفکر ص۱۸ [2] ایضاً ص۲۲

وصحت السماع [1] اور صحت سماع کی قید لگاتے ہیں

شیخ ابوالحسن نے حافظ ابن حجر کی تصویب کرتے ہوئے فرمایا ہے :-
علامہ عراقی کہتے ہیں کہ اسی تعریف پر اکثر علماء کا عمل ہے اور یہی معتبر ہے
کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے
طوبیٰ لمن رأنی وآمن بی وطوبیٰ لمن رأی من رآنی اس حدیث میں
محض رویت ہی کی قید ہے میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی رو سے امام
صاحب تابعین کے رشتہ میں منسلک ہیں اس لئے کہ آپ نے انس
بن مالک رض اور دوسرے صحابہ کو دیکھا ہے (اس کے بعد فرماتے ہیں) جن
لوگوں نے امام صاحب کے تابعی ہونے کا انکار کیا ہے وہ متعصب اور
کم فہم ہیں [2]

ہذا ان وجوہات کی بناء پر ابن حبان کی رائے قابل قبول نہیں ہے

امام صاحب تابعی ہیں

اس مختصر تمہید کے بعد امام صاحب کی تابعیت کا مسئلہ ہے جس کا مجملاً ذکر تو سطور بالا میں آچکا ہے مگر یہاں قدرے تفصیل انسب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

ادرک الامام ابوحنیفة جماعة	امام صاحب نے صحابہ کی ایک جماعت
من الصحابة لانه ولد	سے ملاقات کی ہے کیونکہ وہ ۸۰ھ
بالکوفة سنة ثمانین من	میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور اسوقت
الهجرة وبها یومئذ من	کوفہ میں عبداللہ ابن ابی اوفیٰ موجود
الصحابة عبد الله بن ابی	تھے اس لئے کہ بالاتفاق انکا انتقال
اوفی فانه مات بعد ذلك	۸۰ھ کے بعد ہوا ہے اور بصرہ
بالاتفاق وبالبصرة یومئذ	میں اس وقت حضرت انس رض
انس بن مالك ومات سنة	موجود تھے اور ان کا انتقال

---

[1] نزہۃ النظر ص۵۳ [2] ایضاً

تسعین اوبعدھا[1] — ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا ہے

ابن حجرؒ فرماتے ہیں

فھو بھذا الاعتبار من التابعین[2] — اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں

علامہ عسقلانی نے بخاری کی شرح میں "باب الصلوۃ فی الثیاب" کے تحت بیان فرمایا ہے کہ یہی جمہور کا مسلک ہے

حافظ ذہبی فرماتے ہیں :-

انہٗ رای انس بن مالک مرارًا[3] — امام صاحب نے انس بن مالک کو چند بار دیکھا ہے

غرضکہ ائمہ فن مثلاً خطیب بغدادی، ابن جوزی، مزی، یافعی، عراقی، ذہبی، ابن حجر سیوطی وغیرہ حضرات امام صاحب کی تابعیت پر متفق ہیں[4]۔ علامہ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے

ادرک الامام الاعظم ثمانیۃ من الصحابۃ[5] — امام صاحب نے آٹھ صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

جن آٹھ یا دس صحابہؓ سے امام صاحب نے ملاقات کی ہے انکے اسمار گرامی یہ ہیں

۱۔	انس بن مالک رضؓ	متوفی سنہ ۹۳ھ
۲۔	عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضؓ	" سنہ ۸۷ھ
۳۔	سہل بن سعد رضؓ	" سنہ ۸۸ھ
۴۔	ابوطفیل رضؓ	" سنہ ۱۱۰ھ
۵۔	عبداللہ بن انیس رضؓ	" سنہ ۸۲ھ
۶۔	عبداللہ بن جزء الزبیدی رضؓ	" سنہ ۹۹ھ
۷۔	جابر بن عبداللہ رضؓ	" سنہ ۹۴ھ
۸۔	عائشہ بنت عجرد رضؓ	سنہ

---

[1] تنسیق النظام ص۱ [2] ایضاً [3] خیرات الحسان ص۷ [4] اوشحۃ الجید ص۴۵ [5] تنسیق النظام ص۱

۹۔ واثلہ بن الاسقع رضؓ متوفی ۸۵ھ

۱۰۔ معقل بن یسار رضؓ ۔۔۔ھ

دارقطنی نے کہا ہے کہ آپ نے صرف انس بن مالک رضؓ کو دیکھا ہے ۔ ابوطفیل وغیرہ کو نہیں دیکھا، لیکن دارقطنی کی یہ رائے انصاف اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ صاحب درمختار کے بقول آپ نے ۵۵ حج کئے ہیں۔ پندرہ حج حضرت طفیل (مکہ معظمہ) کی حیات میں کئے ہیں اور حضرت ابوطفیل کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے اور امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ ہے یعنی آپ ستر سال حیات رہے ۱۵ سال کی عمر میں پہلا حج اپنے والد کی معیت میں کیا ہے[۱]۔ لہذا عقل دارقطنی کے قول کو کس طرح تسلیم کرے کہ حضرت ابوطفیل مسجد حرام میں تشریف رکھتے ہوں، امام صاحب بالغ بھی ہوں اور پھر بھی صحابی کی ملاقات سے گریز کرتے رہیں؟ اس مدت میں تو سماع حدیث بھی یقینی ہے ۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیئے ❊ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

ان وجوہات کی بناء پر ابن سعد کی رائے نہایت قیمتی ہے

فهو بهذا الاعتبار من	امام صاحب اس اعتبار سے تابعین
طبقة التابعين ولم يثبت	کے طبقہ میں سے ہیں یہ خصوصیت
ذلك لاحد من ائمة	آپ کے معاصر ائمہ میں سے کسی کو
الامصار المعاصرين له	حاصل نہیں مثلاً اوزاعی کو شام میں
كالاوزاعي بالشام والحمادين	حماد بن زید اور حماد بن سلمہ (بصرہ)
بالبصرة والثوری بالكوفة	ثوری (کوفہ) مالک (مدینہ)
ومالك بالمدينة ومسلم	مسلم ابن خالد (مکہ) لیث

---

[۱] ابجد صفحہ ۵۹ تحریر فرماتے ہیں کہ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تفصیل ملاحظہ فرمایئے ابجد

بن خالد الزنجی بمکة واللیث بن سعد (مصر) میں

بن سعد بمصر [1]

یعنی جس قدر امام صاحب کو حضرات صحابہ رضؓ کی ملاقات کے مواقع حاصل ہوئے دوسروں کو نہیں۔ حضرت انس رضؓ کی ملاقات کا معاملہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے علامہ ذہبی نے اس بارے میں امام صاحب کا قول سند کے ساتھ نقل کیا ہے [2] علامہ کردری اور علامہ موفق نے اپنی اپنی کتابوں میں امام صاحب کے مرویات کو بھی ذکر کیا ہے اور ان کی تعداد پچاس بتلائی ہے علامہ خوارزمی فرماتے ہیں :-

اتفق العلماء علیٰ انہٗ	علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام
روی عن اصحاب رسول اللہ	صاحب نے صحابہ رضؓ سے روایات
صلعم لکنھم اختلفوا فی	نقل کی ہیں لیکن ان کی تعداد
عددھم [3]	میں اختلاف ہے

بعض حضرات نے ۶ بعض نے ۷، اور بعض نے مرویات کی تعداد ۸ بتلائی ہے علامہ کردری نے ان حضرات صحابہ رضؓ کے نام بھی شمار کرائے ہیں مثلاً انس ابن مالک رضؓ، عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضؓ، حضرت سہل بن سعد رضؓ، حضرت ابوالطفیل رضؓ حضرت عامر ابن واثلہ رضؓ، حضرت واثلہ بن اسقع رضؓ، حضرت معقل بن یسار رضؓ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم علامہ موصوف نے ان روایات کو درایۃً بھی ثابت کیا ہے اور وہ قرائن بھی ذکر کر دیئے ہیں کہ جن کی وجہ سے صاحب فہم کو اعتراف ہی کرنا پڑتا ہے اس میں بھی شک نہیں ہے کہ محدثین کرام نے ان مرویات پر اعتراض بھی قائم کئے ہیں لیکن

قد بیّنّا ان الامکان ثابت	ہم نے بیان کر دیا کہ امکان موجود
والناقل عدل المثبت	ہے اور ناقل عادل ہے اور مثبت

---

[1] تنسیق صفحہ ۱۰ [2] مناقب از ذہبی صفحہ ۸ [3] تنسیق صفحہ ۱۰

اولیٰ من النافی لہ کے مقابلہ میں مثبت کو قوت حاصل ہوتی ہے
اور ہم مثبت کی پوزیشن میں ہیں اس لئے ہمارے دلائل کو زیادہ تقویت
حاصل ہے ۲۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جن کو امیرالمومنین فی الحدیث کہاجاتا
ہے اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں :

کفی نعمان فخراً ماروا لہ ÷ من الاخبار عن غرر الصحابۃ

روایت کی شرط کے مطابق بھی امام صاحب کی تابعیت سے انکار محال
ہے ورنہ متفق علیہ تعریف کی رو سے تو کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا امام
صاحب نے حضرت عبداللہ بن جزء الحارث سے ایک روایت بھی نقل کی ہے

قال ابوحنیفۃ ولدت سنۃ	امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں میں ۸۰ھ میں پیدا
ثمانین سنۃ وحججت	ہوا اور اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں میں
سنۃ ستۃ وتسعین وانا	نے حج ادا کیا اسوقت میری عمر ۱۶ سال کی
ابن ست عشرۃ سنۃ فلما	تھی جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے
دخلت مسجد الحرام ورائت	ایک بڑا حلقہ دیکھا تب میں نے اپنے والد سے
حلقۃ عظیمۃ فقلت لابی	دریافت کیا یہ حلقہ کس کا ہے تو میرے والد نے
حلقۃ من ھذہ فقال حلقۃ	کہا حضرت عبداللہ بن حارث صحابیؓ کا ہے
عبداللہ بن الحارث بن جزء	میں آگے بڑھا اور انکو میں نے یہ کہتے سنا کہ حضور
الزبیدی صاحب النبی صلعم	صلعم نے فرمایا ہے جس نے تفقہ فی الدین حاصل
فتقدمت وھو یقول سمعت	کیا تو اللہ تعالےٰ اس کے مقاصد کا
رسول اللہ صلعم یقول من تفقہ	ذمہ دار ہے اور اسکو ایسی جگہ سے رزق
فی دین اللہ کفاہ اللہ ھمہ	پہونچائیگا جہاں سے اس کو
ویرزقہ من حیث لایحتسب ۳	گمان نہ ہوگا ۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اسکو مختلف اسناد سے دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے اور جیسا
کہ گذشتہ حاشیہ میں بیان کیا جاچکا ہے حضرت عبداللہ بن حارث کی وفات ۹۹ھ میں

لہ کردری ص۱۳ ج ۱ ۲ معجم المصنفین ص۲۶ ج ۲ ۳ مسند امام اعظم

ہوئی اور اس وقت امام صاحب کی عمر ۱۹ سال کی تھی۔ دوسری حدیث صاحب اعلام الاخیار نے نقل کی ہے جسکو انہوں نے حضرت انس رض سے روایت کیا ہے وہ حدیث یہ ہے:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ — علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے

تیسری حدیث بروایت حضرت انس رض یہ ہے :-

لو وثق العبد باللہ تعالیٰ ثقۃ الطیر لیرزقہ کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا — اگر بندہ خدا پر پرندہ کیطرح اعتماد کرے تو وہ اسکو پرندہ کیطرح رزق دیتا ہے کہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس ہوتے ہیں۔

چوتھی حدیث حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کی ہے وہ یہ ہے :-

من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ — جو اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔

ان احادیث میں امام صاحب پر ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ انکی عمر ۵ سال یا ۹ سال یا ۱۱ سال کی تھی لیکن اہل اصول کے نزدیک ۵ سال کی عمر میں سماع حدیث درست ہے چنانچہ امام بخاری نے محمود بن ربیع کی روایت پانچ برس کی عمر میں قبول کی ہے علاوہ ازیں حدیث طلب العلم کے بارے میں محدثین نے بہت زیادہ کلام کیا ہے ابن جوزی نے تو موضوع تک کہہ دیا ہے تاہم مرتبہ حسن سے اس حدیث کو ساقط نہیں کیا جاسکتا اور اگر ضعیف یا معلل قرار دیا جائے تو اس کا یہی جواب زیادہ مناسب ہے کہ امام صاحب کے بعد کے رواۃ میں ضعف ہو سکتا ہے اور دوسروں کا ضعف امام صاحب پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اس حدیث کو امام بیہقی نے ابن مسعود سے، ابن عدی نے حضرت انس رض سے، طبرانی نے ابن عباس رض سے اور خطیب اور ابن ماجہ نے حضرت انس رض سے روایت کیا ہے اور کسی نے بھی اسکے درجہ حسن سے انکار نہیں کیا علامہ جلال الدین سیوطی نے تو اس کو حدیث متواتر میں شمار کرایا ہے ملا علی قاری نے فرمایا ہے کہ اسکو میں نے کم و بیش پچاس طرق سے جمع کیا ہے وہ سب کے سب صحیح ہیں لیکن ان تمام طرق میں سب سے زیادہ صحیح سند یہی ہے جو مسند امام اعظم میں ہے۔

مختصر حالاتِ زندگی

سیاسی حالات

جس وقت امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے اسوقت عبدالملک سریرآرائے سلطنت تھا اور اس کی طرف سے حجاج بن یوسف عراق کا گورنر مقرر تھا حجاج بن یوسف کا نام آجانے کے بعد اس وقت کے سیاسی حالات پر کسی خاص تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس نے اس قدر مظلوموں کو ناحق قتل کیا اور اس قدر صلحاء اور علماء کو تلوار کے گھاٹ اتارا کہ جس کی وجہ سے امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ "اگر سب پیغمبروں کی امتیں اپنے اپنے بدکاروں کو پیش کریں اور ان سب کو ایک پلہ میں رکھ دیا جائے اور ہم صرف حجاج بن یوسف ہی کو پیش کریں تو یقیناً ہمارا پلہ بھاری رہے گا۔" اسی طرح ابراہیم بن یزید نخعی نے اس کے انتقال کی خبر سنکر سجدۂ شکر ادا کیا اور فرطِ مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر لائے

ظلم وستم کے ان بھیانک اندھیاروں سے خوفزدہ ہوکر صلحائے امت اور مقتدائے ملت گوشہ گیر ہوگئے تھے اگر کسی نے ذرا سی بھی جرارت دکھائی اسی نے اپنا سر موت کے آستانہ پر بھینٹ چڑھا دیا اور وہ اسطرح ان اندھیاروں سے نجات پاگیا

عبدالملک کا انتقال ۸۶ھ میں ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا اس کے زمانہ میں زور دستی اور ظلم پروری کا تو وہی عالم تھا لیکن مسلمانوں کی حکومت کی حدود کابل اور قندھار تک پہونچ گئی تھیں مگر اشاعت علم نبوت کا کوئی خاص بندوبست نہ تھا۔ علماء کرام انفرادی طور پر اپنے اپنے حجروں میں بیٹھے وراثتِ نبی صلعم کی حفاظت کر رہے تھے اور طالبان علم دین کو بہزار دشواری علم پہنچا رہے تھے

۱؎ طبقات ابن سعد ص ۱۹۵ ج ۶۔

خدا خدا کر کے ۹۵ھ میں حجاج کا اور ۹۶ھ میں ولید کا انتقال ہوا۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبد الملک خلیفہ ہوا اس کے بارے میں مورخین کی رائے ہے کہ بنی امیہ میں سب سے بہترین خلیفہ ہوا ہے" اس کی لونڈی نے اپنے اشعار میں اس کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے :۔

(۱) تو بہترین دولت ہے کاش کہ تجھے بقا ہوئی ہوتی مگر مجبوری ہے کہ انسان کے لئے بقا نہیں ہے

(۲) جہاں تک مجھے علم ہے تجھ میں کوئی عیب نہیں ہے بجز اسکے کہ تو فانی ہے[1]

۲۰ صفر ۹۹ھ کو سلیمان کا انتقال شہر دابق (قنسرین) میں ہوا اس طرح سلیمان ۲ سال اور ۵ دن کم آٹھ مہینہ خلیفہ رہا

سلیمان کی وصیت کے مطابق عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے ۱۰۱ھ میں آپکا انتقال ہوا آپ کے زمانہ میں علم کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی یہ خود بڑے زبردست عالم تھے۔ اور علماء کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے اس لئے انکے زمانہ میں علماء بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے آپ ہی نے تدوین حدیث کا کام شروع کرایا تھا اپنے عمال کو بھی اس کی تاکید کر رکھی تھی اور خود بھی علماء سے ربط قائم کر کے اس کام کو نہایت انہماک سے کیا امام بخاری نے اسی کو اپنی جامع صحیح میں اس طرح بیان کیا ہے

کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبہ فانی خفت من دروس العلم و ذھاب العلماء[2]	عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ حضور صلعم کی احادیث کو لکھو اس لئے کہ مجھے علم اور علماء کے اٹھ جانے کا خوف ہے

اس واقعہ کے متعلق علامہ بدر الدین عینی نے بیان فرمایا ہے کہ عمر بن عبد العزیز

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۳۰ ج ۶ [2] ص ۲۰ بخاری شریف

نے یہ حکمنامہ اپنے زمانے کے تمام علمار کرام کے پاس بھجوایا تھا جس کی وجہ سے ۱۰۰ھ میں تدوین حدیث کا کام شروع ہوگیا تھا۔[۱] اگر تدوین حدیث اس وقت نہ ہوئی ہوتی تو آج ہمارے پاس احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ نہ ہوا ہوتا۔

اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ خلیفہ عبدالملک اور ولید کے زمانے میں جس خوف نے علمار کرام کو گوشہ گیر بنا دیا تھا وہ خوف باقی نہیں رہا تھا بلکہ حالات بدل گئے تھے علمار کو اشاعت علم کے بیش از بیش مواقع تھے

اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ واقعہ فاجعہ کربلا یعنی شہادت حسین رضؓ نے مسلمانوں کے قلوب میں جو جذبات بنی امیہ کے خلاف بھر دئے تھے وہ غیر فانی تھے طرفدارانِ حسین حکومت پر تنقید کرنے سے غافل نہیں تھے عباسی حضرات ہر وقت موقع کے متلاشی رہتے تھے چنانچہ ۱۰۰ھ میں خلافت عباسی کے لئے پہلی تحریک شروع ہوئی اور اس کے بعد زور پکڑتی چلی گئی آخر کار ۱۳۲ھ میں ابو العباس اس خاندان کا پہلا خلیفہ تخت پر قابض ہوگیا خلافت عباسیہ ہی کے زمانہ میں امام صاحب نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ گویا کہ امام صاحب کا ۷۰ سالہ (۸۰ھ لغایۃ ۱۵۰ھ) زمانہ سیاسی اعتبار سے ایک انقلابی زمانہ ہے جس میں بہت تھوڑی مدت تو امن و سکون کی گذری ہے کیونکہ ابتدائی زمانہ (۹۹ھ تک) ایسا زمانہ ہے کہ جس میں حجاج بن یوسف کے دست ظلم و ستم سے کوئی محفوظ نہیں تھا اور اس کے بعد کا زمانہ بنو عباس اور بنو امیہ کی مخالفت اور ہنگامہ خیز ریشہ دوانیوں اور قتل و غارت کا زمانہ ہے لہذا ہمارے ناظرین کو اس سیرت کا مطالعہ کرتے وقت ان حالات کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے ان ہی حالات میں امام صاحب کا وہ تاریخی و انقلابی اور مذہبی کارنامہ ہوا جس کو تدوین فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

---

[۱] عمدۃ القاری ص ۵۲۶ ج ۱

تحصیل علم کی ابتدار

امام صاحب کا آبائی پیشہ تجارت تھا اسی لئے آپ نے بھی اسی کو اختیار کیا اور اسی کو ذریعہ رزق بنائے رکھا۔ ائمہ میں کسب معاش اور اشاعت علم دو متضاد راہوں پر بیک وقت گامزن ہونے کی سب سے پہلی مثال آپ نے قائم کی آپ نے اپنے علم کو امرار و سلاطین کے عطیات کا کبھی شرمندہ احسان نہیں بنایا اور نہ تلامیذ اور عقید تمندوں کا ہی مرہون کرم بنایا بلکہ تلامذہ اور غربا و مساکین کو اپنے مال میں شریک بنائے رکھا اور ہمیشہ ایسے ضرورتمندوں کی تربیت و پرورش فرمائی جو لاوارث اور نادار تھے، امام محمدؒ آپ ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ ہیں

ریشمی کپڑے کی تجارت کا کام تھا ہزاروں اور لاکھوں کا کاروبار تھا اور عراق و شام، ایران و عرب کو مال سپلائی کیا جاتا تھا اتنے پھیلاؤ اور وسعت کے باوجود کیا مجال کہ ایک درم مشتبہ آجائے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تجارت صدق و امانت میں حضرت صدیق اکبرؓ کی تجارت کا نمونہ تھی [1]

تجارتی امور کی وجہ سے شہروں اور بازاروں میں آپ کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی۔ ایک دن گذرتے ہوئے امام شعبی سے ملاقات ہوگئی۔ امام شعبی نے دریافت کیا، صاحبزادے کیا کرتے ہو؟ کہاں آتے جاتے رہتے ہو؟ جواب دیا تجارت مشغلہ ہے اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہوں سوداگروں کے پاس آمد و رفت رہتی ہے، پوچھا علمار کے پاس بھی آتے جاتے ہو؟ جواب دیا

انا قلیل الاختلاط الیہم — میں ان کے پاس کم آتا جاتا ہوں

امام شعبی نے یہ گوہر نایاب دیکھ کر علم کی ترغیب دی جس کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں

نوقع فی قلبی من قولہ — میرے قلب میں امام شعبی کی بات

---

[1] ابو زہرہ مصری ص۲۸ [2] موفق ص۵۹ ج ۱

فترکت الاختلاف السوق	بیٹھ گئی اور میں نے بازار کی آمد ورفت
واخذت فی العلم الخ[1]	چھوڑ کر علم کو حاصل کرنا شروع کر دیا

اس وقت امام صاحب کی عمر کیا تھی؟ اس کے متعلق آپ کے قدیم وجدید دونوں سوانح نگاروں نے سکوت اختیار کیا ہے، حد یہ ہے کہ ابوزہرہ مصری جیسے محقق اور علامہ شبلی جیسے مورخ بھی سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں اس لئے اس کا حل قطعیات سے تو ممکن نہیں لہذا ظنیات اور قیاسات سے کام لینا پڑ رہا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے ۹۶ھ تک حصول علم کی طرف توجہ نہیں کی تھی اس وقت ولید حیات تھا، ۹۶ھ کے اواخر میں ولید کا انتقال ہوا اس کے بعد سلیمان تخت پر بیٹھا اور اس کا ۹۹ھ میں انتقال ہوا اس وقت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے اور وہ ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے لہذا آپ نے ۹۶ھ تا ۱۰۱ھ کے کسی حصہ میں تحصیل علم کی ابتداء فرمائی ہوگی اس لئے کہ ۱۲۰ھ میں امام حماد کا انتقال ہوا[2] اس وقت امام صاحب کی عمر ۴۰ سال کی تھی[3] اور آپ کو ان کی شاگردی اختیار کئے ہوئے ۱۸ سال ہو چکے تھے امام زفرؒ امام صاحب کا قول نقل فرماتے ہیں

قدمت البصرۃ فظننت	میں بصرہ اس خیال سے آیا کہ جس
انی لا اسئل عن شئ الا	چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھا
اجبتہ فسألونی عن	جائیگا میں اس کا جواب دونگا چنانچہ
اشیاء ولم یکن عندی	چند چیزوں کے بارے میں مجھ سے
فیہا جواب فجعلت علی	پوچھا گیا تو ان کا جواب میرے پاس
نفسی لا افارق حماداً حتی	موجود نہ تھا چنانچہ میں نے تا حیات
یموت فصحبتہ	امام حماد کی صحبت میں رہنے کا فیصلہ

[1] موفق ص ۵۹ ج ۱ [2] ابوزہرہ [3] ایضاً

ثمانی عشرۃ سنۃ [1] کرلیا لہذا میں ۱۸ سال تک ان
کی مجلس میں رہا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۸ سال طالب علمی کی اور اس کے بعد اپنا حلقہ درس شروع کر دیا تھا اس طرح ۱۰۲ھ کو ابتدا ربان کر ۱۲۰ھ (۱۸ سال) کو سن فراغت مانا جائیگا لیکن یہ ۱۸ سالہ مدت تحصیل علم فقہ و حدیث کے لئے قرار دی جائے گی کیونکہ ابتداءً آپ نے علم کلام حاصل کیا تھا جیسا کہ امام شعبی سے ملاقات کرنا اور مدتوں علم کلام اور مناظروں میں شرکت کرتا پھر ایک عورت سائلہ کی وجہ سے فقہ کی طرف متوجہ ہونا یہ سب قرائن ایسے ہیں جن سے ابتدا ر ۱۰۲ھ سے پیشتر ماننی پڑیگی اس کے متعلق تحقیق آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

تحصیل علم کلام

امام صاحب نے علم کلام کو اولاً کیوں سیکھا؟ اس کا بہترین جواب علامہ شبلی نے دیا ہے جس کو بعینہ نقل کیا جارہا ہے

اس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب، انساب، ایام العرب فقہ، حدیث، کلام تھا۔ علم کلام اگرچہ آج کل کا علم کلام نہ تھا کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا، تاہم ان علوم میں دقت نظر، بلندیٔ خیال، زور طبع کے لئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا اس کے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر و شام پہونچ کر اس میں رنگ آمیزیاں شروع ہو گئیں، ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفے کے بگڑے بگڑائے مسائل لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور

[1] ابوزہرہ

احتمال آفرینی کی عادی تھیں. قرآن پاک میں خدا کی ذات و صفات مبداء و معاد وغیرہ سے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اس کو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص و اعتقاد کے لئے وہی کافی تھا بخلاف اس کے فارس اور شام میں بہت دقیق بحثیں پیدا ہو گئیں جو وسعت تمدن اور ترقی حالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہیئے تھیں. تنزیہہ و تشبیہ، صفات عینیت و غیریت و حدوث و قدوم غرضکہ اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جن کو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہو گئیں اور رایوں کے اختلاف سے مختلف فرقے بنتے گئے جو مرجی، معتزلی، خارجی، جہمی، رافضی کہلائے یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ اہل حق جو اب تک ان بحثوں سے الگ تھے ان کو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا اور اس طرح علم کلام پیدا ہو گیا. جس کو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ بڑے بڑے ائمہ مذاہب مثلاً امام اشعری ابو المنصور ماتریدی کا ملجا ٹھہرا

علم کلام زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اس وقت تک اس کی تحصیل کے لئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں قدرت نے امام ابو حنیفہ میں یہ سب باتیں جمع کر دی تھیں. مگر ان میں ایرانی خون طبیعت میں زور اور جدت تھی. مذہبی روایتیں کوفہ میں ایسے عام تھیں کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں بیٹھ اٹھ کر حاصل کر سکتا تھا[1]

علامہ نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ محض قیاسی نہیں ہے خود امام صاحب سے اس سلسلہ میں متعدد روایات مروی ہیں[2]. اور یہ بھی محتاج جواب نہیں ہے کہ علم کلام میں امام صاحب کے استاذ کا پتہ لگایا جائے اسلئے

---

[1] سیرت نعمان ص ۱۹-۱ ج ۱ [2] ابو زہرہ ص ۲۵

کہ جن لوگوں کو ہندوستان میں خاندان مغلیہ اور نواب اودھ کا آخری دور حکومت اور فن قصہ گوئی کے بارے میں کچھ علم ہے وہ جانتے ہیں کہ فن قصہ گوئی کے لئے کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ذہانت اور تیزی طبع کی ضرورت ہے (اردو میں ترجمہ الف لیلے اور داستان امیر حمزہ، طلسم ہوشربا فن قصہ گوئی کا زندہ شاہکار ہیں) اس کے بعد جیسا ماحول ہوگا ذہن وہی رُخ اختیار کریگا۔ ہم نے بہت سے جہلا اور ان پڑھوں کو دیکھا ہے کہ مشاعروں میں شرکت کی وجہ سے وہ اشعار کہہ لیتے تھے۔ یہی حال امام صاحب کا تھا قدرتی طور پر ذکاوت، ذہانت، زور طبع، حاضر جوابی، بلند خیالی، سب کچھ آپ میں موجود تھیں دینی معلومات کے لئے خیر القرون تھا۔ دینی مسائل گلی کوچوں میں سب جانتے تھے۔ لونڈیوں اور باندیوں کو بہت کافی معلومات تھیں یعنی قدرتی عطیات کے ساتھ ماحول بھی موافق تھا بس امام صاحب نے اتنا کیا تاجروں کی مجلس سے اٹھ کر مناظروں میں جا بیٹھے جیسا کہ آج کل بھی کوئی موزوں طبع دکاندار دوکان سے اٹھ کر بیت بازی کی مجلس میں جا بیٹھے اور بیت بازی کرنے لگے۔

اس کے بعد یہ تحقیق طلب امر ہے کہ امام صاحب نے کتنے عرصہ تک علم کلام کے ساتھ اشتغال رکھا؟ اس باب میں بھی ہمیں کوئی تصریح نہیں ملی۔ البتہ یحیی بن شیبان کی ایک روایت ہے جس میں امام صاحب سے منقول ہے "میں ایک زمانہ تک اس علم میں مشغول رہا ہوں اور ایک مدت تک اس قسم کے لوگوں سے مناظرے کرتا رہا ہوں حتی کہ بیس دفعہ بصرہ (جو ان دنوں فرق باطلہ کا گڑھ تھا) جانے کا اتفاق ہوا ہے اور وہاں ہر مرتبہ کبھی سال بھر اور کبھی کم یا زیادہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا ہے [۵]

اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حجاج کے انتقال کے بعد (سنہ ۹۵ھ) یا ولید کے انتقال کے بعد (سنہ ۹۶ھ میں) اس قسم کی مجالس کو فروغ ہوا اور علما،

باہر نکل کر آئے اسی زمانہ میں آپ نے امام شعبی سے ملاقات کی اور اس کے بعد ان مجالس میں شرکت کرنی شروع کردی [1] اس طرح سنہ ۹۶ھ لغایتہ سنہ ۱۰۱ھ (۷ سال) علم کلام پر صرف کئے اور سنہ ۱۰۲ھ لغایتہ سنہ ۱۲۰ھ (۱۸ سال) علم فقہ کی تحصیل میں صرف کئے اس طرح کل مدت ۲۵ سال ہوئی. واللہ اعلم بالصواب

فقہ کی طرف ایک دن امام صاحب اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آپ کے پاس طلاق یا حیض کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنے آئی امام صاحب نے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور امام حماد کے حلقہ درس کی طرف اشارہ کردیا جو آپ کے مکان کے قریب ہی تھا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ وہ جو کچھ جواب دیں مجھے بھی بتلادینا چنانچہ اس عورت نے واپسی پر جواب سنادیا اس سے امام صاحب کو افسوس ہوا اور اسی وقت سے فقہ سیکھنے کا ارادہ کرلیا اور امام حماد کے حلقہ درس میں پابندی کے ساتھ شریک ہونے لگے۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے لیکن قدرے مشترک واقعہ ایک ہی بیان کیا گیا ہے، اس بارے میں امام صاحب کے الفاظ یہ ہیں:-

خدعتنی امراۃ وزھدتنی اخری وفقھتنی اخری [2]	فرمایا ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا اور ایک عورت نے مجھے زاہد بنادیا اور ایک عورت نے مجھے فقیہ بنادیا

یعنی ایک عورت کی وجہ سے مجھے فقہ سیکھنا پڑا جس کے نتیجے میں میں فقیہ ہوگیا

---

[1] سیرت نعمان ص۱۰ [2] الموفق ص۶۱ ج۱

امام حماد اور ان کا حلقہ درس

حماد بن ابی سلیمان مشہور تابعی ہیں حضرت انس رضہ سے روایت کرتے ہیں اپنے زمانے میں کوفہ کے رؤسائے عظام اور فقہائے بے مثل میں شمار ہوتے تھے ابراہیم نخعی سے شرف تلمذ حاصل ہے سنہ ۱۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا

تاریخ اصبہان میں ابو شیخ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے

ایک دن ابراہیم نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لئے بازار بھیجا زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی ادہر کہیں سے ان کے والد صاحب گھوڑے پر سوار تشریف لارہے تھے بیٹے کی یہ فقیرانہ حالت دیکھکر ان کو ڈانٹا اور زنبیل ہاتھ سے لیکر پھینکدی۔ جب ابراہیم نخعی کا انتقال ہوگیا تو طالبان علم حدیث ان کے والد مسلم بن یزید کے دروازے پر آئے اور دستک دی یہ چراغ لیکر باہر آئے۔ طلبا ءنے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں بلکہ ہم تو آپ کے بیٹے حماد کے متلاشی ہیں یہ شرمندہ ہوکر اندر گئے اور بیٹے سے کہا، جاؤ بھائی تمہیں یہ مقام ابراہیم کی زنبیل کیوجہ سے حاصل ہوا ہے [1]

امام حماد کا حلقہ درس ان دنوں میں بھی عروج پر تھا جب حجاج کی سفاکیاں اور ولید کی بدعنوانیاں عام تھیں اور لوگ بے دریغ قتل کئے جارہے تھے وجہ اس کی غالباً یہ تھی کہ یہ فارغ البال اور دولتمند تھے اس وجہ سے انہیں دلجمعی سے کام کرنے اور اشاعت علم کا خوب موقع ملا لہذا ان کی درسگاہ سے امام ابو حنیفہ اور شعبہ جیسے ائمہ فن پیدا ہوئے۔

امام حماد اپنے زمانے میں نہایت معتمد سمجھے جاتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا مدار اپنے زمانے میں یہی تھے اسی وجہ سے ان کی طرف رجوع عام

---

[1] ترجمان السنۃ ص ۲۴۵ ج ۱

تھا غالبًا اسی وجہ سے امام صاحب نے بھی ان کا حلقہ درس منتخب کیا تھا۔

امام حماد پر کچھ حضرات نے اعتراضات بھی کئے ہیں مثلاً امام نسائی نے ان کو ارجار کی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح ابواسحاق اور اعمش نے انکو غیر ثقہ قرار دیا ہے لیکن ان کے مقابلہ میں ایک خلق کثیر نے ان کی احادیث کو قبول کیا ہے ائمہ فن کے بکثرت اقوال ان کی توثیق میں موجود ہیں جس کا جی چاہے تنسیق النظام ص۵ کی طرف رجوع کرے۔ امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "میں نے حماد سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا"۔

امام حماد میں علمی کمالات کے علاوہ اور دوسرے اوصاف حمیدہ بھی تھے وہ رمضان کے مہینہ میں ہر روز پچاس آدمیوں کو افطار کراتے اور کھانا کھلاتے تھے اور عید کے دن ہر ایک کو عمدہ قسم کا لباس اور سو درہم دیکر رخصت کرتے تھے امام شافعی فرماتے ہیں "میں امام حماد سے محبت کرتا ہوں اس وجہ سے کہ میں ان کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ جا رہے تھے کہ ان کے گھوڑے کی زین ٹوٹ گئی انہوں نے ایک موچی سے مرمت کرائی اور اس کے عوض اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور معذرت چاہی [1]

حماد کا حلقہ درس زمانہ قدیم میں درس کا طریقہ یہ نہیں تھا جو آج ہے بلکہ حلقہ درس میں تلامذہ استاذ کی تقریر کو بغور سنتے اور اس کو اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے اور بعض لکھ بھی لیتے تھے۔ امام حماد کے یہاں بھی یہی دستور تھا لیکن تلامذہ کے بیٹھنے میں ترتیب قائم ہوتی تھی قدیم اور ذہین طلبار کو آگے جگہ دی جاتی تھی، لیکن امام صاحب کو امام حماد کے حلقہ درس میں دوسرے دن ہی صف اول میں جگہ مل گئی تھی

امام صاحب کس طرح امام حماد کے حلقہ درس میں پہونچے اسکے دواعی کیا تھے، یحیی بن شیبان امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔

---

[1] الموفق ص۵۳ ج۱

جب میں ایک مدت مناظرہ میں صرف کر چکا تو میں نے سوچا اور اپنے نفس سے سوال کیا کہ کیا وہ علوم مجھے آتے ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آتے تھے اور سب تابعین ان کے ماہر تھے وہ لوگ جدل و مناظرت نہیں کرتے تھے بلکہ تعلیم و افتار میں لگے رہتے تھے لیکن آج لوگوں کا یہ حال نہیں ہے یہ سوچ کر میں نے مناظرہ اور علم کلام کو ترک کر دیا اور ابواب فقہ کی تحصیل میں لگ گیا [1]

امام صاحب کے ان خیالات کو مزید سہارا اس وقت ملا جب کسی عورت نے آپ سے ایک مسئلہ معلوم کیا جس کا آپ جواب نہ دے سکے اسکے بعد فوراً ہی بلا تامل امام حماد کے حلقہ درس میں آکر شریک ہو گئے جو آپکے گھر کے قریب ہی تھا

امام صاحب کے متعلق یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ آپ سے منقول ہے کہ "جب میں نے تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے، میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں، سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا لیکن فیصلہ کرنا پڑا کہ اس سے بھی کچھ حاصل نہیں کیونکہ اگر اس کا اظہار کیا جائے تو لوگ الحاد کی تہمت لگائیں گے، ادب اور قرأت کا بجز مکتب پڑھانے کے کوئی فائدہ نہیں شعر و شاعری میں جھوٹ مدح یا ہجو ہوتی ہے حدیث کے لئے ایک مدت درکار ہے پھر ناقدین کا نشانہ بننا پڑتا ہے [2]"

یہ روایت درایۃً اور سنداً ہر اعتبار سے غیر معتبر ہے کیونکہ امام صاحب جیسی شخصیت کے بارے میں جو مذکورہ تمام علوم میں مہارت رکھتا ہو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم کو انہوں نے حاصل نہیں کیا تھا. بالفرض یہ روایت معتبر بھی ہو تو تاویل و تطبیق ممکن ہے کہ امام صاحب نے اشتغال بالعلم کے لئے صرف فقہ ہی کو منتخب کیا اور تحصیل تمام علوم کی فرمائی اور یہی توجیہ احسن اور عمدہ ہے ورنہ روایت کو تعصب پر محمول کرنا پڑیگا

---

[1] الموفق ملخصاً ص۵۹ ج ۱ | [2] خیرات الحسان ص ۲۵

امام صاحب اپنے استاذ کے حلقہ درس میں شریک رہے اور اپنی استعداد اور خداداد ذہانت کی وجہ سے استاذ کو اپنا گرویدہ کرلیا اور اس درجہ اپنی صلاحیت کا سکہ جمادیا کہ ایک دن استاذ نے کہہ ہی دیا۔

انزفتنی یا ابا حنیفۃ[۵۱] اے ابوحنیفہ تو نے مجھے خالی کردیا

استاذ سے پہلا اختلاف

یہ ایک عجیب سا عنوان ہے اور کم از کم ہمارے زمانے میں عقیدتمندانہ حلقوں میں گستاخی سمجھا جائیگا لیکن اہل حق جو پیروان حق ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ حق پسندی اور سعادت ہے چنانچہ ایک دفعہ امام صاحب اور امام حماد شریک سفر تھے پانی موجود نہیں تھا اتنے میں عصر کی نماز کا وقت قریب آگیا حماد نے تیمم کرکے نماز ادا کی، امام صاحب نے نماز نہیں پڑھی بلکہ پانی ملنے کی امید پر نماز کو آخر وقت مستحب تک موخر رکھا جب آگے چل کر پانی مل گیا تو امام صاحب نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ امام صاحب کا فرمانا ہے کہ ایسے آدمی کو کہ جسے آخری وقت مستحب تک پانی ملنے کی امید ہو نماز کو موخر کردینا چاہیئے۔ امام حماد نے امام صاحب کے اس اجتہاد کی تعریف کی[۵۲] یہ امام صاحب کا اپنے استاد سے پہلا اختلاف تھا اور پہلا ہی اجتہاد تھا جو درست اور صحیح ثابت ہوا۔

استاذ کا احترام

بایں ہمہ امام صاحب اپنے استاذ کا بیحد احترام فرماتے تھے۔ امام محمدؒ امام صاحب کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ اپنے والدین کے ساتھ اپنے اساتذہ اور امام حماد کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو، امام صاحب جب تک حیات رہے اپنے استاذ کے مکان کی طرف کو پیر پھیلا کر نہیں سوئے شاعر کہتا ہے

مامدّ رجلیہ یوما نحو منزلہ ددونہ سکک سبع کالطوادی[۵۳]

---

۵۱ الموفق ص۶۵ یہی مقولہ سعید بن مسیب نے قتادہ کے لئے کہا تھا

۵۲ البنایہ ص۳۲۵ ج۱ ۵۳ الموفق۔

استاذ کی نیابت

امام زفر رح کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں کیوں نہ اپنا حلقۂ درس علیحدہ قائم کرلوں ؟ اسی اثنار میں حضرت استاذ کے کسی قریبی عزیز کا بصرہ میں انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے انہیں بصرہ جانا پڑا اور اپنی عدم موجودگی میں مجھے اپنا نائب مقرر کر دیا اتفاق سے بصرہ میں انہیں دو مہینہ قیام کرنا پڑا اس مدت میں لوگوں نے جو مجھ سے سوالات کئے ان سب کے جوابات میں نے علیحدہ کاغذ پر بھی لکھ کر رکھ لئے اور استاذ کے تشریف لانے پر وہ کاغذات میں نے انکی خدمت میں پیش کر دئے استاذ محترم نے جوابات پڑھے جن میں سے ۴۰ کی تصویب اور ۲۰ کی تغلیط فرمائی اس وقت میں نے عہد کیا کہ اب آئندہ استاذ کا حلقہ درس نہ ترک کرونگا[۱]

امام صاحب کے دیگر اساتذہ

فقہ میں اگرچہ آپ امام حمادؒ ہی کے تربیت یافتہ ہیں لیکن آپ نے دوسروں سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً امام جعفر صادق ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

وما رأیت افقه من جعفر بن محمد الصادق[۲]	میں نے امام جعفر صادق سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

امام جعفر الصادق اہل بیت اور خاندان رسالت سے ہیں اپنے زمانہ میں ہر اعتبار سے امام فن اور صاحب کمال سمجھے جاتے تھے، صحاح ستہ میں متعدد روایات ان سے منقول ہیں۔

فقہ میں کمال کو پہونچنے اور درجۂ اجتہاد حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے کہ کتاب اللہ پر نظر عمیق کے ساتھ احادیث نبویہ کے تمام ذخیرہ پر نظر ہو اور کم از کم حافظ حدیث ہو، لہذا جو حضرات ہر کس و ناکس کے لئے اجتہاد کے دروازہ کو ہر دم کھلا رکھتے ہیں اور اجتہاد کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں میرے

---

[۱] ابو زہرہ ص ۲۵ [۲] الموفق ص ۵۳ ج ۱

نزدیک ان کی بات دعویٰ بلا دلیل ہے یقیناً ایسی حریت فکر رات میں لکڑیاں چننا کا مصداق ہوتی ہیں۔

امام صاحب کے تمام مجتہدات چونکہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اسلئے ایسے شخص کو صرف سترہ حدیثوں کا حافظ قرار دینا ایک طفلانہ قول ہے۔ حق یہ ہے کہ امام صاحب حفاظ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، اس کے بارے میں ائمہ فن کی بے شمار شہادتیں ہیں اور آپ کے مایہ ناز اساتذہ، ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست موجود ہے لہذا کیسے باور کرلیا جائے کہ اتنے اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو صرف سترہ حدیث یاد تھیں۔

علامہ شامی نے شرح درمختار میں بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کے ۴ ہزار اساتذہ تھے ایک دفعہ حنفیہ اور شافعیہ میں مناظرہ ہوا کہ امام شافعی افضل ہیں یا امام ابوحنیفہ؟ جب اساتذہ کو شمار کیا گیا تو امام شافعی کے ۸۰ اساتذہ شمار میں آئے اور امام صاحب کے ۴ ہزار[1]

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ان دنوں کوفہ اور بصرہ علوم کے مراکز تھے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ اور بصرہ کا کوئی محدث نہیں چھوڑا جس کے پاس نہ گیا ہوں اس لئے بعض حضرات نے امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد ۹۹ بتلائی ہے[2] حافظ ذہبی نے ۲۰۹ تعداد بتلائی ہے ہم نے نہایت تحقیق کے بعد آپ کے اساتذہ کی مندرجہ ذیل فہرست مرتب کی ہے:۔

۱	حضرت ابراہیم بن محمد	۶	حضرت ایوب سختیانی
۲	" ابراہیم بن زید	۷	" بیان بن البشر
۳	" اسماعیل بن حماد	۸	" جبلہ بن سحیم
۴	" اسماعیل بن ابی خالد	۹	" الحارث بن عبدالرحمن
۵	" اسماعیل بن عبدالملک	۱۰	" الحسن بن الزراد

---

[1] حدائق الحنفیہ ص ۲۷ [2] سیرت النعمان ص ۲۲

۱۱	حضرت الحسن بن عبید اللہ	۳۴	حضرت	عاصم بن کلیب
۱۲	" الحسن البصری	۳۵	"	عامر بن شراحیل الشعبی
۱۳	" الحکم بن عتیبہ	۳۶	"	عامر بن ابی موسیٰ
۱۴	" حماد بن ابی سلیمان	۳۷	"	عبد اللہ بن الاقمر
۱۵	" حمید الاعرج	۳۸	"	عبد اللہ بن حبیبہ
۱۶	" خالد بن علقمہ	۳۹	"	عبد اللہ بن دینار
۱۷	" ذر بن عبد اللہ	۴۰	"	عبد الرحمٰن بن حزم
۱۸	" ربیعہ بن عبد الرحمٰن	۴۱	"	عبد الرحمٰن بن ہرمز
۱۹	" زبید	۴۲	"	عبد العزیز بن رفیع
۲۰	" زیاد بن علاقہ	۴۳	"	عبد الکریم بن ابی المخارق
۲۱	" سالم بن عبد اللہ	۴۴	"	عبد الملک بن عمیر
۲۲	" سعید بن مسروق	۴۵	"	عثمان بن عاصم
۲۳	" سلمہ بن کہیل	۴۶	"	عدی بن ثابت
۲۴	" سلمہ بن نبیط	۴۷	"	عطاء بن ابی رباح
۲۵	" سلیمان بن عبد الرحمٰن	۴۸	"	عطاء بن السائب
۲۶	" سلمان بن یسار	۴۹	"	عطا بن الیسار الہلالی
۲۷	" سماک بن حرب	۵۰	"	عطیہ بن سعد
۲۸	" شداد بن عبد الرحمٰن	۵۱	"	عکرمہ بن عبد اللہ
۲۹	" شیبان بن عبد الرحمٰن	۵۲	"	علقمہ بن مرثد
۳۰	" طاؤس بن کیسان	۵۳	"	علی بن الاقمر
۳۱	" طریف بن شہاب	۵۴	"	علی بن الحسن الزراد
۳۲	" طلحہ بن نافع الواسطی	۵۵	"	عمرو بن دینار
۳۳	" عاصم بن سلیمان	۵۶	"	عمرو بن عبد اللہ الہمدانی

۵۷	حضرت عون بن عبداللہ	۸۰	حضرت مکی بن ابراہیم
۵۸	〃 قاسم بن عبدالرحمن	۸۱	〃 منصور بن المعتمر
۵۹	〃 قاسم بن محمد	۸۲	〃 منہال بن خلیفہ
۶۰	〃 قاسم بن معن	۸۳	〃 موسیٰ بن ابی عائشہ
۶۱	〃 قتادہ بن دعامہ	۸۴	〃 ناصح بن عبداللہ
۶۲	〃 قیس بن مسلم	۸۵	〃 نافع
۶۳	〃 محارب بن وثار	۸۶	〃 وقدان
۶۴	〃 محمد بن الزبیر حنظلی	۸۷	〃 ہشیم بن حبیب
۶۵	〃 محمد بن السائب	۸۸	〃 یحییٰ بن ابی جبہ
۶۶	〃 محمد بن السائب	۸۹	〃 یحییٰ بن سعید بن قیس
۶۷	〃 محمد بن علی بن الحسین	۹۰	〃 یحییٰ بن عبداللہ
۶۸	〃 محمد بن عیس الہمانی	۹۱	〃 یحییٰ بن عبداللہ الکندری
۶۹	〃 محمد بن مسلم بن تدرس	۹۲	〃 یزید بن صہیب
۷۰	〃 محمد بن مسلم بن عبیداللہ	۹۳	〃 یزید بن عبدالرحمن
۷۱	〃 محمد بن منصور	۹۴	〃 یزید بن الطوسی
۷۲	〃 محمد بن المنکدر	۹۵	〃 یونس بن عبداللہ
۷۳	〃 منحول بن راشد	۹۶	〃 ابواسحاق السبوعی
۷۴	〃 مسلم بن سالم	۹۷	〃 ابوبردہ
۷۵	〃 مسلم بن عمران	۹۸	〃 ابوبکر بن ابی الجہم
۷۶	〃 مسلم بن کیسان	۹۹	〃 ابوحصین
۷۷	〃 معن بن عبدالرحمن	۱۰۰	〃 ابوالزبیر
۷۸	〃 مقسم بن بجرہ	۱۰۱	〃 ابوسفیان السعدی
۷۹	〃 مکحول	۱۰۲	〃 ابوسفیان

۱۰۳	حضرت ابو السوار	۱۰۸	حضرت ابو فروہ
۱۰۴	〃 ابو غسّال	۱۰۹	〃 ابو کثیر
۱۰۵	〃 ابو عمر	۱۱۰	〃 ابو المالک
۱۰۶	〃 ابن شہاب	۱۱۱	〃 ابو الہیثم
۱۰۷	〃 ابو عون	۱۱۲	〃 ابو یعفور

ناظرین کرام کو اس فہرست کے ملاحظہ فرمانے کے بعد ان حضرات محدثین کے دعویٰ کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی جو امام صاحب کو حافظ حدیث نہیں مانتے یا آپ کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ تعجب ہے اگر معترض جس راوی سے حدیث روایت کرے تو صحیح اور امام صاحب اسی راوی سے حدیث روایت کریں تو ضعیف، یہ بات تو انصاف کی نہیں ہے بلکہ اس نقطۂ نظر کے پس منظر میں کوئی دوسرا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اس جگہ ہم ناظرین کو ذرا تقابلی مطالعہ بھی کرانا چاہتے ہیں:۔

رواۃ صحیحین

۱	منصور بن المعتمر	۱۰	عمرو بن دینار
۲	حکم بن عتیبہ	۱۱	شعبی
۳	زہری	۱۲	ابراہیم نخعی
۴	نافع	۱۳	مجاہد بن جبیر
۵	طاؤس	۱۴	عطاء بن ابی رباح
۶	شیبان بن عبد الرحمٰن	۱۵	ابن لیسار
۷	یحیی بن سعید	۱۶	محارب بن دثار
۸	زیاد بن علاقہ	۱۷	ابو اسحاق السبیعی
۹	عبداللہ بن دینار	۱۸	محمد الباقر
		۱۹	ربیعہ بن عبد الرحمٰن

۲۰	منحول بن راشد	۳۴	محمد بن المنکدر
۲۱	ابراہیم بن محمد المنتشر	۳۵	عبدالمالک بن عمیر
۲۲	الحسن البصری	۳۶	علی بن الاقمر
۲۳	سالم بن عبداللہ	۳۷	ابوبردہ
۲۴	مکحول الشامی	۳۸	موسیٰ بن عائشہ
۲۵	ایوب السختیانی	۳۹	عبدالعزیز بن رفیع
۲۶	مکی بن ابراہیم	۴۰	قیس بن مسلم
۲۷	یزید بن الفقیر بن الصہیب	۴۱	ابوحصین
۲۸	ذر بن عبداللہ	۴۲	عثمان بن العاصم
۲۹	عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج	۴۳	سعید بن مسروق
۳۰	القاسم بن محمد بن ابی بکر	۴۴	الثوری
۳۱	قتادہ بن دعامہ	۴۵	سلمہ بن کہیل
۳۲	مقسم مولیٰ ابن عباس	۴۶	ابویعفور
۳۳	سلیمان بن یسار	۴۷	اسماعیل بن ابی خالد

صرف مسلم کے رواۃ

مندرجہ ذیل وہ رواۃ ہیں جن کی روایت صرف امام مسلم نے نقل کی ہے

۱	عطا بن السائب	۳	عاصم بن کلیب
۲	ابوزبیر مکی	۴	حماد بن ابی سلیمان

صرف بخاری کے رواۃ

حضرت عکرمہ بن عبداللہ وغیرہ کی روایت کو صرف بخاری نے لیا ہے

رواۃ کی مندرجہ بالا یہ وہ فہرست ہے کہ جن کی روایتیں بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں موجود ہیں اور صحیح سمجھی جاتی ہیں لیکن امام صاحب جب بلا توسط ان ہی رواۃ سے روایت اپنی مسند میں ذکر فرماتے ہیں تو ضعیف

قرار دی جاتی ہے ۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

انصاف یہی ہے کہ جس طرح بخاری کا شمار اور اس سے قبل موطا کا شمار اصح الکتب میں ہوتا ہے مسند امام اعظم بھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ ہے ہاں اگر کسی حدیث پر اعتراض ہو سکتا ہے تو اس کے لئے نشانہ بخاری اور مسلم کو بننا چاہیئے کہ اس میں واسطوں کی کثرت ہے نہ کہ مسند امام اعظم کو جبکہ اس میں حضرات صحابہ رضؓ اور مندرجہ بالا رواۃ کے درمیان صرف ایک یا دو واسطے ہیں یا لے دے کر امام صاحب کے اساتذہ میں سے

عبدالکریم پر اعتراض

عبدالکریم ابن ابی المخارق کو ضعف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کی روایات کو ضعیف بتلایا جاتا ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے یا مغالطہ کیونکہ عبدالکریم دو ہیں۔ دوسرے کا نام عبدالکریم الجزری ہے اور اتفاق سے دونوں بعض مشائخ میں شریک ہیں۔ اس شرکت کی وجہ سے ناقدین فرق نہیں کر پائے ورنہ عبدالکریم بن ابی المخارق کی روایات بخاری شریف میں تعلیقاً موجود ہیں جن کا درجہ موصول ہی کے برابر تسلیم کیا گیا ہے اسی طرح ان کی روایات موطا امام مالک میں بھی موجود ہیں ' اور امام مالک کے بارے میں یہ بات مسلم ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ان ہی رواۃ سے روایت نقل کی ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہیں امام نووی مقدمہ مسلم میں تحریر فرماتے ہیں ۔

ھذا تصریح من مالک	امام مالک کی یہ تصریح ہے کہ انہوں
بان من ادخلہ فی کتابہ	نے اپنی کتاب میں جس کو داخل
نھو ثقۃ	کیا ہے وہ ثقہ ہے۔

اس لئے امام مالک کے اختیار اور اس پر امام نووی کی مزید تصدیق کے بعد عبدالکریم بن ابی المخارق کو ضعیف قرار دینا دیانت داری کا خون ہے۔

حلقہ درس اور فتاویٰ

سنہ ۱۲۰ھ میں جب امام حماد کا انتقال ہوگیا تو ضروریات کے پیش نظر اس جگہ کو پر کرنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں زبردست داعیہ پیدا ہوا اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا فقہ جو بروایت ابراہیم نخعی حضرت امام حماد نقل فرما رہے تھے اور لوگوں کی دینی ضروریات پوری کر رہے تھے اس کا سلسلہ منقطع کر دینا اور ایک دم سے اس خیر کے دروازہ کو بند کر دینا نہایت نقصان دہ تھا اسلئے تلامذہ کی نظریں اولاً استاذزادے پر پڑیں لیکن تجربہ نے ان کو جلد ہی بتلا دیا کہ ان سے مقصد پورا نہ ہو سکے گا، لہذا استاذزادے کے بعد ابو بشلی، ابوبردہ موسے بن ابو کثیر کو یکے بعد دیگرے قائم مقام بنایا گیا لیکن "جائے استاد خالیست" کا مصداق پایا اور حماد کی سی خصوصیات کسی میں نہ پائیں کیونکہ کسی پر شعر وادب کا غلبہ تھا تو کوئی ایام العرب کا ماہر تھا۔[۱]

ادہر امام صاحب نے اپنے سابقہ تجربہ کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے طے کر لیا تھا کہ جب تک کم از کم مجھے دس اشخاص مجبور نہ کرینگے اسوقت تک حلقہ درس کی ذمہ داریوں کو نہیں سنبھالوں گا۔ ادہر لوگوں نے میدان خالی پایا اور سوائے امام ابوحنیفہ کے اس مسند کے لائق کسی کو نہ پایا تو اصرار کرنا شروع کر دیا اس لئے کہ

> لوگوں نے امام صاحب میں وہ علوم اور خصوصیات پائے جو موسے اور موسے کے اوپر درجہ کے علماء میں نہ تھے اور تمام معاصرین کوفہ اس سے تہی دست نظر آتے تھے لیکن اس کے برخلاف لوگوں نے

[۱] الموفق ص۶۰ ج۱

امام ابو حنیفہ کو تمام خصوصیات کا مالک اور تمام علوم کا ماہر پایا لہذا
ان کا دامن تھام لیا اور شاگرد ہو گئے[1]

پھر تو امام ابو یوسف، امام زفر، اسد بن عمر، قاسم بن معن وغیرہ نے بھی امام صاحب
کے حلقہ درس کو اختیار کر لیا۔ ان حضرات کے ادھر آ جانے کی وجہ سے دوسرے
حلقہائے درس (مثلاً ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، شریک، سفیان ثوری) کی
طرف سے لوگوں کی رجوعات کم ہو گئیں اور یہ حلقہ درس روز بروز بڑھتا ہی گیا[2]

جن ایام میں امام حماد کی جانشینی کا مسئلہ چل رہا تھا انہیں دنوں میں
امام صاحب نے ایک خواب دیکھا کہ میں نے حضور صلعم کی قبر مبارک کھود ڈالی
ہے اور میں آپ کے عظام مبارکہ چن رہا ہوں۔" یہ دیکھ کر آپ گھبرا گئے اور
خوفزدہ ہو گئے طرح طرح کے خیالات دل میں آنے لگے جو حلقہ درس کی
ذمہ داریاں قبول کرنے کے لئے سدراہ بنے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خوف کی وجہ
سے میں نے مجلس میں آنا جانا بھی بند کر دیا تھا اور لوگوں سے صفائی کے
ساتھ کہدیا تھا کہ مجھے اندیشہ ہے۔ بالآخر جب ابن سیرین سے دریافت
کیا تو انہوں نے بتلایا:-

صاحب ھذہ الرویا یحیی علماً[3] — یہ خواب دیکھنے والا علم کو زندہ کرے گا۔

اس کے علاوہ اور دوسرے اسباب بھی پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے
آپ نے حلقہ درس کی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا۔

فقہ اور حدیث

مجلس فقہ اور حدیث میں کچھ زیادہ مغایرت نہیں بلکہ
تنہا فقہ کا درس تمام چیزوں کا جامع ہے کیونکہ ایک
مجتہد کے نزدیک الفاظ حدیث پر بحث کرتے وقت معنی حدیث کو خاص
اہمیت حاصل ہوتی ہے اور محدثین کرام کے یہاں صرف الفاظ حدیث

---

[1] الموفق ص ۶۹ ج ۱ [2] ایضاً ص ۷۱ ج ۱ [3] ایضاً ص ۷۲ ج ۱

ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں لہذا محدث بننے کے لئے اجتہاد کی شرط نہیں ہے اور نہ فقہ کی لیکن ایک فقیہ کے لئے حامل قرآن وحدیث ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا اجتہاد غلط اور باطل ہوگا صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :۔

ان یکون صاحب حدیث	مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اسکو
له معرفة بالفقه لیعرف	فقہ بھی آتا ہو تاکہ احادیث کے
معانی الاثار ہو صاحب	معنی جان سکے اور صاحب فقہ کے
فقه له معرفة بالحدیث	لئے معرفت حدیث ضروری ہے تاکہ
لئلا یشتغل بالقیاس[1]	قیاس میں مبتلا نہ ہو جائے ۔

اس لئے کہ نصوص کی موجودگی میں قیاس جائز نہیں ہے

فقہ کے لئے حدیث کی اہمیت تو ظاہر ہے لیکن حدیث کے لئے فقہ کا ہونا ضروری کیوں ہے اس لئے کہ سطور ذیل میں چند مستند واقعات پیش ہیں

(۱) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعمش نے مجھ سے مسئلہ دریافت کیا اس وقت میرے اور ان کے سوا تیسرا آدمی نہ تھا میں نے اس کا جواب دیا انہوں نے فرمایا اے یعقوب تم نے اس کا جواب کس حدیث سے دیا ؟ میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی انہوں نے کہا یعقوب ! یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

(۲) عبیداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا اور وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔ دیکھا تو وہاں امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے اعمش نے کہا اے نعمان ! اس کے متعلق تم ہی کچھ بیان کرو۔ امام صاحب نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے اعمش نے پوچھا کہاں سے کہتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی اس پر اعمش نے فرمایا :۔

[1] ہدایہ کتاب القاضی

نحن الصیادلہ وانتم الاطبا　　ہم عطار ہیں اور آپ اطبار ہیں

(۳) خطیب بغدادی نے امام ابو یوسف سے نقل کیا ہے کہ ایک د
ان سے اعمش نے پوچھا، تمہارے استاذ نے حضرت عبداللہ کا یہ مسئلہ
ترک کر دیا کہ باندی پر آزاد ہونے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے امام ابو یو
نے فرمایا اسی حدیث کی وجہ سے جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم عن ا
عن عائشہ بیان فرمائی ہے کہ بریرہ رض جب آزاد ہوئیں تو ان کی آزاد
طلاق نہیں سمجھی گئی، بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے
نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمش نے فرمایا بلاش
ابو حنیفہ نہایت سمجھدار ہیں۔

۴۔ اسلامی شریعت میں عورتوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ جن
کے ساتھ چلیں یا جنازہ کی نماز میں شرکت کریں چنانچہ ابو داؤد نے ام عط
کی روایت نقل کی ہے

نھینا ان نتبع الجنائز[1]　　ہمیں جنازہ کے ساتھ چلنے سے منع کیا گیا۔

صاحب در مختار نے بیان فرمایا ہے

یکرہ خروجھن تحریما　　عورتوں کا جنازہ کیساتھ چلنا مکروہ تحریمی ہے

امام صاحبؒ کے زمانہ میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ کوفہ کے خاندانِ سادا
میں سے کسی ہاشمی جوان کا انتقال ہوا، فرط محبت میں اس کی ماں نے جنا
کے ساتھ چلنے اور نماز پڑھنے کی ضد کی، بہت سمجھایا اور منع کیا تو قسم کھا
کہ بغیر جنازہ کی نماز پڑھے واپس نہ ہونگی اُس کے شوہر یعنی میت کے با
نے جب دیکھا تو کہا، اگر یہ یہیں سے واپس نہ ہوئی تو اس پر طلاق، اسو
امام ابو سفیان ثوری، ابن ابی لیلے، ابن شبرمہ، ابوالاحوص، حبان
امام اعظم ابو حنیفہ موجود تھے، جنازہ رکھا ہوا تھا، کسی میں اٹھانے کی
نہ تھی کسی عالم کی سمجھ میں مسئلہ کا حل نہیں آتا تھا سب پریشان تھے

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز

[illegible]نا چاہیئے آخر میں امام صاحب سے دریافت کیا تو آپ نے میت کی ماں
[illegible]بلوایا اور فرمایا تو یہیں نماز جنازہ پڑھ لے " جب وہ نماز جنازہ پڑھ چکی تو
[illegible]رمایا " اب واپس ہو جاؤ " وہ واپس چلی گئی تب جنازہ اٹھایا گیا اس
[illegible] ابن شبرمہ نے امام صاحب رح کے بارے میں ارشاد فرمایا :-

عجزت النساء ان یلدن	عورتیں ان جیسا پیدا کرنے
مثلہ لہ	سے عاجز ہیں۔

یعنی اب امام صاحب جیسا اس دنیا میں پیدا نہ ہو سکے گا فقہ فی الحدیث
[illegible]ن کا نام ہے کہ تمام نصوص سامنے رہیں اور حوادثات کی نزاکتیں بھی پیش نظر
[illegible]یا اور حد شریعت میں ذرہ برابر بھی بال نہ آنے پائے یہ صرف امام صاحب کا
[illegible]ن دل گردہ ہے کہ وہ ان سب نزاکتوں کو سامنے رکھتے ہیں۔

غرضکہ اس قسم کے واقعات تاریخ فقہ میں ہزارہا موجود ہیں جن کی وجہ
[illegible]ے فقہ کے ساتھ حدیث کا تعلق اور اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے امام ترمذی
[illegible]ے اپنی جامع میں بیان فرمایا ہے :-

وکذلک قال الفقہاء وھم	فقہاء نے یوں ہی فرمایا ہے اور وہ
اعلم بمعنی الحدیث	ہی حدیث کے معنی سے زیادہ واقف کار ہیں

چوتھی صدی ہجری کے مشہور محدث امام ابوبکر محمد بن اسحق نے اپنی کتاب
[illegible]انی الاخبار " میں چند جگہ تحریر فرمایا ہے کہ شرعی علوم میں علماء کا اطلاق صرف
[illegible]ہاء ہی پر ہوتا ہے دوسرے علماء کو قید کے ساتھ بولتے ہیں مثلاً علمائے حدیث
[illegible]ار تفسیر وغیرہ " فقہ ہی وہ علم ہے جو سب کو جامع ہے غالباً اسی وجہ سے فہم حدیث
[illegible] قرآن کے لئے فقہ ضروری ہے ۵۲

اصول درسگاہ ابی حنیفہ رح اسی سے امام صاحب کی درسگاہ کے درسی
اصول بھی معلوم کئے جا سکتے ہیں تاہم امام

---

۵۵ المناقب کردری ص۲۸ ج ۱ ۵۶ تفصیل ملاحظہ ہو ہماری کتاب تہذیب مختار

صاحب کے طریقہ درس کے متعلق تصریحات بھی موجود ہیں

امام صاحب کی عادت تھی کہ وہ پہلے کسی مسئلہ میں قرآن سے استدلال کرتے تھے پھر احادیث کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے بعد اقوال صحابہ کا تتبع فرماتے تھے اقوال صحابہ رضؓ میں اقرب الی القرآن اور پھر اقرب الی الحدیث کو ترجیح دیتے تھے اور بس امام صاحب اقوال تابعین کا تتبع نہیں فرماتے بلکہ آپ کا فرمانا ہے کہ

نحن رجال وھم رجال	ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں

لہٰذا اجتہاد فرماتے ۔ اور یہ اجتہاد ان کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ؐ و نیز آثار صحابہ کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا تھا امام صاحب کا فرمانا ہے :-

اترکوا قولی بخبر رسول اللہ	میرے قول کو خبر رسول ؐ اور قول
صلعم وقول الصحابۃ ونقل	صحابہ کے مقابلہ میں ترک کردو
انہ قال اذا صح الحدیث	آپ کے بارے میں منقول ہے کہ
نھو مذھبی [1]	صحیح حدیث میرا مذہب ہے ۔

امام صاحب کے طریقہ اجتہاد اور اس میں سلامت روی اور احتیاط کے متعلق ابن حزم جیسے انسان نے اعتراف کیا ہے

جمیع اصحاب ابی حنیفۃ	تمام اصحاب ابی حنیفہ کا اتفاق ہے
مجمعون ان مذھبہ ان	کہ امام صاحب کا مسلک یہ ہے
ضعیف الحدیث اولیٰ عندہٗ	کہ ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے
من القیاس [2]	

غالباً یہی وجہ ہے کہ متاخرین کی ان مایہ ناز اور بین الاقوامی شخصیتوں نے (جو اپنے زمانے میں حق و صداقت کا روشن منارہ ہیں اور مذہبی تعصب کو اپنے پاس بھی نہیں آنے دیا) حنفی مکتب فکر کی تائید کی اور اس کو اختیار کیا حضرت

---

[1] تفسیر مظہری ۔ [2] خیرات الحسان ص ۲۷

مجدد الف ثانی بیان فرماتے ہیں:۔

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات	اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے کہ خلافیات
کلام حق بجانب حنفی است و در	علم کلام میں حق حنفی مسلک کی جانب
خلافیات فقہی در اکثر مسائل	ہے اندر خلافیات فقہی کے اکثر مسائل
حق بجانب حنفی و در اقل متردد[1]	میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فیوض الحرمین میں ارشاد فرمایا ہے

عرفنی رسول اللہ صلعم ان	مجھے رسول اللہ صلعم نے بتلایا ہے کہ
فی المذاھ الحنفی طریقۃ	مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے
انیقۃ ھی اوفق الطرق	اور جو سنت بخاری کے زمانے میں جمع
بالسنۃ المعروفۃ التی	ہوئی ہے اس سے زیادہ موافق ہے
جمعت ونقحت فی زمان	یعنی صحیح حدیث سے۔
البخاری[2]	

حضرت مجدد صاحب اور حضرت شاہ صاحب کے ان دونوں ارشاد کی حقیقت اگرچہ کشف کی ہے لیکن نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں

اگر کشف دو کس باہم متوافق	دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہوجائیں
شود ظن غالب شود[3]	تو غلبۂ ظن کا حکم رکھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کا طریقۂ تعلیم اور آپ کی درسگاہ کے اصول کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور اقوال صحابہ پر تھی آپ نے ان کو سمجھا اور حقیقت کو ظاہر فرمایا، یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں وہاں وہ قرآن و حدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں گویا امام صاحب کا فقہ قرآن و حدیث کی ایک صحیح اور مدون شدہ تفسیر ہے جس میں اصول و فروع کے ساتھ ترتیب بھی ہے

---

[1] مبدا و معاد ص ۶۹ [2] فیوض الحرمین [3] ریاض المرتاض ص ۲۱

اور انسانوں کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل بھی

حالات درس گذشتہ زمانے میں سامعین کو آواز پہونچانے کیلئے استاذ کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتا اور سامنے تلامذہ کا حلقہ حسب استعداد دوزانو ہوتا استاذ کسی مسئلہ کو بیان کرتا اور طلبار یاد کر لیتے تھے لیکن جن لوگوں کو اپنے حافظہ پر اعتماد نہ ہوتا وہ لکھ بھی لیتے تھے یہی حال امام صاحب کے حلقہ درس کا تھا۔

امام صاحب چونکہ ایک بڑے زبردست متکلم بھی تھے اسلئے ہر ایک مسئلہ پر بحث و نظر اور تنقید و تبصرہ بھی کیا جاتا تھا ان پر استدلالات اور اعتراضات کی بھرمار بھی ہوتی تھی[۱] اور ایک ایک مسئلہ پر بہت کافی عرصہ تک بحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا تب کہیں تلامذہ اپنے اپنے صحیفوں میں اس کو درج کرتے تھے

امام صاحب کی درسگاہ کی ہفتہ میں دو یوم کی تعطیل رہتی تھی یعنی جمعہ اور ہفتہ۔ ہفتہ کا دن آپ کی ذاتی اور گھریلو مصروفیات کا دن تھا۔ جمعہ کا دن اہتمام جمعہ اور احباب سے ملاقات کے لئے مقرر تھا اس روز آپ کے احباب جمع ہوتے اور آپ ان کے لئے انواع و اقسام کے کھانے تیار کراتے تھے۔

روزانہ اشراق سے چاشت تک تجارتی کاروبار کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور پھر بعد ظہر سے شام تک درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا[۲]

یہ ضروری نہیں ہے کہ امام صاحب کے اوقات یہی ہوں بلکہ حالات اور زمان کے اعتبار سے آپ ان اوقات میں ترمیم اور تبدیلی بھی فرما لیتے تھے

طلبار کی نشست و برخاست کا بھی آپ بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ امام محمد چونکہ نوعمر اور حسین و جمیل تھے جب یہ آپ کی درسگاہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ان کو اپنی پشت کی طرف بیٹھنے کے لئے فرمایا اور جب ان کے داڑھی نکل آئی تو سامنے بٹھانا شروع کر دیا تھا[۳]۔ بعض نے اس طرح بھی روایت

---

[۱] ابوزہرہ ص۵۷ [۲] ایضاً ص۲۷ [۳] سیرت نعمان۔

کیا ہے کہ ایک دن دھوپ کے سایہ میں امام محمد کی داڑھی کے بال دکھلائی دئیے تب امام صاحب کو معلوم ہوا۔ یہ کتنے بڑے تقوٰے کی بات ہے کہ آپ امرد کو بھی نہیں دیکھتے تھے

امام صاحب چونکہ نہایت محتاط اور متحمل المزاج واقع ہوئے تھے اسلئے طلبار کے اشکالات اور اعتراضات کو نہایت خندہ پیشانی سے سنتے اور نہایت نرمی سے اس کا جواب دیتے تھے ایک دفعہ آپ کے حلقہ درس میں واعظ عراق جو حسن بصری کے عزیز بھی ہوتے تھے، شریک تھے، امام صاحب نے کسی مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا اخطا الحسن یعنی حسن سے چوک ہوگئی اس پر واعظ عراق کو غصہ آگیا اور فوراً ہی اٹھ کر کہہ دیا

تقول الحسن اخطا یا ابن الزانیۃ	اے حرامی بچے تو حسن کو یہ کہتا ہے کہ اس نے خطا کی۔

بھری مجلس میں یہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا نہ معلوم کتنے تلامذہ کے خون کھولنے لگے ہونگے اور کتنوں نے آستینیں چڑھالی ہونگی آپنے سب کو خاموش کیا اور پھر نرمی سے فرمایا

واللہ اخطا الحسن واصاب ابن مسعود [1]	قسم خدا کی حسن سے خطا ہوئی اور ابن مسعود نے صحیح فرمایا۔

ایسے ناخوشگوار مواقع پر آپ یہ فرمایا کرتے تھے

اللھم من ضاق بنا صدرہ فان قلوبنا قد اتسعت لہ [2]

اے اللہ جن کے قلوب ہماری جانب سے تنگ ہیں ہمارے قلوب ان کے لئے کشادہ ہیں۔

چنانچہ آپ ایسے گستاخوں کو معاف کردیتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا ہے اہل علم میں سے اگر کسی نے میرے متعلق کچھ کہا ہے اور وہ چیز میرے

---

[1] ابوزہرہ ص۵۶ [2] ایضاً [3] ایضاً

اندر نہیں ہے تو وہ غلطی پر ہے اور علماء کی غیبت تو کچھ نہ کچھ ان کے بعد میں بھی رہتی ہے [۱]

امام صاحب درس پوری محویت اور توجہ کے ساتھ دیتے تھے، اگر کوئی حادثہ بھی پیش آجاتا تو آپکی محویت میں فرق نہیں آنے پاتا تھا ایک مرتبہ چھت میں سے آپکی گود میں سانپ آگرا۔ لوگ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن آپ کی ہیئت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی معمولی طور پر کپڑے کو جھٹک دیا اور پڑھانا شروع کر دیا [۲]

امام صاحب چونکہ نہایت ذہین تھے اسلئے حاضر جواب بھی تھے درسگاہ میں کوئی کیسا ہی سوال پیش کرے فوراً ہی اس کا جواب دیتے تھے ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں ضحاک بن قیس خارجی نے کہا آپ حکم بنانے کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں امام صاحب نے فرمایا اگر میں عرض کروں تو فیصلہ کون کریگا ضحاک نے کہا ان میں سے جس کو چاہو مقرر کرلو وہی فیصلہ کر دیگا۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو میں کہتا ہوں۔

اس قسم کے واقعات اگرچہ خارج از موضوع ہیں لیکن بتلانا یہ ہے کہ سلسلہ درس کے درمیان آپکو اس قسم کے واقعات سے بھی سابقہ پڑتا تھا غالباً اسوقت کا دستور یہی ہوگا

امام صاحب اپنی رائے میں نہایت محتاط تھے اپنی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اظہار رائے کے بعد فرمادیتے تھے

ھذا رائی وھو احسن ما	میری یہ رائے احسن ہے جس پر میں
قدرنا علیہ فمن جاء	قادر تھا لیکن اگر کوئی اس سے بھی
باحسن من قولنا فھو اولیٰ	اچھی رائے ظاہر کرے وہی قبولیت
بالصواب [۳]	کے لئے زیادہ مناسب ہے

ایک مرتبہ کسی تلمیذ نے حلقہ درس میں اسے کہا آپ کا یہ ارشاد خوب ہے: آپ نے فرمایا ممکن ہے کہ غلط ہو

---

[۱] ابوزہرہ [۲] الموفق [۳] ابوزہرہ ص ۶۰

امام ابو یوسف کی عادت تھی کہ تقریرات درس قلمبند کرتے رہتے تھے ایک دن امام صاحب نے فرمایا مجھ سے سنا کرو لکھا نہ کرو، ممکن ہے کہ آج کی بات کل کو غلط ثابت ہو جائے [1]۔

حلقۂ درس کی مقبولیت مندرجہ بالا خصوصیات کی وجہ سے امام صاحب کے حلقہ درس کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی ابتداءً تو صرف امام حماد کے تلامذہ ہی شریک رہتے تھے لیکن بعد میں ائمۂ فن اور آپ کے اساتذہ بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہونے لگے تھے مثلاً مسعر بن کدام امام اعمش، یہ حضرات دوسرے دنوں کو بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے کے لئے کہتے تھے غرضیکہ اس وقت اسلامی دنیا میں اسپین کے سوا کوئی حصہ السا نہ تھا کہ جہاں کے باشندے آپ کے حلقہ درس میں شریک نہ ہوتے ہوں۔ صاحب الجواہر المضیۃ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے حلقہ درس میں مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسط موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان اصفہان، حلوان، استرآباد، ہمدان، رے، قومس، زوامغان، طبرستان، جرجان نیشاپور، سرخس، بخارا، سمرقند، کس، صنعاء، ترمذ، ہرات، نہستار، الزم خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ، حمص وغیرہ اضلاع کے باشندے شریک رہتے تھے [2]۔

امام صاحب کے حلقہ درس کی یہ مقبولیت بلاوجہ نہیں تھی بلکہ لوگوں کو امام صاحب کی حق گوئی، بے نفسی، زہد و تقویٰ، قوت استدلال، مشکوٰۃ نبوت سے اخذ و استنباط نے گرویدہ بنا دیا تھا علوم کے پیاسے دنیا بھر میں گشت کرآتے تھے لیکن ان کی تشنگی یہیں رفع ہوتی تھی لہذا کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک خلق کثیر ایک ایسے شخص کے گرد جمع ہو گئی تھی جو قیاس، مرجی، ضعیف اور روایت حدیث میں ایک ناقابل استناد شخص ہو بلکہ ہمارا عقیدہ تو حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ

---

[1] ابوزہرہ صفحہ ۶۶ [2] جواہر المضیہ صفحہ ۵۲۳ ج ۲

"میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہو سکے گی۔"

پھر زمانہ بھی وہ جسکو خیر القرون کی شرافت حاصل ہے جن کو شر کے مقابلہ میں خیر سے زیادہ تعلق ہے جو اپنی دیانت، امانت، زہد و تقوی وغیرہ اوصاف حمیدہ میں آج کے انسانوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہیں جو حق گوئی اور بے باکی میں بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہونا نہیں جانتے تھے ان کے بارے میں ہم یہ خیال نہیں کرسکتے کہ ایک غلط آدمی کے گرد جمع ہو گئے تھے بلکہ حق یہی ہے کہ اس زمانے کے صاحب فضل و کمال حضرات کا امام صاحب کے گرد جمع ہو جانا۔ امام صاحب کے فضل و کمال ہی کی وجہ سے تھا

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کسی زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی نااہل کے گرد اس زمانہ کے عقلاء اور علماء جمع ہوئے ہوں اور اگر کسی ذی علم صاحب فہم کو کسی نااہل کے گرد دیکھا جائے تو اس کلیہ پر کوئی فرق نہیں آتا ہے کیونکہ اس صاحب علم و فہم کا انکار اس کے اس غلط اقدام سے ہو رہا ہے کہ وہ نااہل کے حضور میں حاضر ہو گیا ہے

امام صاحب کے گرد جو حضرات تھے وہ اپنے زمانہ کے آفتاب و ماہتاب تھے انہیں سے ۲۸ آدمی تو قاضی ہونے کے لائق تھے اور بڑی تعداد ایسی تھی جو مفتی بنانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ امام صاحب بھی ان کے قدرداں تھے کبھی بھی امام صاحب نے اپنی رائے کو ان پر نہیں تھوپا تین تین، چار چار دن تک بلکہ بعض دفعہ پورے پورے مہینہ آزادی کے ساتھ گفتگو چلتی رہتی تھی یہ امام صاحب کے کمال ہی کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے مقابلہ اور موجودگی میں آزادئ رائے کو نہیں رد کیا۔" اسلام کے نزدیک آزادی رائے یہی ہے آج کل آزادی رائے کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ کچھ اور ہے جس سے ہم متفق نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب دوم

اہم واقعاتِ زندگی

اور

مناظرے و مسائل

مع

ذکرِ وفات

مآخذ و حوالہ جات

۱	تاریخ	از علامہ طبری
۲	مناقب	از علامہ موفق
۳	ابو حنیفہ	از علامہ ابو زہرہ مصری
۴	سیرت النعمان	از علامہ شبلی
۵	مناقب	از علامہ کردری
۶	مسند	از امام اعظم
۷	تنسیق النظام	از علامہ اسرائیلی سنبھلی
۸	الجواہر المضیئہ	از علامہ ابن ابی الوفا
۹	حاشیۃ الاشباہ	از علامہ حموی
۱۰	تاریخ بغداد	از خطیب بغدادی
۱۱	الخیرات الحسان	از علامہ ابن حجر مکی

اہم واقعات زندگی

جس وقت امام صاحب نے مسند درس و افتاء کو زینت بخشی تھی اسوقت ہشام بن عبدالملک کا دور خلافت تھا یہ سنہ ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہوا اور سنہ ۱۲۵ھ میں اس نے وفات پائی اسکی کل مدت خلافت بروایت واقدی ۱۹ سال سات ماہ دس یوم ہے اس کی عمر ۵۵ سال کی ہوئی یہ بہت سے اوصاف حمیدہ کا مالک تھا مورخ طبری لکھتا ہے:-

عفان بن شیبہ کہتا ہے کہ میں ہشام کی خدمت میں باریاب ہوا وہ ایک سبز رنگ کی پوستین پہنے ہوئے تھا مجھے اس نے خراسان جانے کا حکم دیا اور کچھ ہدائتیں کرنے لگا میں اس کا لباس ہی دیکھتا رہا ہشام تاڑ گیا اور کہا کیا ہے؟ میں نے کہا خلیفہ ہونے سے پہلے بھی میں نے آپ کو اسی لباس میں دیکھا تھا۔ اب میں یہی غور کر رہا ہوں کہ یہ وہی ہے یا کوئی اور ہے۔! ہشام نے کہا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرے پاس اس پوستین کے سوا کوئی اور کپڑا نہیں ہے۔ یہ جو کچھ تم دیکھتے ہو کہ میں روپیہ جمع کرتا ہوں یہ سب آپ حضرات کے لئے ہوتا ہے [1]

مورخ مذکور نے اسی خلیفہ کے بارے میں ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے:-

"ایک شخص نے ہشام سے سخت کلامی کی اس نے کہا تجھے یہ زیبا نہیں ہے کہ تو اپنے امام کے ساتھ سخت کلامی کرے [2]

---

[1] طبری ص ۲۱۷ ج ۳-۲ [2] ایضاً ص ۳۲

اس خلیفہ کے متعلق مورخین نے متعدد واقعات اسی قسم کے بیان کئے ہیں بایں ہمہ اموی دور خلافت کے خلاف اس کے حریفوں کے قلوب میں جو کینہ اور حسد پرورش پا رہا تھا وہ ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا مختلف مقامات پر فسادات اور نقض امن کے واقعات ہوتے رہتے تھے لیکن حکومت کی طاقت انکو کچل دیتی تھی

زید بن علی کا خروج

زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے خروج کے اسباب کے متعلق مورخین نے متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ شیعہ حضرات ان کے گرد جمع تھے اور ان کو جہاد کے لئے اکسا رہے تھے جس کا انجام یہ ہوا کہ زید بن علی نے خلافت کا مقابلہ کیا اور سنہ ۱۲۱ھ میں مقابلہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں قتل کر دئے گئے۔

شیعہ حضرات نے زید بن علی کے ہاتھ پر کوفہ میں اس شرط پر بیعت کی تھی کہ آپ کوفہ سے باہر نہ جائیں، لاکھوں تلواریں آپ کے لئے موجود ہیں[1] اس وقت امام صاحب کوفہ ہی میں تھے اور آپ کے حلقہ درس کو جاری ہوئے ایک سال ہو چکا تھا امام صاحب کی اس وقت جو پوزیشن تھی علامہ موفق نے لکھا ہے:-

> زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے ایک قاصد امام صاحب کی خدمت میں اپنی اعانت کے لئے بھیجا تو امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ لوگ (یعنی آپ کے رفقاء کار شیعہ) آپ کو ذلیل نہ کریں گے اور آپ کو شکست نہ دلائیں گے اور وفاداری کے ساتھ آپ کا ساتھ دینگے تو میں ضرور آپ کی اتباع کرتا اور آپ کے ساتھ جہاد کرتا اس لئے کہ آپ امام برحق ہیں، لیکن یہ لوگ آپکے ساتھ غدر کرینگے جیسا کہ آپ کے آباؤ اجداد کے ساتھ

---

[1] طبری ص ۳۱۵ ج ۳-۲

عذر کیا ہے۔ لیکن میں آپ کی مال کے ذریعہ اعانت کرتا ہوں تاکہ
آپکو تقویت پہونچے یہ کہہ کر قاصد سے کہا کہ میرا یہ عذر بیان
کر دینا اور یہ دس ہزار درہم میری جانب سے انکو پیش کر دینا[1]
دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے :۔

آپ سے پوچھا گیا کہ زید بن علی کے ساتھ نکلنا کیسا ہے تو آپ نے
فرمایا جیسا کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا آپ کے ساتھ بدر کے
لئے نکلنا ! یہ سنکر آپ سے عدم شرکت کی وجہ دریافت کی گئی
تو فرمایا میرے پاس کچھ امانتیں ہیں میں نے ان کو ابن ابی لیلیٰ
کے سپرد کرنا چاہا تھا مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا
چنانچہ جب امام صاحب نے زید بن علی کے قتل کی خبر سنی تو رو دیئے[2]

ان دونوں روایتوں کو ابو زہرہ نے بلا تنقید کے قبول کیا ہے[3] حالانکہ تاریخی
شہادتوں سے اس کی وجہ جواز معلوم نہیں ہوتی ہے[4] ہمارے نزدیک سب
سے بہترین رائے محقق ہند علامہ شبلی کی ہے :۔

شاہ عبد العزیز کے تحفہ میں لکھا ہے کہ زید بن علی نے بنو امیہ کے
عہد میں جو بغاوت کی تھی اس میں امام صاحب بھی شریک تھے
(نامہ دانشوراں کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی لکھا ہے) لیکن ہم اس
پر یقین نہیں کر سکتے جس قدر تاریخ اور رجال کی کتابیں
ہیں سب ہمارے سامنے ہیں اس میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے
حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا زید بن علی نے
بسالہ ۱۲۱ھ میں بغاوت کی، اس وقت ہشام بن عبد الملک تخت
خلافت پر متمکن تھا، ہشام اگرچہ نہایت کفایت شعار اور بعض امور

---

[1] موفق ص ۲۶۰ ج ۱ [2] موفق ص ۲۶۱ ج ۱ [3] ابو زہرہ ص ۳۲

[4] تاریخ طبری ص ۱۵۱۲ تا ص ۳۲۲ ج ۲

میں نہایت جز ورس تھا لیکن اس کی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال میں ناجائز آمدنیاں نہیں داخل ہوسکتی تھیں۔ ایسی حالت میں امام صاحب کے مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں

زید بن علی سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے اس لئے ان کو بغاوت کرنا ضرور تھی (بخیال ان کے) کہ خلافت ان کا حق ہے لیکن امام صاحب کے متعلق غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رح خاندان اہل بیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتے تھے امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی اور کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعوں کا اثر تھا، ان اتفاقی واقعات نے امام صاحب کے متعلق بدگمانی پیدا کردی ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے خلاف ہیں۔[۱]

شیعہ حضرات کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ واقعہ کربلا کے بعد سے تیز ہو گیا تھا ان لوگوں نے قلمی اعتبار سے بھی اسلام کو نقصان پہونچایا اور سیفی اعتبار سے بھی اسلامی حکومتوں میں فسادات کے جس قدر واقعات ہوئے ہیں سب میں پس پردہ یہ حضرات رہے ہیں۔

امام صاحب کا سفر مکہ

۱۰۵ھ میں یزید بن عبد الملک کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے ولید کی عمر اس وقت بہت کم تھی اس لئے اپنے چھوٹے بھائی ہشام بن عبد الملک کے لئے بیعت خلافت لی اور ولید کو ولیعہد مقرر کیا لیکن یہ حد درجہ عیاش تھا ہشام نے ہر چند چاہا کہ

---

[۱] سیرت النعمان ص ۳۴

کسی طرح اس کی اصلاح ہو جائے اس کے لئے ایک دفعہ ولید کو امیرِ حج مقرر کیا تاکہ اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو لیکن ولید نے یہ کیا کہ صندوقوں میں کتے بٹھلائے اور شراب کی بوتلیں بھریں اس ارادے سے کہ اب تو بیت اللہ کی چھت پر خیمہ نصب کر کے وہاں دورِ شراب چلے گا لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کو امیرِ حج کے عہدے سے برطرف کرایا۔

ہشام نے اس کی جگہ اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہا، لیکن ہشام اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور ۱۲۵ھ میں ولید ہی تختِ خلافت پر قابض ہو گیا چنانچہ جگہ جگہ بغاوتیں شروع ہو گئیں۔

خلافتِ عباسیہ کے دعوے دار موقعہ کے متلاشی تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید الناقص، ابراہیم بن ولید، مروان الحمار یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے اور ختم ہو گئے۔

مروان کے زمانے میں یزید بن عمرو بن ہبیرہ کوفہ کا گورنر ہوا[1] یہ نہایت مدبر اور سیاستداں تھا اس نے منصوبہ بنایا کہ امورِ سلطنت میں علماء کو شریک کرنا چاہیئے اس طرح پبلک کے اوپر سہولت سے قبضہ ہو جائے گا اس منصوبے کے تحت تمام علمائے عراق کو جمع کیا اور مختلف عہدے اور جاگیریں عطا کیں جس کو انہوں نے قبول کر لیا، امام صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد کرنا چاہا تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ آپ کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کرونگا اور حد یہ ہے کہ آپ اگر مسجد کے ستون شمار کرنے کو بھی کہیں گے تو نہیں کرونگا چہ جائیکہ ایک مسلمان کے قتل پر دستخط کر دوں۔ اس پر ابن ہبیرہ کو غصہ آگیا اور حکم دیا کہ ان کے روزانہ دس کوڑے مارے جایا کریں چنانچہ امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا اور روزانہ دس کوڑے مارے جانے لگے جس کی وجہ سے

---

[1] طبری ص ۳۲۲ ج ۲-۲ [2] سیرت النعمان ص ۲۳

آپ کا چہرہ اور جسم ورم کر آیا تھا مگر آپ اپنی بات پر اٹل رہے ۔[1]

عبداللہ بن ابی حفص الکبیر اور امام خلبی بیان فرماتے ہیں کہ جن دنوں امام صاحب کو کوڑوں کی سزا دی جا رہی تھی آپ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عطاء ذی العرش خیر من عطاءکم　　وفضلہ واسع یرجی وینتظر

انتم بکدر ما تعطون بمنکم　　واللہ یعطی فلا من ولا کدر

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے اور اس کا فضل بہت وسیع ہے اسی سے امید کی جا سکتی ہے اور اسی کا انتظار کیا جا سکتا ہے تم تو احسان جتلا کر اپنی عطایا کی مشقت میں مبتلا کر دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے نہ احسان جتلاتا ہے اور نہ مشقت میں مبتلا کرتا ہے

ایک شاعر نے اس المیہ کو نظم کیا ہے جس کے شروع کے دو شعر کا ترجمہ پیش ہے

(۱) — اے نعمان کے مارنے والے تو اپنے نفس سے خوش ہے تو نے جہالت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو کمایا ہے۔

---

[1] علامہ شبلی نے اپنے بعض مقالات میں امام صاحب کے مجدد ہونے سے انکار کیا ہے انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ "مجدد ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں ان میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو اور سرفروشی کی ہو" اس کے بعد ہمارے ایک معاصر مؤلف ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ شرط ۳ کی وجہ سے علامہ شبلی نے امام ابوحنیفہ، امام غزالی، شاہ ولی اللہ کو مجددیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے ۔ لیکن مؤدبانہ گذارش ہے کہ دو شرطیں تو امام صاحب میں موجود ہیں، تیسری شرط کے پورا ہونے کے لئے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ابن ہبیرہ کا کوڑے لگانا اور اسی طرح خلافت عباسیہ میں کوڑوں کی سزا پھر قید خانہ اور اس میں زہر ملا کر شہید کر دینا۔ ان سے اگر تیسری شرط پوری ہو گئی یعنی مصیبتیں برداشت کرنا جان پر کھیلنا اور سرفروشی کرنا پھر تو امام صاحب کے مقام مجددیت سے انکار کرنا ناانصافی ہو گی عدالت اور فیصلہ دونوں آپ کے سپرد ہیں۔ عزیز الرحمٰن

(۲) - اے یزید تو ہمیشہ ان کے مارنے کی وجہ سے مبغوض رہے گا تونے
بہت بری چیز میزانِ آخرت کے لئے پیشگی بھیجی ہے [1]
امام صاحب کو یہ سزا کتنے دنوں دی گئی؟ بعض روایات میں چالیس اور بعض میں دس یوم مذکور ہیں۔ امام صاحب نے اس مصیبت سے کس طرح نجات پائی اس کے لئے علامہ کردری کی تحریر پیش ہے

ابن ہبیرہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں، "تو خدا سے نہیں ڈرتا جو میری امت کے ایک بلا قصور آدمی کو مارتا ہے۔" اس کے بعد ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو آزاد کر دیا [2]

اہل تاریخ نے یہ واقعہ سنہ ۱۳۰ھ کا بتلایا ہے[3] اس کے بعد آپ نے کوفہ کی سکونت کو ترک کر دیا اور مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا اور سنہ ۱۳۶ھ تک آپ وہیں مقیم رہے جب ابو العباس السفاح خلیفہ ہوا تو آپ پھر دوبارہ کوفہ آ گئے تھے

قیام مکہ معظمہ زمانہ قیام مکہ معظمہ میں آپ کا کیا مشغلہ تھا۔ بعض مورخین نے آپ کے حلقہ درس کا یہاں انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ نے کوفہ اور بغداد کے علاوہ کہیں حلقہ درس قائم نہیں کیا لیکن ابوزہرہ نے اس روایت کی تردید کی ہے[4] اور علامہ موفق نے بھی وہی بیان کیا ہے جو ابوزہرہ کی رائے ہے چنانچہ موصوف نے دلیل میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی یہ روایت پیش کی ہے۔

رأیت ابا حنیفۃ جالساً فی المسجد الحرام ویفتی اھل المشرق واھل المغرب	میں نے ابوحنیفہ کو مسجد حرام میں بیٹھے دیکھا کہ آپ اہل مشرق اور اہل مغرب کو فتویٰ دیتے تھے [5]

---

[1] کردری ص۱۰ ج ۲ [2] ایضاً ص۲۶ ج ۲ [3] ابوزہرہ ص۳۲ [4] ایضاً ص۵۲

والناس يومئذ ناس — وہ زمانہ ہے کہ جب بڑے بڑے
يعني الفقهاء الكبار و — فقہاء اور بہترین انسان موجود
خيار الناس حضور[1] — ہوتے تھے۔

اس روایت سے آپ کا حلقہ درس وافتا مسجد حرام میں بھی ثابت ہے لیکن یہ مجلس مستقل نہیں تھی بلکہ عام دستور کے مطابق جب کسی بڑے شہر میں بڑا عالم پہنچ جاتا ہے تو استفادہ کی غرض سے وہاں آدمی جمع ہو ہی جاتے ہیں اسی طرح کا یہ اجتماع ہوگا۔ لیکن اصل سوال مجلس تدوین فقہ کا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ آپ نے تدوین فقہ کا کام ۱۲۱ھ سے شروع کر دیا تھا اور یہ کام کم وبیش ۳۰ سال (۱۵۰ھ) جاری رہا اور اس مجلس میں ۴۰ فقہاء مجتہدین برابر شریک رہے اگر کوئی موجود نہ ہوتا تو کام بند رہتا تھا۔ تو کیا مجلس تدوین فقہ کے شرکاء آپ کے ہمراہ آگئے تھے اسی کو ابوزہرہ مصری نے ترجیح دی ہے[2]

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قیام عارضی تھا اور ۱۳۲ھ میں آپ نے کوفہ آمد ورفت شروع کر دی پھر ۱۳۶ھ میں مستقل کوفہ آگئے گویا اسی عارضی قیام میں تدوین فقہ کا کام بند رہا

امام اوزاعی سے مناظرہ

۱۳۰ھ میں جب آپ مکہ پہونچے تو یہاں امام اوزاعی سے رفع الیدین کے متعلق مناظرہ پیش آگیا، امام اوزاعی پہلے ہی سے امام صاحب کے متعلق اچھا خیال نہیں رکھتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اوزاعی کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا، اے خراسانی کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے یہ سنکر میں واپس آیا اور تین دن مسلسل امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل منتخب کئے اور

---

[1] موفق ص۶۰ ج ۲ [2] ابوزہرہ ص۵۸ [3] ایضاً

تیسرے دن اپنے ہمراہ کتاب لیکر آیا اور امام اوزاعی کی خدمت میں پیش کی امام اوزاعی نے پوچھا یہ مسائل کس نے بیان کیئے ہیں ؟ میں نے کہا عراق میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی تھی جس کا نام نعمان ہے ! امام اوزاعی نے کہا یہ تو بڑے پایہ کے شیخ معلوم ہوتے ہیں جاؤ ان سے علم حاصل کرو ! میں نے کہا جی ہاں ! یہ وہی نعمان ہیں جن کی کنیت ابو حنیفہ ہے اور جن کے پاس جانے سے آپ مجھے روکتے تھے۔

اس مرتبہ (سنہ ۱۳۰ھ) میں جب دونوں شیخ ایک جگہ جمع ہوئے تو مسئلہ رفع الیدین پر ذرا تفصیلی بات چیت ہوئی جسکو مسند امام اعظم سے نقل کیا جارہا ہے

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی مکہ میں دارخاطین میں جمع ہوئے تو امام اوزاعی نے امام صاحب سے پوچھا آپ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے امام اوزاعی نے فرمایا عجیب بات ہے مجھ سے زہری نے بروایت سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلعم یہی نقل کیا ہے کہ آپ رفع الیدین کرتے تھے۔ امام صاحب نے جواب دیا مجھ سے امام حماد نے بروایت ابراہیم نخعی عن علقمہ واسود عن ابن مسعود عن رسول اللہ صلعم حدیث بیان کی ہے کی حضور صلعم افتتاح صلوۃ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعی نے کہا میں تو زہری عن سالم عن ابیہ سے روایت بیان کررہا ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ حدثنی حماد الخ بھلا کوئی جوڑ بھی ہے ؟ تب امام صاحب نے فرمایا حماد زہری سے زیادہ فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے افقہ تھے ؟ اور علقمہ ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں تھے اگرچہ ابن عمر کو صحبت کی فضیلت حاصل ہے اور عبداللہ

بن مسعود بہر حال عبداللہ بن مسعود ہیں۔ بس یہ جواب سنکر امام

اوزاعی خاموش ہو گئے [1]

اس جگہ امام صاحب نے علقمہ کو حضرت ابن عمر پر فقہ کے اعتبار سے فوقیت دی ہے اور اس میں عیب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ فضل صحبت اور چیز ہے اور فقاہت کسی دوسری چیز کا نام ہے جیسا کہ حضرت علقمہ حضرت وائل بن حجر کے بہت زیادہ مدّاح تھے اور ان کی بہت زیادہ تعریف و تعظیم کیا کرتے تھے لیکن ان کے علم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے :۔

انہ اعرابی لا یعرف الاسلام [2] — وہ اعرابی ہیں اسلام سے واقف نہیں

ابو العباس سے بیعت

ابو العباس السفاح بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہے جب یہ خلیفہ ہوا تو لوگوں کو امید ہو گئی تھی کہ اب ظلم و ستم بند ہو جائے گا، لیکن ایسا ہوا نہیں کیونکہ نئی نئی خلافت تھی جگہ جگہ بغاوتیں ہو رہی تھیں اس لئے انتظاماً بہت زیادہ قتل و غارتگری ہوئی خلیفہ ہونے کے بعد اس کو اخذ بیعت کی ضرورت پیش آئی اور وہ اس غرض سے کوفہ آیا۔ کوفہ ان دنوں حکومت اسلامیہ کا سب سے بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا۔ اتفاق سے ان دنوں امام صاحب کوفہ تشریف لائے ہوئے تھے لوگوں نے مشورے کے لئے آکر گھیر لیا کہ اب کیا کریں۔ امام صاحب نے فرمایا تمہاری اور اپنی طرف سے خلیفہ سے جاکر گفتگو کرتا ہوں چنانچہ آپ گئے اور ایک مختصر اور بلیغ تقریر خلیفہ کے سامنے فرمائی کہ

الحمد للہ الذی بلغ الحق	اس خدا کی تعریف جس نے خلافت
قرابۃ نبیہ صلعم وامات	حضور کے قرابت داروں کو عطا کی
عنا جور الظلمۃ وبسط	اور ظالموں کے ظلم کا ہم پر سے
لسنتنا بالحق قد بایعناك	خاتمہ کر دیا اور ہماری زبانوں کو

---

[1] مسند امام اعظم باب رفع الیدین۔ [2] تنسیق ص۸

علی امر اللہ والوفا للہ بعہدٹ الی قیام الساعۃ[1]

حق کے لئے بچھا دیا میں آپ سے احکام خداوندی اور وفائے عہد پر قیام ساعت تک کیلئے بیعت کرتا ہوں

یہ دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کی۔

بعض حضرات نے لفظ "قیام الساعۃ" کے متعلق لطائف بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ امام صاحب نے تلفظ میں میم کے کسرہ کو بڑھا دیا تھا یعنی "قیامی الساعۃ" (یعنی اپنے یہاں کھڑے ہونے تک) اور کسرہ اور یار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امام صاحب نے اس جگہ توریہ سے کام لیا تھا لیکن یہ مناسب نہیں کیونکہ اس سے امام صاحب پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ تو بچ گئے لیکن عوام کو معصیت میں گرفتار کر دیا بلکہ حق یہ ہے کہ جو الفاظ بیعت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی بیعت مشروط تھی اور مشروط بیعت شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

ابراہیم بن میمون کا قتل

ابراہیم بن میمون امام صاحب کے دوست ہیں آپ بڑے فقیہ اور محدث تھے امام صاحب اور عطا سے حدیث روایت کرتے ہیں اور ان سے حسان بن ابراہیم نے روایت کی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی ان کے بارے میں فرماتے ہیں لا باس بہ اور یحییٰ بن معین اور ابن حبان بھی ان کی توثیق کرتے ہیں۔ امام صاحب کے پاس اکثر ان کی آمد ورفت رہتی تھی آپ امام صاحب سے جہاد کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے امام صاحب فرما دیتے تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگرچہ فرض ہے لیکن اس کے لئے حالات اور سامان کی بھی ضرورت ہے لیکن یہ باز نہ آئے بالآخر ابو مسلم خراسانی نے ان کو گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا ان کے قتل کی خبر سنکر امام صاحب بہت زیادہ روئے حضرت عبداللہ بن مبارک

---

[1] ابوزہرہ ص ۳۵

بیان فرماتے ہیں کہ گریہ کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ خیال ہونے لگا تھا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کرجائے

قیام کوفہ ۱۳۶ھ میں پھر دوبارہ آپ نے کوفہ میں مستقل قیام فرمالیا اس وقت ابوجعفر منصور خلیفہ تھا، اس کی خواہش تھی کہ علماء اس کے یہاں آمدورفت رکھیں بہت سے حضرات کو اس نے سرکاری عہدے بھی دیئے تھے اس وقت پایۂ تخت ہاشمیہ کوفہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے ابن خبرمہ، ابن ابی لیلیٰ اور دیگر علماء کو طلب کیا اور بیع وشراء اور زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق کتاب لکھنے کو کہا۔ چنانچہ طویل مدت کے بعد ان حضرات نے مسودات پیش کئے تو خلیفہ کو پسند نہ آئے کسی درباری نے خلیفہ سے عرض کیا، حضور! کوفہ میں ایک شخص ابوحنیفہ نعمان ہیں ان کو اور بلایئے! چنانچہ امام صاحب کو بلایا گیا اور کتاب لکھنے کے لئے کہا گیا امام صاحب نے صرف دودن میں وہ کتاب مرتب کرکے پیش کردی خلیفہ نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور بطور انعام دس ہزار درہم پیش کئے تو امام صاحب نے لینے سے انکار کردیا[۱]

ایک دفعہ خلیفہ نے امام مالک، ابن ابی ذئب اور امام صاحب کو بلوایا اور اپنی خلافت کے متعلق ہر ایک سے اظہار رائے چاہی ہر ایک نے جو اس کے نزدیک حق تھا بیان کردیا امام صاحب سے پوچھا تو فرمایا۔

جب آپ کی خلافت پر دو اہل فتویٰ متفق نہیں ہو پائے
تو خلافت تو اجماع مومنین کا نام ہے۔

یہ سنکر خلیفہ نے خادم کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ باہر جائیں تو تین تین ہزار درہم ہر ایک کو پیش کرنا، اگر امام مالک لیں تو کل کے کل دیدینا اور اگر یہ دونوں لیں تو ہر ایک کی گردن اڑا دینا چنانچہ غلام نے ان کے سامنے

---

[۱] موفق ص۱۵

تین ہزار کی تھیلی پیش کی امام مالک کے علاوہ دونوں نے انکار کردیا۔[1]

امام صاحب کا جواب اگرچہ گستاخانہ شمار کیا جاسکتا ہے لیکن حق وصداقت بہرحال حق وصداقت ہے گو عارضی طور سے آدمی مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے لیکن عند اللہ وعند الناس قدر ومنزلت کی راہیں اسی سے کھلتی ہیں۔ بے لاگ تنقید وتبصرے کے باوجود خلیفہ کو ذاتی اور سرکاری معاملات میں بھی امام صاحب کی ضرورت محسوس ہونے لگی

ایک دفعہ خلیفہ منصور اور اس کی بیگم میں دوسری شادی کے متعلق بات بڑھ گئی خلیفہ دوسری شادی کرنا چاہتا تھا لیکن بیگم اس کو پسند نہیں کرتی تھی لہذا امام صاحب کو حکم مقرر کیا گیا کہ جو وہ فرمائیں اسی پر عمل کیا جائے امام صاحب تشریف لائے بیگم پس پردہ ہو بیٹھیں خلیفہ نے سوال کیا کہ حر کو کتنی شادیاں کرنے کا حق ہے؟ امام صاحب نے فرمایا چار کا۔ یہ جواب سنتے ہی خلیفہ پردہ کی طرف مخاطب ہوا دیکھا! تب امام صاحب نے فرمایا۔ لیکن۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (الآیۃ) اگر تمہیں عدل نہ کرنے کا خوف ہو تو بس ایک ہی کافی ہے

خلیفہ یہ سنکر خاموش ہوگیا اور امام صاحب باہر تشریف لے آئے جب امام صاحب گھر پہونچے تو بیگم کا غلام اشرفیوں کی تھیلی لے کر حاضر ہوا اور بیگم کی طرف سے کہا کہ لونڈی آپ کا شکریہ ادا کرتی ہے اور یہ حقیر ہدیہ قبول فرمائیے۔ امام صاحب نے فرمایا، جاؤ! میرا سلام پیش کرنا اور کہنا کہ شکریہ اور ہدیہ کی کوئی بات نہیں ہے یہ تو میرا فریضہ تھا جو میں نے ادا کیا ہے[2]

ایک دفعہ خلیفہ نے علمائے کوفہ کو جمع کیا اور پوچھا کیا رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے:۔

المومنون عند شروطهم — مومنین کا معاملہ انکی شرط کے مطابق ہوتا ہے

---

[1] موفق ص ۱۶ ج ۱ [2] ابوزہرہ ص ۳۶

سب نے کہا بیشک! تب منصور نے کہا کہ اہل موصل نے میرے خلاف خروج نہ کرنے کی بیعت کی تھی، لیکن اب انہوں نے میرے خلاف خروج کیا ہے انہوں نے میرے عامل کو بھی قتل کر دیا ہے کیا اب میرے لئے جائز ہے کہ میں ان کو قتل کر دوں مجمع میں سے ایک عالم نے کہا وہ آپ کے قبضہ میں ہیں اگر آپ ان کو معاف کر دیں تو بہتر ہے خلیفہ نے امام صاحب سے دریافت کیا امام صاحب نے فرمایا ہم اس وقت بیعتِ خلافت میں ہیں اگر جان کی امان ہو تو کچھ عرض کیا جائے خلیفہ نے کہا امان ہے۔ امام صاحب نے فرمایا:۔

> اہل موصل نے آپ کے ساتھ ایسی شرط کی ہے جس کے وہ خود مالک نہیں ہیں یعنی جان، اور جان اللہ کی ملکیت ہے ان اللہ اشتریٰ من المومنین اموالھم وانفسھم) لہذا اس میں بذل واباحت جاری نہ ہوگی۔ بدیں وجہ اگر کسی آدمی نے دوسرے کو امر کیا کہ تو مجھے قتل کر دے اور اس نے تعمیل کرتے ہوئے قتل کر دیا تو اس پر دیت واجب ہو جائے گی[1] لہذا آپ نے نامناسب شرط لگائی تھی اور مسلمان کا خون تین وجہ کے علاوہ بہانا جائز نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شرط ہے جس کا پورا کرنا آپ پر مقدم ہے[2]

منصور یہ سنکر لاجواب ہو گیا اور کہا اے شیخ! آپ تشریف لے جا سکتے ہیں لیکن آپ ایسا فتویٰ نہ دیں کیونکہ اگر آپ نے اپنے امام کے خلاف ایسا فتویٰ دیدیا تو خوارج کے ہاتھ آپ کے امام کی طرف دراز ہونے لگیں گے[3]

---

[1] امام زفر اس مسئلہ میں قصاص کو واجب قرار دیتے ہیں [2] الموفق ص۱۷ ج ۲
[3] الموفق ایضاً۔

مناظرے

امام صاحب کی ذکاوت اور ذہانت کے لئے یہی کیا کچھ کم ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :-

اگر دین ثریا پر بھی ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے اتار لائے گا۔ (مسلم)

علامہ جلال الدین سیوطی نے باتفاق علمائے امت اس کا مصداق امام صاحب ہی کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح جب امام مالک سے آپ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا

اگر وہ شخص دلائل کے ذریعہ سے اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو ثابت کر سکتا ہے

امام صاحب کی فہم و ذکاوت اور تفقہ کا اعتراف دانشمندان عالم نے کیا۔ امام صاحب کا مدوّن شدہ فقہ ان کے علمی کمالات کا اعلان کر رہا ہے تاہم کچھ نمونے کے طور پر اس عنوان میں بھی درج کیا جاتا ہے۔

قتادہ سے مناظرہ

حضرت قتادہ مشہور محدث اور تابعی ہیں بصرہ وطن ہے حضرت انس رض، حضرت عبداللہ بن حجر جیسے حضرت ابوالطفیل سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت انس رض کے دو شاگرد ہیں جو بہت مشہور ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہیں۔ حدیث کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ الفاظ و معنی میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا لوگ ان کو احفظ الناس کہتے تھے۔ امام صاحب حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ ان کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے۔ یہ جب مدینہ منورہ میں حضرت

سعید بن مسیب سے حدیث پڑھتے تھے تو درمیان درس میں بہت زیادہ سوال کیا کرتے تھے ایک دن استاذ نے ان سے دریافت کر لیا کہ تم بہت زیادہ پوچھتے ہو کچھ یاد بھی رکھتے ہو تو انہوں نے بقید تاریخ لفظاً لفظاً سب سنا دیا۔ امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قتادہ فقہ، واقفیت اختلاف، تفسیر میں بہت بڑے عالم ہیں

ایک دن حضرت قتادہ کوفہ تشریف لائے اور اعلان کرا دیا کہ جسکو جو پوچھنا ہو پوچھے، میں اس کا جواب دونگا۔ لہذا سوالات کرنے کے لئے ایک مخلوق جمع ہو گئی امام صاحب بھی تشریف لائے اور کیوں نہ لاتے جب عام اجازت تھی ہاں اگر ابتدار امام صاحب کی طرف سے ہوتی تو گستاخی کی بات تھی کہ استاذ کا مقابلہ کیا لیکن جب استاذ ہی ایسا اعلان کرے تو پھر اس کے اندر گنجائش موجود ہے

امام صاحب نے پوچھا، مفقود الخبر کی بیوی نے اس سے مایوس ہو کر اور یہ خیال کر کے کہ وہ مر گیا ہوگا دوسرا نکاح کر لیا کچھ عرصہ بعد اولاد پیدا ہوئی اتنے میں پہلا شوہر بھی آگیا اب دونوں شوہروں میں سے ہر ایک اس اولاد سے انکار کرتا ہے کہ میری نہیں ہے گویا عورت پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے کیا عورت کے ساتھ کس شوہر کو لعان کرنا چاہیئے۔ قتادہ نے کہا کیا ایسا ہوا ہے امام صاحب نے فرمایا ایسا ہو سکتا ہے، اس لئے علمار کو پہلے سے تیار رہنا چاہیئے۔ قتادہ نے کہا اسکو رہنے دیجئے کچھ تفسیر میں دریافت کیجئے۔ امام صاحب نے دریافت کیا اس آیت کا مطلب بتلائیے

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ	اس نے کہا جو کتاب اللہ کے علم سے واقف تھا میں آپ کے پاس ملکہ بلقیس کے تخت کو آپ کی پلک جھپکنے سے پیشتر لے آؤں گا۔

یہ وہ قصہ ہے کہ جب حضرت سلیمان ع نے ملکہ بلقیس کے تخت لانے کے بارے میں اعلان کیا کہ کون اس کو جلدی سے جلدی لا سکتا ہے تو اس روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے (جن کو اسم اعظم آتا تھا) کہا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں۔ یہ روایت اس وقت عام مسلمانوں میں بھی مشہور تھی لہٰذا حضرت قتادہ نے بھی یہی جواب[1] دیا تو امام صاحب نے دریافت کیا کیا حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اسم اعظم جانتے تھے؟ قتادہ نے کہا نہیں! تب امام صاحب نے فرمایا ہر ایک نبی کے زمانے میں اس سے زیادہ کوئی دوسرا عالم نہیں ہوتا ہے اس کے بعد قتادہ نے کہا اچھا عقائد کے بارے میں دریافت کیجئے آپ نے پوچھا آپ مومن ہیں؟ قتادہ نے کہا، ہاں انشاء اللہ میں مومن ہوں۔

محدثین کا مسلک یہ ہے کہ جب وہ اپنے ایمان کے بارے میں کہتے ہیں تو انشاء اللہ لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی نے امام حسن بصری سے پوچھا تو انہوں نے بھی انشاء اللہ لگا دیا۔ سائل نے کہا یہاں انشاء اللہ کا کیا محل تھا تب حسن بصری نے فرمایا میں نے اس وجہ سے کہا کہ زبان سے دعویٰ کروں اور خدا کے نزدیک اس دعوے میں جھوٹا ثابت ہوں![2] امام صاحب نے قتادہ سے کہا، ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید میں

وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (الآیۃ)	: اور وہ ذات کہ جس سے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کو وہ میری خطائیں معاف کر دیگا۔

---

[1] یہ واقعہ علامہ موفق اور علامہ کردری نے مناقب میں ص۲۰۱ ج ۱ اور ص۱۵۸ ج ۱ پر تھوڑے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [2] سیرت النعمان ص۴۱ ج ۱

یہ ظاہر ہے کہ اس آیت سے استدلال ناقص ہے کیونکہ وجود ایمان اور آخرت میں مغفرت خطائے ذنوب کی امید دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ امام صاحب نے پھر سوال کیا حضرت ابراہیم سے جب ان کے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تھا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا آپ ایمان نہیں لائے
تو انہوں نے جواب میں فرمایا تھا

بَلٰی بیشک میں ایمان لایا ہوں

آپ نے یہاں ان کی تقلید کیوں نہیں کی تو قتادہ خاموش ہو گئے [1]

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور سرکاری دربار میں ان کا بڑا مرتبہ تھا لیکن امام صاحب کے ہوتے ہوئے کوفہ میں ان کا کچھ بھی اثر نہ تھا جس کی وجہ سے وہ کہا کرتے تھے اہل کوفہ بھی عجیب ہیں محض ایک شخص (ابوحنیفہ) کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں امام صاحب نے امام ابویوسف امام زفر اور چند دیگر شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں چنانچہ یہ سب حضرات گئے امام ابویوسف نے بیان کرنا شروع کیا

ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہے جن میں سے ایک آزاد کرنا چاہتا ہے تو وہ کر سکتا ہے یا نہیں ؟

قاضی یحییٰ نے کہا نہیں کر سکتا ہے! کیونکہ حدیث میں موجود ہے۔

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ نہ نقصان پہونچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ

اور مسئولہ صورت میں چونکہ دوسرے شریک کا نقصان ہے اس لئے جائز نہیں ہے امام ابویوسف نے فرمایا، اگر دوسرا شریک آزاد کرے ؟ تو قاضی صاحب نے جواب دیا تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابویوسف نے فرمایا آپ خود اپنے قول کی مخالفت کر رہے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے

---

[1] موفق ص ۱۰۳ ج ۱

آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ آزاد کرنا بھی چاہے تو آزاد نہیں ہوگا لہذا دوسرے شریک کے بارے میں بھی یہی صورت پیش آئیگی اور غلام بدستور غلام رہے گا۔ ؎

علامہ موفق نے اس مناظرہ کو ربیعہ بن عبدالرحمٰن کی جانب منسوب کیا ہے جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے ہم نے اس مناظرہ میں علامہ شبلی کی تحقیق قبول کی ہے

امام ابو یوسف کو تادیب ایک دفعہ امام ابو یوسف شدید بیمار ہوئے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ امام ابوحنیفہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا

لئن مات ھذا الغلام	اگر ان کا انتقال ہوگیا تو زمین پران
لم یخلف علی وجہ الارض	کا کوئی جانشین ان جیسا نہ پایا
مثلہ	جائے گا۔

یعنی امام صاحب نے امام ابو یوسف کے کمالات کو سراہا۔ کچھ دنوں کے بعد امام ابو یوسف اچھے ہو گئے تو انہوں نے اپنی مجلس درس علیحدہ قائم کرلی امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ایک شخص کو سکھا کر بھیجا کہ یہ سوال کرنا۔

کہ ایک آدمی نے دھوبی کو کپڑا دھونے کے لئے دیا، جب وہ مانگنے آیا تو دھوبی نے کپڑا دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس کے بعد دھوبی کپڑا لیکر آیا تو کیا اس دھوبی کی اجرت واجب ہوگئی یا نہیں؟ اگر ابو یوسف کہیں واجب ہوگئی تو کہدینا غلط اور اگر کہیں نہیں واجب ہوئی تب بھی کہدینا غلط۔

چنانچہ یہ آدمی گیا اور اس نے اسی طرح سے کہا جیسا کہ اس کو بتلایا گیا تھا تب تو امام ابو یوسف گھبرا گئے اور اپنے اس فعل پر متنبہ ہو کر امام صاحب کی خدمت

؎ سیرت النعمان

میں حاضر ہوئے امام صاحب نے فرمایا " آپ کو تو یہاں دھوبی والا مسئلہ کھینچ لایا ہے. پھر امام صاحب نے جواب دیا اگر دھوبی نے کپڑا دھونے سے پہلے انکار کر دیا تھا تب تو وہ غاصب ہے اور غاصب کی اجرت نہیں ہوتی اور اگر کپڑا دھونے کے بعد انکار کیا تھا تو اجرت واجب ہو گئی تھی مگر جب وہ کپڑا لے کر آ گیا تو اس پر سے غصب کا جرم ساقط ہو گیا اور اجرت بدستور رہی لہ

قاضی ابن ابی لیلےٰ پر تنقید

ابن ابی لیلےٰ کوفہ کے قاضی اور بڑے فقیہ تھے ۳۳ سال منصب قضا پر فائز رہے امام صاحب اور ان کے درمیان کسی قدر رنجش رہتی تھی، ایک دن یہ اپنی مجلس قضا (مسجد) سے آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک عورت کو ایک آدمی سے جھگڑتے دیکھا تو کھڑے ہو گئے. عورت نے اثنائے گفتگو میں اس مرد کو " یا ابن الزانیتین " کہہ دیا، امام ابن ابی لیلیٰ نے سنا اور عورت کو پکڑوا کر مجلس قضا (مسجد) میں لائے اور دو حد جاری کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ عورت نے ایک ساتھ اس شخص کے ماں اور باپ دونوں پر تہمت لگائی تھی

امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا ابن ابی لیلےٰ نے چند غلطیاں کی ہیں

(۱) ۔ اصول عدالت کے خلاف لوٹ کر پھر مجلس قضا میں آئے

(۲) ۔ اس میں کوئی مدعی نہیں تھا. ابن ابی لیلےٰ نے خود ہی مقدمہ بنا لیا۔

(۳) ۔ عورت پر مجلس قضا ہی میں حد جاری کرا دی. حالانکہ جناب رسول اللہ صلعم نے عورت پر بٹھلا کر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۴) ۔ ایک ساتھ دو حد جاری کر دیں، حالانکہ ایک حد مارنے کے بعد جب آرام ہو جاتا تب دوسری حد جاری کی جاتی۔

(۵) ۔ اس عورت پر دو حد نہیں آتی تھیں بلکہ ایک ہی حد کافی تھی اس لئے کہ اس نے ایک ہی جرم کیا تھا۔

لہ موفق صہ ۱۰۹

قاضی صاحب یہ سنکر بہت برہم ہوئے اور امام صاحب کی شکایت گورنر کوفہ سے جاکر کر دی گورنر نے حکم دیدیا کہ امام ابو حنیفہ اب فتویٰ نہیں دے سکتے چنانچہ امام صاحب فتوے سے رک گئے ایک دن اتفاق سے امام صاحب کی صاحبزادی نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، تو فرمایا جان پدر! اپنے بھائی حماد سے معلوم کرلو، مجھے حاکم کی طرف سے ممانعت[1] ہے اور ہمیں اپنے حکام کا حکم ماننا چاہیئے چند روز کے بعد خود گورنر ہی کو کوئی ضرورت پیش آئی جس کے لئے امام صاحب کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ امام صاحب نے فرمایا مجھے آپ کی طرف سے ممانعت ہے۔ گورنر نے کہا اب اجازت ہے۔

ایک رافضی سے مناظرہ

کوفہ میں ایک رافضی تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کو کافر اور یہودی کہا کرتا تھا امام صاحب کو خبر ہوئی تو اس کے پاس گئے اور کہا بھائی! میں تیری لڑکی کے لئے ایک آدمی کا پیغام لایا ہوں وہ آدمی حافظ قرآن ہے رات بھر نماز میں قرآن پڑھتا ہے، خدا کے خوف سے بہت روتا ہے لیکن وہ یہودی ہے۔ رافضی نے کہا خوب! کیا میں اپنی لڑکی کی شادی یہودی سے کردوں؟ امام صاحب نے فرمایا تو پھر پیغمبر خدا نے ایک چھوڑ دو لڑکیوں کی شادی حضرت عثمانؓ سے کیوں کردی تھی؟ یہ سنکر رافضی متنبہ ہوا اور توبہ کی اور اپنی اس حرکت سے باز آیا[2]

ایک دن امام صاحب مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رافضیوں کا ایک عالم آیا جسکو شیطان طاق کہا جاتا تھا، اس نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ طاقتور کون تھا؟ اس نے خود ہی کہا کہ ہم تو حضرت علی رضؓ کو کہتے ہیں اور آپ حضرت صدیق اکبر رضؓ کو کہتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ حق حضرت علیؓ کا تھا لیکن حضرت صدیق اکبر نے قوت کے بل بوتے

---

[1] دیانت داری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ سیرت النعمان ج ۱ ص ۵۲

[2] مناقب ازکردری ص ۱۶۱ ج ۱

پر لے لیا تو کون طاقتور ہوا یہ سنکر وہ حیران رہ گیا۔

امام مرغینانی کہتے ہیں کہ امام حماد کے انتقال کے بعد امام صاحب ایک حمام میں تشریف لے گئے اتفاق سے یہ شیطان بھی وہاں پہونچ گیا اور کہا کہ تمہارا استاذ تو مر گیا اور ہمیں اس سے نجات مل گئی۔ امام صاحب نے فرمایا۔ بیشک، لیکن تمہارے استاذ (امام مہدی) کو قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی ہے۔ یہ سنکر وہ حیران رہ گیا اور اپنا تہبند کھول کر کھڑا ہو گیا تو امام صاحب نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس نے کہا آپ کب سے اندھے ہو گئے امام صاحب نے فرمایا خدا نے جب سے تیرا ستر پھاڑ دیا اور یہ فرماکر آپ باہر آگئے [۱]

خوارج کے ساتھ مناظرہ

ایک دفعہ تقریباً ۷ خارجی امام صاحب پر آ چڑھے اور تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ آپ کو قتل ہی کرینگے اس وجہ سے کہ آپ مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے۔ امام صاحب نے فرمایا پہلے تلوار نیاموں میں کرلو اس کے بعد سوال کرو اس کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔ انہوں نے کہا ہم تو ان کو آپ کے خون سے رنگیں گے کیونکہ ایسا کرنے کو ہم ۷ سال جہاد فی سبیل اللہ سے افضل سمجھتے ہیں امام صاحب نے فرمایا اچھا کہو کیا کہتے ہو تو خارجیوں نے کہا

اس جگہ باہر دو جنازے ہیں جن میں ایک مرد ہے اور دوسرا عورت کا مرد شراب پی کر اسی حالت میں مر گیا۔ عورت حاملہ تھی اس نے خودکشی کرلی لہٰذا اب فرمایئے کیا کہتے ہیں۔؟

امام صاحب نے فرمایا اچھا یہ بتلاؤ یہ یہودی تھے یا نصرانی یا مجوسی۔ انہوں نے کہا اس میں سے کچھ بھی نہیں تھے تو امام صاحب نے دریافت کیا تو پھر کس ملت سے تھے خارجیوں نے کہا وہ اس ملت سے تھے جو یہ کہتے ہیں "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ" امام صاحب نے دریافت

---

[۱] کردری ص ۱۶۲

کیا کہ یہ کلمہ ایمان کا کونسا جزو ہے؟ نصف ہے یا چوتھائی یا تہائی۔ خارجیوں نے کہا یہ تو کُل ایمان ہے اس لئے کہ ایمان کے اجزاء نہیں ہوتے۔ امام صاحب نے فرمایا تو اب تم ہی لوگ بتلاؤ یہ دونوں جنازے کس کے ہوئے مسلمان کے یا کافر کے؟ خارجیوں نے کہا اچھا اس کو رہنے دیجئے دوسری بات بتلائیے وہ یہ کہ:۔ "یہ دونوں دوزخی ہیں یا جنتی؟"

امام صاحب نے فرمایا اس کے بارے میں تو وہی کہونگا جو حضرت ابراہیمؑ نے ان دونوں سے زیادہ مجرم کے بارے میں فرمایا تھا یعنی

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ	جس نے میری اتباع کی وہ میرا ہے
مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ	اور جس نے میری نافرمانی کی پس اے
رَّحِیْمٌ الآیۃ	خدا تو غفور رحیم ہے

اور وہ کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ	اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ
عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ	آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش
فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم	دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں

اور وہ کہوں گا جو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا

وَمَا عِلْمِیْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ مجھ پر نہیں
اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ	ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ پر ہے

وہ جو چاہے کرے۔

یہ سنکر خارجیوں نے اپنی تلواروں کو نیاموں میں کر لیا اور تائب ہوئے اور عقیدہ اہل سنت والجماعت کو اختیار کر لیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب کسی سے مناظرہ کرنا ہو تو الٹا اسی سے پوچھنا شروع کر دو تم ہی غالب آجاؤ گے[۱]

---

[۱] مناقب بازکردری ص۱۶۴ ج ۱

ایک رومی سے مناظرہ

بغداد میں ایک رومی آیا اور اس نے خلیفہ سے آکر عرض کیا میرے یہ تین سوال ہیں اگر آپ کی سلطنت میں کوئی موجود ہو تو بلائیے! خلیفہ نے اعلان کرا دیا سب علماء جمع ہوئے امام صاحب بھی تشریف لائے رومی ممبر پر چڑھا اور اس نے سوال کیا (۱) بتاؤ خدا سے پہلے کون تھا؟ (۲) بتاؤ خدا کا رُخ کدھر ہے؟ (۳) بتاؤ اس وقت خدا کیا کر رہا ہے؟ — یہ سنکر سب خاموش ہو گئے۔ امام صاحب آگے بڑھے اور کہا میں جواب دونگا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ممبر سے نیچے اتر آئیں۔ رومی ممبر سے نیچے آگیا، امام صاحب ممبر پر جا بیٹھے اور سوال دوہرانے کو فرمایا۔ رومی نے سوالات کا اعادہ کیا تو امام صاحب نے فرمایا (۱) گنتی شمار کرو، رومی نے گننا شروع کیا، امام صاحب نے روکا اور کہا، ایک سے پہلے گنو! رومی نے کہا ایک سے پہلے کوئی گنتی نہیں ہے تو امام صاحب نے فرمایا تو خدا سے پہلے بھی کوئی نہیں ہے۔

(۲) اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب نے ایک شمع روشن کی اور فرمایا، اس کا رُخ کدھر کو ہے؟ رومی نے کہا سب طرف کو۔ امام صاحب نے فرمایا خدا کا رُخ بھی سب طرف کو ہے

(۳) اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا نے تجھے نیچے اتار دیا اور مجھے اوپر چڑھا دیا۔ رومی یہ سنکر شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا [1]

اہل مدینہ سے مناظرہ

ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں مدینہ منورہ سے کچھ حضرات آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے قراۃ خلف الامام پر مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا تم سب سے ایک ساتھ کس طرح مناظرہ ہو سکتا ہے تم اپنے میں سے سب سے زیادہ عالم کو منتخب کرلو! انہوں نے ایک آدمی کو منتخب کر دیا

---

[1] موفق ص۱۷۰ ج۱

امام صاحب نے فرمایا یہ تم میں سب سے زیادہ عالم ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں! امام صاحب نے پھر پوچھا، اگر یہ ہار گئے تو آپ کی ہار شمار ہوگی۔ انہوں نے کہا ہاں! تب امام صاحب نے فرمایا مناظرہ ختم۔ اس وجہ سے کہ ہم نماز میں امام کو اسی لئے تو منتخب کرتے ہیں حدیث میں موجود ہے :۔

من کان لہ امام فقرأۃ	جس کا امام موجود ہو تو امام کی قرأۃ
الامام قرأۃ لہ [1]	اس کی قرأۃ ہوتی ہے

ابن اسحاق سے مناظرہ

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے اپنی رعایا کے سب علماء کو جمع کیا امام صاحب بھی تشریف لائے۔ اتفاق سے ابن اسحاق صاحب مغازی بھی آئے یہ خلیفہ کے بیٹے کے استاذ تھے اور امام صاحب سے حسد اور کینہ رکھتے تھے۔ انہوں نے خلیفہ کی موجودگی میں امام صاحب سے دریافت کرلیا

اے ابوحنیفہ! آپ کی کیا رائے ہے، اگر کسی آدمی نے یہ کہا کہ میں فلاں کام کرونگا یا نہیں کرونگا اور انشاء اللہ متصلاً نہیں کہا اور تھوڑی دیر کے بعد انشاء اللہ کہہ دیا۔

امام صاحب نے فرمایا استثنائے مقطوع سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکیگا ہاں اگر متصلاً کہتا تو اس کے حق میں مفید تھا ابن اسحاق نے یہ سنا اور خوش ہوئے اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ امیر المومنین کے جد اکبر حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا ہے :۔

ان الاستثناء جائز ولو	استثناء اگر سال بھر کے بعد بھی
کان بعد سنۃ	ہو تب بھی جائز ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضؓ کا استدلال اس آیت سے ہے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ	آپ جب اپنے رب کا نام بھول جائیں
	(تو جب یاد آئے) یاد کر لیجئے

---

[1] موفق ص۱۷۰ ج۱

منصور نے کہا کیا حضرت ابن عباسؓ نے یہی فرمایا ہے۔ ابن اسحٰق نے کہا جی ہاں! پھر کیا تھا منصور غضبناک ہوا اور ابن اسحاق یہی چاہتے تھے خلیفہ نے کہا آپ حضرت ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں امام صاحب نے فرمایا۔ نہیں! میرے پاس اس قول کی ایک بہترین تاویل ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک حدیث ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

من حلف علےٰ یمین و	جس نے قسم کھائی اور استثنار
یستثنیٰ فلاحنث علیہ	کرلیا وہ حانث نہیں

اور یہ جتنے حضرات ہیں آپ کی خلافت ہی کو نہیں مانتے ان حضرات کا کہنا ہے کہ ہمارے اوپر خلیفہ کی بیعت کی ذمہ داری نہیں اس لئے کہ ہم اپنے گھر جاکر انشاءاللہ کہہ لیتے ہیں غرض کہ یہ لوگ جب چاہیں استثنار کرلیں ان کے اوپر بیعت کی ذمہ داری نہیں رہتی۔ خلیفہ نے یہ سنا اور حکم دیا ابن اسحاق کی گردن میں چادر ڈال کر باہر کردو! جب امام صاحب باہر تشریف لائے تو ابن اسحاق نے کہا آج تو آپ نے قتل ہی کروا ڈالا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا اور آپ ہی نے کونسی رعایت برتی تھی [۱]

امام باقر سے ملاقات

ایک دفعہ امام صاحب مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں امام باقر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا آپ وہی ابو حنیفہ ہیں جنہوں نے میرے نانا کے دین کو بدل دیا ہے امام صاحب نے فرمایا یہ آپ کو غلط خبر پہونچی۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تشریف رکھیں تب میں اپنی صفائی پیش کروں۔ امام باقر بیٹھ گئے اور امام صاحب ان کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا بتلائیے! عورت کمزور ہے یا مرد انہوں نے کہا عورت! اچھا بتلائیے عورت کا حصہ کتنا ہے اور مرد کا کتنا؟ امام باقر نے کہا مرد کے دو اور عورت کا ایک۔ تب امام صاحب

---

[۱] موفق ص ۱۲۵ ج ۱

نے فرمایا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت (ضعیف) کے دو حصہ مقرر کرتا۔ پھر پوچھا، نماز افضل ہے یا روزہ؟ جواب دیا نماز! امام صاحب نے فرمایا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت سے ایام حیض کی نمازوں کی قضا ادا کروا تا، اور روزے کی نہ کراتا، کیونکہ نماز افضل ہے پھر پوچھا نطفہ زیادہ نجس ہے یا پیشاب؟ فرمایا پیشاب! امام صاحب نے فرمایا، اگر میں قیاس سے کام لیتا تو پیشاب سے غسل کو واجب قرار دیتا اور نطفہ سے وضو کو فرض قرار دیتا۔ مگر میں ایسا نہیں کرتا ہوں. تب امام باقر نے امام صاحب کی تحسین فرمائی اور پیشانی کو بوسہ دیا[۱]

چند مسائل

ان مناظروں کے علاوہ امام صاحب کے چند حیرت انگیز فتاویٰ اور تعجب خیز مسائل اور مسکت جوابات کو سطور ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے جن سے امام صاحب کی حاضر جوابی اور ذہانت و ذکاوت اور تفقہ کا کچھ حال معلوم ہو جائے گا۔

سانپ اور دیت ایک دن ایک مجلس میں امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، قاضی ابن ابی لیلیٰ موجود تھے ایک آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک سانپ اپنے سوراخ سے نکلا اور اہل مجلس میں سے ایک کے اوپر چڑھنے لگا اس نے اضطراب میں دوسرے پر جھٹک دیا اور اسی طرح دوسرے نے تیسرے پر جھٹک دیا۔ بالآخر سانپ نے آخری آدمی کو کاٹ لیا اور وہ مرگیا۔ اب دیت کس پر آئے گی اس کے جواب میں کسی نے کہا پہلے پر آئیگی، کسی نے کہا سب پر آئے گی، کسی نے کہا آخری پر آئے گی۔ امام صاحب یہ سب کچھ سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ آخر میں امام صاحب نے فرمایا جب پہلے آدمی نے دوسرے پر جھٹکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا آدمی تو بری الذمہ ہو گیا اسی طرح یکے بعد

---

[۱] موفق ص ۱۴۵ ج ۱

دیگرے سب بری الذمہ ہو گئے۔ ہاں صرف آخری آدمی سے پہلے آدمی کے بارے میں کلام ہے۔ اگر اس کے پھینکتے ہی سانپ نے کاٹ لیا تو اس پر دیت آئیگی اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کاٹا تو یہ آدمی بھی بری الذمہ ہو گیا اور جو آدمی مرا صرف اسی کی غفلت پائی گئی، کیونکہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزی سے کام نہیں لیا جو داسی کا قصور ثابت ہوا۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی تعریف کی لے۔

طلاق کی قسم

ایک آدمی امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کیا، میں جنبی ہوں اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ اب کیا کروں؟ امام صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک نہر کے پل پر لائے اور اسے نیچے دھکا دیدیا اور پھر اس کو باہر نکلوالیا اور فرمایا جا، اب تو پاک ہو گیا اور تیری بیوی پر بھی تین طلاق نہیں پڑیں ۲ے

غسل کے سلسلے میں امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا کلی کرنا اور پورے جسم پر پانی بہانا فرض ہے جسم کو ملنا فرض نہیں ہے اور نیت بھی فرض نہیں ہے اور اس مسئلہ میں بلا قصد وارادہ فرض ادا ہو چکے ہیں اس لئے غسل بھی ہو گیا اور شخص کی عورت پر بھی طلاق واقع نہیں ہوئی

(۲) آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی نے قسم کھائی کہ اگر میں آج کسی بھی وقت کی نماز ترک کروں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ پھر قسم کھائی اگر میں آج اپنی بیوی سے وطی نہ کروں تو اس پر تین طلاق، پھر قسم کھائی کہ اگر میں آج غسل جنابت کروں تو اس پر تین طلاق۔ امام صاحب نے فرمایا، اس شخص کو عصر کی نماز پڑھنا چاہیئے۔ اور عصر اور مغرب کے درمیان اپنی بیوی سے وطی کر لینا چاہیئے اور سورج چھپ جانے کے بعد غسل کر کے مغرب اور عشاء کی نماز

لے سیرت النعمان ص۵۷ ۔ ۲ے موفق ط۱۶۶ ج ۱

ادا کرنی چاہیئے[1]

شریعت کی اصطلاح میں رات دن کے تابع ہے سورج غروب ہونے کے بعد اگلا دن شمار ہونے لگتا ہے جیسا کہ رمضان، عید کا چاند رات ہوتے ہی رمضان اور عید کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

امام اعمش شکل و صورت کے اعتبار سے تو اچھے نہ تھے مگر ان کی بیوی نہایت حسین و جمیل تھی، اسی وجہ سے دونوں میں جھگڑا رہتا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے بعد دونوں میں جھگڑا شروع ہوا اور شدت اختیار کر گیا ادھر عورت نے بھی شدت اختیار کر لی اور بولنا بند کر دیا۔ امام اعمش نے قسم کھائی کہ اگر آج کی رات تو مجھ سے نہ بولی تو تجھ پر طلاق بائنہ امام اعمش نے کہنے کو تو کہہ دیا لیکن اس کے بعد بہت پریشان ہوئے کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ادھر عورت در پے آزار تھی سوائے اس کے کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ امام صاحب سے جا کر کوئی صورت دریافت کریں لہذا امام صاحب کے گھر گئے اور صورت حال سامنے رکھی۔ امام صاحب نے فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں ہے آج صبح کی اذان صبح صادق سے پہلے پڑھوا دوں گا چنانچہ امام صاحب اس محلہ کے موذن کے پاس پہنچے اور فرمایا آج صبح کی اذان صبح صادق سے پہلے پڑھ دینا وہ تیار ہو گیا اور صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو عورت کو خوشی ہوئی اور بولی:- "خدا کا شکر ہے آج تجھ بوڑھے بد اخلاق سے میرا دامن پاک ہوا۔"

دو بھائیوں کا عقد

کوفہ میں ایک رئیس تھا۔ اس کے دو لڑکے تھے ان دونوں کی شادی ایک دوسرے رئیس کی دو لڑکیوں سے ہوئی تھی جب بارات رخصت ہو کر آئی تو غلطی سے عورتوں نے دلہنوں کو زفاف گاہ میں داخل کرنے میں تبدیلی کر دی۔ اسی غلط فہمی میں ہر دولہا نے اپنی اسی دولہن سے وطی بھی کر لی جو اس کی خوابگاہ میں تھی۔ صبح ہوئی ادھر ولیمہ کا انتظام کا تھا شہر کے شرفاء اور رؤساء موجود تھے کہ یکایک زنان خانے میں شور بلند ہوا۔ اہل خانہ باہر

---

[1] موفق ص ۲۴۶ ج ۱

آئے تو نہایت پریشان۔ اب جتنے منہ اتنی باتیں۔ بالآخر امام صاحب سے دریافت کیا گیا تو آپ نے دونوں شوہروں کو بلایا اور دریافت کیا رات تم نے جس دولہن کے ساتھ شب باشی کی ہے وہ تمہیں پسند ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تب امام صاحب نے فرمایا اچھا تم اپنی اصل منکوحہ کو طلاق دیدو اور اس کا آدھا مہر ادا کر دو اسکے بعد دونوں شوہروں کا عقد اسی عورت سے پڑھا دیا گیا جس کے ساتھ اس نے شب باشی کی تھی اس صورت میں عدت بھی کسی عورت پر نہیں آئی اس لئے کہ طلاق قبل دخول تھی امام صاحب کی اس تدبیر کی سب نے تحسین کی۔[1]

انگوٹھی کا مسئلہ ایک دفعہ ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے پوچھا کہ میرے پاس انگوٹھی ہے جو مجھے بہت محبوب ہے لیکن اس پر نام "عطاء بن عبداللہ" کندہ ہے جو مجھے پسند نہیں ہے بتلایئے کیا کروں؟ امام صاحب نے فرمایا لفظ "بن" کی باء کو گول کر دو اور "عبد" کے اوپر نقطہ لگا دو "عطاء من عنداللہ" ہو جائے گا۔ ابن ہبیرہ نے اس کو بہت پسند کیا۔

تکفیر میں احتیاط امام صاحب کا مسلک ہے کہ اگر کسی شخص میں ۹۹ وجہ سے تکفیر ثابت ہو اور صرف ایک وجہ سے ایمان تو اسی ایک وجہ کو ترجیح دی جائے گی لہٰذا وہ حتی الامکان مومن کے فعل کی تاویل کرتے ہیں ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں ایک شخص آیا، اور عرض کیا کہ ایک شخص جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے لیکن اس کو جنت کی خواہش نہیں، دوزخ کا خوف نہیں، (مردار) کھاتا ہے، بلا رکوع وسجدہ کے نماز پڑھتا ہے، بن دیکھے شہادت دیتا ہے، حق سے بغض اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہے، رحمت سے بھاگتا ہے۔ یہود ونصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

امام صاحب نے فرمایا وہ مومن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خواہش میں اسکو جنت کی خواہش نہیں، وہ نار سے نہیں بلکہ رب النار سے ڈرتا ہے اور مچھلیاں جو کہ میتہ ہیں کھاتا ہے، نماز جنازہ پڑھتا ہے اور اس میں رکوع وسجدہ نہیں۔ کلمۂ شہادت

---

[1] موفق ص ۱۲۸ ج ۱

پڑھتا ہے حالانکہ نہ اس نے خدا کو دیکھا اور نہ رسول کو، موت[۶] کہ امر حق ہے اس سے
بغض رکھتا ہے تاکہ خوب عبادت کرے، مال[۷] اور اولاد جن کو قرآن نے فتنہ کہا ہے
محبوب رکھتا ہے اور یہود[۸] و نصاریٰ کے اس قول لیست النصاریٰ علیٰ شیٔ"
اور لیست الیہود علیٰ شیٔ" جو کہ قرآنی آیت ہے تصدیق کرتا ہے یہ جواب سنکر
تمام اہل مجلس آپ کا منہ حیرت سے تکنے لگے[۱]

حضرت عائشہ رضؓ کا سفر

ایک شخص نے سوال کیا حضرت عائشہ رضؓ کے سفر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
آپ نے ارشاد فرمایا کیا حرج ہے وہ تو ام المومنین ہیں تمام مومن ان کے محرم ہیں
اس لئے ان کو مزید محرم کی کیا ضرورت تھی[۲]

ایک قیاس

ایک آدمی نے سوال کیا، ایک پیالہ ہے اس میں ایک طرف چاندی کا پتر لگا ہے کیا اس سے پانی پینا جائز ہے؟ آپ نے
فرمایا اگر کوئی آدمی ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہو اور وہ چلو سے پانی پینا چاہے
تو جائز ہے یا نہیں؟ اس نے کہا جائز ہے۔ امام صاحب نے فرمایا یہ بھی جائز ہے[۳]
فقہاء کرام نے بیان کیا ہے کہ ایسی صورت میں پینے کی جگہ اور ہاتھ میں
پکڑنے کی جگہ ایسی ہونا چاہیئے کہ جو خالی ہو تاکہ چاندی یا سونے کا استعمال لازم
نہ آجائے مذکورہ صورت میں یہی بات ہے۔

---

[۱] موفق ص۲۰۱ ج ۱ [۲] ایضاً ص۱۳۹ ج ۱ [۳] ایضاً۔

گرفتاری اور وفات

عام طور سے تاریخ کی کتابوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ آپکو عہدۂ قضا سے انکار کیوجہ سے گرفتار کیا گیا۔ دوم یہ کہ آپ نے نفس ذکیہ کے خروج میں حکومت کے مخالف گروپ کی موافقت کی تھی۔

عہدۂ قضا سے انکار

گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے ابن ہبیرہ کے زمانے میں بھی قضاء کے عہدے سے انکار کر دیا تھا اور خلیفہ ابو جعفر منصور کو بھی صفائی کے ساتھ جواب دیدیا تھا کہ میں ہرگز یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں اور اس پر قسم بھی کھائی تھی، اس پر امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ علامہ ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں :-

> داؤد بن راشد کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب کو سزا دیجاتی تھی تو میں موجود تھا آپ کو روزانہ قید سے نکالا جاتا تھا اور دس کوڑے مارے جاتے تھے یہانتک کہ آپکے ۱۱۰ کوڑے مارے گئے اور آپ سے قضاء کے قبول کرنے کو کہا جاتا تھا اور آپ یہی فرما دیتے تھے کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں چنانچہ جب مسلسل یہی سزا دیگئی تو آپ نے خدا سے دعا کی الٰہی ! مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھ، چنانچہ آپ کو زہر دیا گیا اور آپ کا اسی میں انتقال ہوا [۱]

لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا عوامل تھے کہ جنکی بناء پر آپنے اتنی سختی برداشت کی اور عہدۂ قضاء کو قبول نہ کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپنے بر بنائے تقویٰ ایسا کیا تھا تاریخی روشنی میں بھی یہ وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے

---

[۱] ابوزہرہ ص۵

قضاء سے انکار کا سبب

حضرت عمر رضہ کے زمانے میں عدلیہ کے شعبہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے عدلیہ بالکل آزاد تھا، کوئی دباؤ اس پر نہیں ڈالا جاتا تھا چنانچہ علامہ حموی نے حاشیہ الاشباہ میں تحریر فرمایا ہے:-

جب حضرت عمر رضہ کے ملکی مشاغل بہت زیادہ بڑھ گئے تو انہوں نے عدلیہ کو حضرت ابو درداء کے سپرد کر دیا۔ انہیں ایام میں ان کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے حضرت ابو درداء نے ایک کے حق میں فیصلہ کر دیا تو دوسرا شخص حضرت عمر رضہ کے پاس پہونچا اور اپنی شکایت پیش کی تو آپ نے فرمایا:-

لَوْ كُنْتُ اَنَا مَكَانَهٗ لَقَضَيْتُ لَكَ — اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تیرے حق میں فیصلہ کرتا۔

اس شخص نے کہا آپ تو خلیفہ ہیں کیوں نہیں فیصلہ کرتے آپ نے فرمایا یہاں میرے پاس کوئی نص نہیں ہے اور رائے ایک مشترک چیز ہے یعنی اس میں ہم دونوں برابر ہیں۔ لیس هناك نص والرائے مشترك[1]

اس سے ظاہر ہے کہ عدلیہ کے معاملات میں خلیفہ وقت بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا لیکن اس کے برخلاف خلافت بنی امیہ میں اگر درباریوں کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو قاضی کو بے عزتی کے ساتھ معزول کر دیا جاتا تھا۔ خلافت عباسیہ میں ہارون رشید کے خلیفہ ہونے کے پہلے تک ایسا ہی رہا چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانے میں قاضی شریک کا بہت برا حشر ہوا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے زمانے میں مہدی کے ایک فوجی کے خلاف قاضی عبید اللہ بن حسن کی عدالت میں ایک تاجر نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ادھر پیشی ہوئی ادھر مہدی کا پیغام پہونچا "دیکھو جس زمین کے متعلق فلاں افسر اور فلاں تاجر کے درمیان جھگڑا ہے اسمیں فیصلہ افسر کے حق میں دو" لیکن

---

[1] حاشیہ علامہ حموی

قاضی عبیداللہ نے فوجی افسر کے خلاف فیصلہ دیا اس پر مہدی نے انکو معزول کر دیا
بعض دفعہ تو قاضی کی اہلیت کا بھی سوال نہیں تھا خواہ وہ مستحق قضا ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا وفادار ہو اسی کو قاضی کر دیا جاتا تھا چنانچہ اموی دور خلافت میں قاضی عالبس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ پورا قرآن بھی نہیں پڑھا تھا لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا، فرائض سے بھی واقف نہیں تھا لیکن پورے مصر کا قاضی تھا کیونکہ اس نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں تھیں

یہ حالات تھے جن کے پیش نظر امام صاحب نے عہدۂ قضا سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنے فیصلوں کو حکومت سے متاثر نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا کہ عدل و انصاف حکومت کی مرضی کے مطابق نہ کیا جائے یہ دیکھتے ہوئے امام صاحب نے انکار کر دیا تھا۔

بغاوت کا الزام

امام صاحب کی گرفتاری کا دوسرا سبب حکومت سے بغاوت بتلایا جاتا ہے جس کو ہم سطور ذیل میں علامہ شبلی کے قلم سے نقل کر رہے ہیں۔

۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تخت و تاج کے مالک ہوئے اس خاندان کا پہلا فرماں روا ابو العباس سفّاح تھا اس نے چار برس حکومت کی ۱۳۶ھ کے بعد اسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں تھیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا جا بجا بغاوتیں اٹھیں ان فتنوں کو فرو کرنے میں سفاح اور منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تمام ملک کی آنکھیں ان کے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دئے چنانچہ ایک موقع پر منصور نے کہا۔ کیا کروں؟ کام کے آدمی نہیں ملتے ۔ عبدالرحمن نے کہا مازار میں جس جنس

کی زیادہ مانگ ہوتی ہے قلت بھی اسی کی ہوتی ہے۔

منصور نے یہ ستم بھی کیا کہ سادات کی بھی خانہ بربادی شروع کردی اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی صرف بدگمانی پر منصور نے سادات علوبین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اسوجہ سے دیباج کہلاتے تھے ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیئے آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کیساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کرلی، بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی ہے خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔

نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر، قوی بازو، جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے گئے ان کے بعد ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سروسامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے سرہانے سے تکیہ اٹھالیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے ان کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں خاص کوفہ میں کم وبیش بیس لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے مذہبی گروہ خاص کر علماء و فقہاء نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام صاحب نے بھی انکی تائید کی، خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔

نامہ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے ابراہیم

کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اما بعد فانی قد جھزت	میں آپ کے پاس چار ہزار درہم
الیک اربعة آلاف درہم	بھیجتا ہوں اس وقت اسی قدر
ولم یکن عندی غیرھا	موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے
ولولا امانات عندی للحقت	پاس نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ سے
بک فاذا القیت القوم وظفرت	ملتا جب آپ دشمنوں پر فتح
بھم فافعل کما فعل ابوک	پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو حضرت
فی اھل صفین اقتل مدبرھم	علی رض نے اہل صفین کے ساتھ کیا
واجھز جریحھم ولا تفعل	تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب
کما فعل ابوک فی اھل الجمل	قتل کیے جائیں۔ ایسا نہ کرنا جیسا
فان القوم لھم فئة[1]	حضرت علی رض نے جنگ جمل میں
	کیا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے

اس خط اور علامہ شبلی کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب ابراہیم کے طرفدار تھے لیکن میری رائے یہ ہے کہ نامہ دانشوران اور علامہ شبلی رح کی یہ تحقیق موضوعات شیعہ کے سہارے ہے۔ خط کی عبارت پکار رہی ہے کہ یہ امام صاحب کی عبارت نہیں ہے بلکہ بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے کیونکہ امام صاحب جیسے محقق پر اپنے قریبی زمانے کے واقعات پوشیدہ نہیں تھے کون نہیں جانتا کہ نزاعات صحابہ رض میں خارجیوں کی ریشہ دوانیوں کو کافی دخل تھا چنانچہ جنگ جمل محض خارجیوں کے شبخون مارنے کے مغالطہ میں پیش آئی ورنہ اس جنگ کے قائدین حضرت زبیر رض اور حضرت طلحہ رض بن عبید اللہ میدان جنگ سے علیحدہ ہو گئے اور بات تقریباً طے ہو گئی تھی لیکن رات کو ستر خارجیوں نے (جنکو حضرت علی رض نے اپنے لشکر سے نکال دیا تھا) حملہ کر دیا جس کی وجہ سے محض دھوکہ میں جنگ ہوئی ایسے ہی جنگ صفین میں خارجیوں نے معاملہ کو بگاڑ دیا تھا۔

---

[1] سیرت نعمان طلخصا ص ۴۳، ۳۹۔

امام صاحب کی طرف جو خط منسوب کیا گیا ہے اس کی عبارت شیعوں کی وضع کردہ ہے ورنہ آپ خیال فرمائیں جو امام ۹۹ وجوہات سے بھی کفر کا حکم نہ دے وہ مسلمانوں کو ایسا حکم دے سکتا ہے کہ گویا ان کا مقابلہ اہل کفر سے ہے اس بارے میں پوری تفصیل ہماری کتاب سیرت اصحاب النبی ۲ میں مذکور ہے۔

گرفتاری

۱۴۶ھ میں ابراہیم شہید ہو گئے۔ ان کے قتل کے بعد منصور ان لوگوں کیطرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا اس لئے منصور نے بغداد پہونچ کر امام ابو حنیفہ کو طلب کیا، اور ان کو قتل کرنے یا قید کرنے کا یہ بہانہ تلاش کیا کہ آپ کے سامنے عہدۂ قضا پیش کیا آپ نے انکار کر دیا۔ منصور نے امام صاحب کو گرفتار تو کر لیا اور جیل خانہ میں بھی ڈال دیا لیکن چونکہ امام صاحب کوئی معمولی شخصیت کے مالک تو نہ تھے اس لئے شہرت ہو گئی اور لوگ اسی حالت میں استفادہ کرنے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ اور جیل خانہ ہی حلقہ درس بن گیا۔ اسی حالت میں امام محمد نے بھی امام صاحب سے استفادہ کیا غرضکہ تقریباً چار سال امام صاحب کو نظر بند رہنا پڑا یعنی ۱۴۶ھ لغایت ۱۵۰ھ

وفات

امام صاحب کی وفات جس دن ہوئی وہ دن جمعہ کا، مہینہ شوال کا اور ۱۵۰ھ تھا خلیفہ کو آپ کی طرف سے اندیشہ تھا کیونکہ آپ کی مقبولیت قید کی حالت میں اور بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لئے دھوکہ میں آپ کو زہر دیدیا گیا جس وقت آپ کو علم ہوا تو سجدۂ شکر ادا کیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون

علامہ ابو زہرہ مصری نے تحریر فرمایا ہے کہ جس وقت امام صاحب کی خدمت میں زہر کا پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا [۲]

لا اشرب لانی اعلم ما فیہ	میں نہیں پیوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں
ولا اعین علیٰ قتل نفسی	اس میں جو کچھ ہے اور میں اپنی ہلاکت
نطرحہ وصبنی فیہ [۲]	پر اعانت نہیں کرونگا لہذا آپ کو

---

[۱] سیرۃ النعمان ص ۳۴ [۲] ابو زہرہ

گرایا گیا اور زہر کا پیالہ آپ کے منہ میں انڈیل دیا گیا[۱]

یہ روایت اپنے سیاق و سباق اور معنی کے اعتبار سے بالکل غلط ہے اسی طرح کوڑے والی روایت بھی بالکل غلط ہے، کیونکہ ان دونوں روایتوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ امام صاحب کی کوئی پوزیشن ہی نہ تھی حالانکہ امام صاحب کے گرد تلامذہ اور عقیدتمندوں کا وہی ہجوم رہتا تھا جو جیل سے باہر تھا آپ صرف نظر بند تھے اور اس روایت سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا تھے اور آپ کے ساتھ دست درازی کی گئی حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے کیونکہ عقیدتمندوں کا اس قدر ہجوم ہو اور آپ کے ساتھ زبردستی کی جائے ناممکنات میں سے ہے اسی طرح کوڑوں والی روایت بھی ابن ہبیرہ کے متعلق ہے نہ کہ خلیفہ منصور کے متعلق۔

صلوٰۃ جنازہ اور تدفین

امام صاحب کے انتقال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا شہر امنڈ آیا حسن بن عمارہ (جو آپ کے استاد بھی ہوتے تھے) قاضی شہر نے آپ کو غسل دیا۔ غسل کے وقت حسن بن عمارہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے تیس سال سے افطار نہیں کیا اور نہ چالیس سال سے رات کو آرام کیا، آپ ہم سب میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ عابد، سب سے زیادہ پرہیزگار تھے[۲]

غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی بہت زیادہ کثرت ہو گئی تھی، پہلی نماز (جو حسن بن عمارہ نے پڑھائی تھی) میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے آپ کے جنازہ کی نماز چھ مرتبہ ہوئی اور دفن کے بعد ۲۰ دن تک آپ کی قبر پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ خلیفہ منصور نے بھی آپ کی صلوٰۃ جنازہ قبر پر ہی جاکر پڑھی امام صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر شریف خیزران کے مقبرے میں

---

[۱] ت الحسان ص ۶۲ [۲] سیرت النعمان

بنائی گئی آپ کے خیال میں وہی جگہ ایسی تھی جو مغصوبہ نہیں تھی امام صاحب کے انتقال کے بعد تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔

امام صاحب کا مقبرہ

۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر شرف الملک ابو سعد نے قبہ تعمیر کرایا، اور اسی کے قریب ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا اسوقت ابو جعفر مسعود بن ابی الحسن عباسی بھی موجود تھا جس نے یہ اشعار پڑھے

(۱) دیکھتے نہیں ہو علم مرچکا تھا لیکن اسکو اس قبر میں پوشیدہ ہستی نے زندہ کیا

(۲) اسی طرح یہ زمین بھی مرچکی تھی اس کو ابو سعد نے زندہ کیا[1]

جب اسمٰعیل بادشاہ بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس قبہ اور مدرسہ کو بالکل مسمار کر دیا تھا اور اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ یہی معاملہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے مقبرے کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ان اشرار سے بغداد کو بہت جلد پاک و صاف کر دیا۔

۹۴۱ھ میں سلطان سلیم بن سلیم نے ازسرِنو دونوں مزاروں پر قبے تعمیر کرائے جو کہ اب تک باقی ہیں۔ امام صاحب کی قبر شریف دیکھ کر کسی عربی شاعر نے چند اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ پیش ہے

۱۔ امام صاحب کی قبر جنت الخلد کا ایک باغیچہ ہے

۲۔ اس جگہ بہت زیادہ شرافتیں ملتی ہیں۔

۳۔ اللہ تعالےٰ ان پر رحمت نازل فرمائے جب تک ستارے منور ہیں[2]

---

[1] مناقب کردری ص۲۳ ج ۲ [2] کردری ص۳۳ ج ۲

سلامِ عقیدت

گلِ حدیقۂ بوبکرؓ شمعِ بزمِ علیؓ — چراغِ انجمنِ مصطفےٰؐ سلام علیک
امیرِ حلقۂ خدام کعبۂ یزداں — امیرِ عسکرِ دینِ خدا سلام علیک

بہ اوجِ عشقِ تو روحِ بلالؓ می نازد
حبیبِ قلبِ رسولِ خدا سلام علیک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سوم

بشارات

اور

خراجِ عقیدت

معہ

اعتراضات وجوابات

مآخذ و حوالہ جات

۱- ردالمحتار — از علامہ ابن عابدین
۲- حدائق الحنفیہ — از مولانا فقیر محمد صاحب
۳- مناقب — از علامہ کردری
۴- تذکرۃ الاولیاء — از شیخ فریدالدین عطار
۵- بخاری شریف — از امام بخاری
۶- مسلم شریف — از امام مسلم
۷- اوشحۃ الجید — از علامہ شوق نیموی
۸- جمع الفوائد — از علامہ ابن اثیر
۹- مناقب — از علامہ موفق
۱۰- معانی الاخبار — از امام ابوبکر
۱۱- تابعین — از شاہ معین الدین صاحب اعظمی
۱۲- مکتوبات — از حضرت مجدد الف ثانی
۱۳- فیوض الحرمین — از شاہ ولی اللہ محدث دہلی رح
۱۴- الخیرات الحسان — از علامہ ابن حجر مکی۔
۱۵- الیواقیت والجواہر — از امام شعرانی
۱۶- احیاء العلوم — از امام غزالی
۱۷- فقہ اکبر — از ابویوسف بخاری
۱۸- عمدۃ الرعایہ — از مولانا عبدالحی صاحب
۱۹- اوجز المسالک — از شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب
۲۰- میزان الاعتدال — از علامہ ذہبی
۲۱- البنایہ شرح ہدایہ — از علامہ عینی
۲۲- المحکم — از علامہ ابوعمر دمشقی
۲۳- غنیۃ الطالبین — از شیخ عبدالقادر جیلانی
۲۴- ابوحنیفہ — از ابوزہرہ مصری
۲۵ الجواہر المضیہ — از علامہ ابن ابی الوفا۔

بشارات

(۱) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اگر دین ثریا ستارے کے قریب بھی ہوگا تو اس کو وہاں سے فارسیوں کا ایک آدمی حاصل کرلے گا۔
یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے بعض میں دین، بعض میں ایمان بعض میں علم کا لفظ ہے اور اس کو بخاری، مسلم، شیرازی، طبرانی نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے قدر مشترک حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں ہے بخاری ومسلم کی تخریج کے بعد تو تنقید کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کی فضیلت اور بشارت میں اصل صحیح ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف کے تلمیذ جناب حافظ محمد یوسف دمشقی نے مواہب کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

وماجزم بہ شیخنا من ان	ہمارے شیخ نے یقین کے ساتھ
اباحنیفۃ ھوالمراد من	کہا ہے کہ اس حدیث میں امام
ھذاالحدیث [۱]	ابوحنیفہ مراد ہیں۔

علامہ ابن العابدین الشامی نے رد المحتار میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے اس میں شک نہیں ہے کہ ابنائے فارس میں امام ابوحنیفہ کے مبلغ علم کو کوئی نہیں پہنچا لہٰذا یہ حدیث قطعاً امام صاحب پر محمول ہے[۲]۔ اسی قسم کے الفاظ ملا علی قاری نے مرقاۃ کے مقدمہ میں ذکر فرمائے ہیں۔ مولانا خرم علی صاحب نے نیل الاوطار میں بھی اسی قسم کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ ممکن ہے بعض کو یہ خیال ہو کہ اس سے تو امام ابوحنیفہ کی حضرت سلمان فارسی پر فوقیت اور فضیلت ثابت ہوگئی لیکن گذارش یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی کو فضیلت صحبت حاصل ہے اور یہ ایسی فضیلت ہے جسکو قیامت

---

[۱] رد المحتار ص ۲۹ ج ۱ [۲] ایضاً

تک امت کا کوئی فرد نہیں پا سکتا تمام فضیلتیں اس فضیلت کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتیں، لیکن علم و اجتہاد میں امام صاحب ہی فوقیت رکھتے ہیں[1] اور جزوی فضیلت حاصل ہونا کوئی امر غیر مشروع بھی نہیں ہے کہ جس کی بناء پر اعتراض قائم کیا جائے۔

(۲) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ نے خواب دیکھا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کے مرقد شریف کو کھود ڈالا ہے اور میں آپ کے عظام مطاہرہ کو جمع کر رہا ہوں۔ یہ خواب آپ نے ابن سیرین سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا یہ خواب ابوحنیفہ نے دیکھا ہوگا؟ امام صاحب نے فرمایا میں ابوحنیفہ ہی ہوں تب ابن سیرین نے کہا اچھا اپنی پشت اور پہلوئے چپ دکھلاؤ امام صاحب نے اپنا پہلو اور کمر کھول دی۔ امام ابن سیرین نے آپکے بازو اور پشت پر ایک تل دیکھ کر فرمایا آپ ابوحنیفہ ہی ہیں، اور اس کے بعد خواب کی تعبیر بیان فرمائی کہ اس سے مراد علم کا زندہ کرنا اور جمع کرنا ہے[1]

(۳) ایک دفعہ امام صاحب امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے فرمایا

اَنْتَ تُحْيِ سُنَّتَ جَدِّی[2] آپ میرے جد محترم کی سنت کو زندہ کرینگے

امام باقر نے اگرچہ یہ اپنی فراست سے فرمایا تھا، لیکن یہ بات حرفاً حرفاً صحیح ثابت ہوئی۔

امام صاحب کے مناقب میں اسی قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں جن کو ہم نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی افسوس ہے کہ امام صاحب کے مادحین اور عقیدت مندوں نے نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور باطل و موضوع روایات تک سے گریز نہیں کیا غالباً اسی میں انہوں نے امام صاحب کی فضیلت کو منحصر سمجھا ہے، حالانکہ ایسا

---

[1] حدائق ص۱۹ [2] کردری ص۱۲ ج۱

نہیں ہے امام صاحب کو فوقیت اور فضیلت ان کے علمی اور عملی کمالات کی وجہ سے حاصل ہے۔ اگر اس قسم کے سب ہی اقوال آپ کی سیرت اور سوانح سے جدا کر لئے جائیں تب بھی آپ کے مقام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بعد وفات ابی حنیفہؒ

امام صاحب کے انتقال کے بعد جو رویائے صالحہ مختلف حضرات نے دیکھیں ان کو اس جگہ ذکر کیا جا رہا ہے

۱۔ قاضی ابو رجار کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا مغفرت فرمادی۔ امام ابویوسف کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا وہ تو اعلےٰ علیین میں ہیں [۱]

۲۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا، اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بخش دیا [۲]

۳۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں، ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں حضرات صحابہؓ کے بیچ میں ہیں مجھے دیکھ کر فرمایا، کاغذ اور دوات لاؤ میں اپنے جنتی اصحاب کے نام لکھ لوں۔ میں نے عرض کیا میرا نام بھی لکھ لیجیے، تو امام صاحب نے میرا نام بھی لکھ لیا [۳]

۴۔ ابو معاذ فضل بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا۔ امام ابوحنیفہ کے علم کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ ایسا علم ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت رہے گی [۴]

۵۔ مقاتل بن سلیمان (مشہور مفسر) فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی سفید لباس پہنے آسمان سے اترا اور بغداد کے منارے پر کھڑا ہوا، وہ

---

[۱] کردری ص ۱۱۲ ج ۲ [۲] ایضاً ص ۱۱۲ [۳] ایضاً [۴] ایضاً

مرتبہ بآواز بلند کہا فقد الناس یعنی لوگ تباہ ہو گئے۔ اسی صبح کو امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔[۱]

۶۔ ابن بسطام کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور امام صاحب جھنڈا لئے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا حضرت کس کا انتظار ہے؟ فرمایا اپنے اصحاب کا انتظار کر رہا ہوں[۲]

۷۔ امام شافعی فرماتے ہیں میں نے جب کبھی بھی امام صاحب کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا[۳]

۸۔ علامہ ابن حجر مکی نے فرمایا ہے۔ امام صاحب نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ میں ابوحنیفہ کے پاس ہوں۔

۹۔ علامہ موصوف نے الخیرات الحسان میں فرمایا ہے کہ امام صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آب کوثر پیا اور اپنے اصحاب کو بھی پلایا

۱۰۔ صاحب تذکرۃ الاولیاء نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے:

شیخ بوعلی کہتے ہیں کہ میں شام میں حضرت بلال رض کی قبر شریف کے قریب سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور دیکھا کہ حضور صلعم باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور ایک بوڑھے کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں حضور صلعم کے پاس گیا اور ان کے پیروں کو بوسہ دیا اور دریافت کیا کہ یہ بوڑھے کون ہیں؟ تو حضور صلعم نے فرمایا یہ مسلمانوں کے امام اور تیرے ہم وطن ابوحنیفہ ہیں[۴]

بحث و نظر ان چند رویائے صالحہ اور مکشوفات کو ہم نے اختصار کی وجہ سے ذکر کیا ہے ورنہ یہاں بھی میدان بہت وسیع ہے اس جگہ ممکن ہے کوئی ہمیں عقیدت مندی کے جرم میں گرفتار کر لے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ شرعی روشنی میں گفتگو کی جائے تاکہ بات محض عقیدت ہی نہ رہے بلکہ عقیدت شریعت کے لباس میں آجائے جناب رسول اللہ صلعم

---

[۱] کردری [۲] ایضاً [۳] ایضاً ج ۱ [۴] تذکرۃ الاولیاء

نے ارشاد فرمایا ہے :۔

من رأنی فی المنام فقد رأنی — جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے
فان الشیطان لا یتمثل بی[1] — مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان
میری صورت میں نہیں آسکتا

یعنی جس کسی شخص نے آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا خواہ کسی بھی صورت اور حلیہ میں دیکھا بس اس نے حضور صلعم ہی کو دیکھا ہے کیونکہ دیکھنے والے کے فرق سے شئ مرئی میں فرق نہیں ہوتا اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی مختلف الالوان عینکوں کو استعمال کرے تو اس کے اعتبار سے شئے کی رنگت بدلی ہوئی نظر آئے گی، حالانکہ فی نفسہ وہ شے اپنی حالت اصلیہ پر رہتی ہے ایسے ہی دور بینی آئینوں میں اشیاء کی جسامت میں فرق محسوس ہوتا ہے حالانکہ وہ اشیاء اپنی اسی جسامت پر ہوتی ہیں جو ان کی جسامت اصلیہ ہے اس تمہید کے بعد عرض کرتا ہوں۔ مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں :۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ خواب میں جس صورت میں بھی حضور صلعم کو دیکھا اس نے حقیقۃً آپ ہی کو دیکھا ہے علامہ مازری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[2]

علامہ طیبی نے کاشف عن حقائق السنن میں ذکر کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے جس طرح شیطان کو عالم بیداری میں آپ کے تشکل کی طاقت نہیں دی تاکہ حق و باطل میں فرق رہے اور احکام رحمانی میں وسوسہ شیطانی کا شبہ واقع نہ ہوسکے اسی طرح خواب میں بھی لوگوں کو شیطان کے کید سے محفوظ رکھا کہ ابلیس لعین خواب میں بھی آپ کی صورت میں نہیں آسکتا۔[3]

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔

---

[1] بخاری و مسلم باب رویائے صالحہ [2] شرح مسلم ص ۲۲۳ [3] اوشعۃ الجید ص ۳۶

والصحیح انہا حقیقۃ سواء	صحیح یہی ہے کہ دیکھنے والے نے
کان علیٰ صفۃ المعروفۃ	آپ ہی کو دیکھا ہے خواہ صفت معروفہ
او غیرھا	پر دیکھا ہو یا غیر معروفہ پر

علامہ ابن رجب تلمیذ رشید ابن القیم جوزی نے حافظ ابن مندہ کے تذکرے میں لکھا ہے

فما قالہ رسول اللہ صلعم	رسول اللہ صلعم نے خواب یا بیداری
فی نومہ ویقظتہ فہو حق[۱]	میں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔

لہذا مذکورہ بالا رویائے صالحہ ایک شرعی حقیقت ہیں جن کو محض عقیدت کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ اسکے علاوہ رویائے صالحہ کے متعلق ایک حدیث اور ہے

الرؤیاء الصالحۃ جزء من ستۃ	رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں
واربعین جزءاً من النبوۃ[۲]	حصہ ہے

بعض روایات میں سترواں حصہ قرار دیا ہے اور بعض میں چالیسواں اور بعض میں اونچاسواں[۴۹]۔ ایک روایت میں پچاسواں، اور ایک روایت میں چھبیسواں حصہ بتلایا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لہم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے۔

ھی الرویۃ الصالحۃ یراھا	اس سے مراد رویائے صالحہ ہیں جسکو مومن
المومن او تری لہ[۳]	خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی اور دیکھے

فنی اعتبار سے اس جگہ دو اعتراض ہو سکتے ہیں ۱۔ یہ احادیث مرسل ہیں۔ ۲۔ خوابوں سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مراسیل ہمارے اور اکثر محدثین کے نزدیک قابل استدلال ہیں۔ دوسرے یہ کہ خوابوں سے استنباط احکام تو نہیں کیا جا سکتا، اور نہ وہ عمل کے لئے حجت یا سند بن سکتے ہیں لیکن کسی شخص کے فضائل اور بزرگی کیلئے اظہار کرنا اس میں مضائقہ نہیں ہے اس جگہ امام صاحب کی فضیلت اور بزرگی ہی کو ظاہر کیا جا رہا ہے جسکی تائید احادیث سے بھی ہو رہی ہے

۱۔ ذیل طبقات الحنابلہ ۲۔ مسلم شریف ۳۔ جمع الفوائد باب الرویاء

خراج عقیدت

باتفاق علمائے امت امام اعظم ابو حنیفہ اجلائے تابعین میں سے ہیں اور تابعین کرام کے متعلق حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

والذین اتبعوھم باحسان	جنہوں نے حضرات صحابہ رض کی نیکیوں
رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ و	میں اتباع کی اللہ ان سے راضی ہے
اعد لھم جنٰت تجری من	اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور انکے لئے
تحتھا الانھر خالدین	جنت تیار کیگئی جسکے نیچے نہریں بہہ رہی
فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم	ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہینگے (اور) یہ
	بہت بڑی کامیابی ہے

یہ فضیلت امام صاحب کو منجانب اللہ عطا ہوئی۔ اس میں نہ ان کے کسب کو دخل اور نہ کسی دوسرے کا احسان۔ اور اس خصوصیت (تابعیت) میں بھی آپ کو وہ امتیاز حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے [۱]

اس جگہ ہمیں اپنے موضوع کے تحت چند اکابر امت کی امام صاحب کے متعلق رائے یا ان کا خراج عقیدت پیش کرنا ہے۔ میدان یہاں بھی بہت وسیع ہے اس لئے انتخاب اور اختصار سے کام لے رہا ہوں۔

ا۔ یحییٰ بن سعید القطان آپ فن رجال کے امام ہیں۔ امام احمد بن حنبل علی بن المدینی آپکے درس حدیث کے حلقہ

[۱] شاہ معین الدین صاحب اڈیٹر معارف اعظم گڈھ نے اپنی تالیف "تابعین" میں امام صاحب کا ذکر نہیں کیا موصوف نے مقدمہ میں ارشاد فرمایا ہے "اس لحاظ سے ان بیشمار تابعین کو اس کتاب سے خارج کر دیا گیا ہے جن کی زندگی میں ہمارے لئے کوئی نمونہ نہیں ہے" الخ ص۔ اور غالباً امام صاحب کی زندگی میں موصوف کو کوئی نمونہ نہیں ملا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ✤ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

میں عصر تا مغرب کھڑے ہوکر احادیث کی تحقیق کیا کرتے تھے آپ امام صاحب کے تلمیذ ہیں۔ اس پر آپ فخر کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

واللہ خدا گواہ ہے ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو صائب الرائے نہیں دیکھا ہم نے اکثر ان کے اقوال اخذ کئے ہیں واللہ ہم امام صاحب کی مجلس میں شریک رہے ہیں میں نے جب بھی ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو یقین ہو گیا وہ اللہ تعالےٰ کے خوف اور خشیت سے پوری طرح متصف ہیں[1]۔ خدائے بزرگ کی قسم امام ابوحنیفہ اس امت میں قرآن وحدیث کے سب سے بڑے عالم تھے[2]

۲- محدث ابن داؤد

مشہور محدث ہیں فرماتے ہیں:۔

اہل اسلام پر نماز میں امام ابوحنیفہ کے لئے دعا کرنی لازم ہے، کیونکہ انہوں نے دوسروں کے لئے سنن و آثار کو محفوظ کر دیا۔ جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اسکے لئے سفیان ہیں اور اگر کوئی انکی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو ابوحنیفہ ہیں[3]

۳- مکی بن ابراہیم

آپ امام بخاری کے استاذ ہیں فرماتے ہیں

امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم زاہد تھے۔ میں کوفہ کے علماء کی مجلس میں بیٹھا ہوں۔ میں نے انہیں سے کسی کو امام صاحب سے زیادہ متورع نہیں پایا۔

۴- امام احمد بن حنبل

آپ صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں حدیث میں مقام رفیع کے مالک ہیں آپ کی جرح و تعدیل پر سب کا اتفاق ہے فرماتے ہیں:۔

امام ابوحنیفہ زہد تقوی اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہونچ سکا

---

[1] موفق ص۱۹۱ ج ا [2] کتاب التعلیم انوار الباری [3] حدائق الحنفیہ [4] موفق ص۲۱۳ ج ۱۔

۵۔ امام شعرانی

ایک بڑے محدث اور اپنے وقت کے امام ہیں، فرماتے ہیں :-

ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ ہم ایسے امام اعظم پر اعتراض کریں کہ جنکی جلالت قدر، علم وورع پر سب کا اتفاق ہے۔ امام صاحب پر کسی طرح بھی اعتراض مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ائمہ متبوعین میں سب سے بڑے مرتبے کے ہیں ان کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف زیادہ قریب ہے [۱]

۶۔ حفص بن عبدالرحمٰن

آپ امام نسائی اور ابوداؤد کے استاذ ہیں فرماتے ہیں :-

میں ہر قسم کے علماء، فقہاء اور زاہدوں کے پاس بیٹھا، لیکن ان میں سب اوصاف کو جامع امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی کو نہیں پایا [۲]

۷۔ عبداللہ بن مبارک

آپ امیر المومنین فی الحدیث اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ بخاری ومسلم میں آپ کی سند سے سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ امام بخاری نے آپکے متعلق اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا ہے۔ ابن مبارک اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں فرماتے ہیں

۱۔ وہ شخص محروم ہے جس کو امام ابوحنیفہ کے علم سے حصہ نہیں ملا۔

۲۔ خدا اس شخص کا برا کرے جو ہمارے شیخ ابوحنیفہ کا ذکر برائی سے کرے اگر امام صاحب تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے تو وہ بھی سب انکا اتباع کرتے

۳۔ اگر میں امام صاحب سے ملاقات نہ کرتا تو میں بھی حدیث کے فقالوں کی طرح ہوتا

۴۔ اگر مجھے افراط کلام کا الزام نہ دیا جائے تو میں امام ابوحنیفہ پر کسی کو ترجیح نہ دونگا۔ [۳]

---

[۱] حدائق الحنفیہ ص۹۹ ج۱ [۲] موفق ص۳۰ ج۱ [۳] ایضاً

۸۔ امام ابو یوسف

آپ امام ابو حنیفہ کے تلمیذ اکبر اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ ہیں فرماتے ہیں :۔

۱۔ میری آرزو ہے کہ مجھے جمال ابن ابی لیلے کا اور زہد مسعر بن کدام کا اور فقہ امام ابو حنیفہ کا مل جائے۔

۲۔ رائے تو امام ابو حنیفہ کی ہے ہم تو ان کی عیال ہیں

۳۔ امام ابو حنیفہ کے علم پر سب کو اتفاق ہے اور ہماری مثال تو ان کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسی نہر فرات کے مقابلے میں چھوٹے نالے کی ۱؎

۹۔ سفیان بن عیینہ

آپ مشہور محدث، امام بخاری، امام حمیدی کے استاذ ہیں اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں

دو چیزیں ایسی تھیں کہ ابتدا میں جن کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ کوفہ کے پل سے آگے نہ بڑھ سکیں گی۔ حمزہ کی قرأت اور امام ابو حنیفہ کا فقہ مگر یہ دونوں آفاق میں پہونچ چکی ہیں ۲؎

۱۰۔ امام مالک

صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں ان کی موطا، بخاری شریف سے پہلے اصح الکتب شمار ہوتی تھی۔ امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

۱۔ امام ابو حنیفہ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں۔

۲۔ ایک دفعہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ میں علمی مذاکرہ ہوا جب امام مالک مجلس سے اٹھے تو اپنے تلامذہ سے فرمایا امام ابو حنیفہ کو کیا سمجھے ہو وہ تو بڑے فقیہ ہیں

امام مالک صاحب ہر سال جب موسم حج آتا تو امام ابو حنیفہ کی مدینہ منورہ میں آمد کا انتظار کیا کرتے تھے۔ جب امام صاحب پہونچتے تو ہمیشہ ان کے پیچھے پیچھے

۱؎ موفق صـ۱۲ ج ۲۔ ۲؎ انوار الباری صـ۱۰۳ ج ۱

ـرتے تھے [۱]

۱- امام شافعی صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں اور امام ابویوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں :-

۱- سب کے سب فقہ میں امام ابوحنیفہ کی عیال ہیں

۲- جو شخص امام ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ عالم متبحر نہیں ہوسکتا [۲]

مسعر بن کدام محدثین میں نہایت اونچے مقام کے مالک ہیں صحاح ستہ میں آپ کی سند سے روایات موجود ہیں امام ـہ اور امام سفیان ثوری آپکو میزانِ عدل کہا کرتے تھے امام صاحب کے ـلق ارشاد فرماتے ہیں :-

جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام صاحب کو وسیلہ بنائیگا اوران کے مذہب پر چلے گا میں امید کرتا ہوں اس کو خوف نہ ہوگا [۳]

۱۰- یحیی ابن معین جرح اور تعدیل کے مشہور امام ہیں امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں :-

قرأۃ تو امام حمزہ کی ہے اور فقہ امام ابوحنیفہ کا ہے اور اس پر میں نے تمام انسانوں کا اتفاق پایا ہے۔

۱۱- امام مزنی آپ امام شافعی کے شاگرد رشید ہیں فرماتے ہیں :-

علم کے چار حصوں میں سے تین حصے تو علماء نے امام ابوحنیفہ کے لئے خاص کئے ہیں اور ایک حصہ باقی تمام علماء کے لئے رکھا ہے

۱۲- امام ابن تیمیہ آج کل تو امام ابن تیمیہ کو عالم اسلام میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج تعارف نہیں ہندوستان اور ـرون ہندوستان میں انکو شیخ الاسلام کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے ابتدا ـں امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے لیکن تیزیٔ طبع کی وجہ سے انکی تقلید کے قلادے کو

---

[۱] انوار الباری ص۲۰۰ ج۱ [۲] ایضاً [۳] حدائق ص۲

گردن سے اتار دیا اور آزاد روش اختیار کی۔ اس آزادیٔ طبع کی بنا پر آپ
یہ ہندوستان، پاکستان اور خصوصاً مصر میں بہت مقبول نظر آتے ہیں
صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

امام ابوحنیفہ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے لیکن ان کی فہم اور
فقہ میں کوئی شک نہیں کرسکتا کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے انکی
طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں [۱]

۱۶۔ مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی ہزارہ دوم کے مجدد فرماتے ہیں:
بانی فقہ ابوحنیفہ است وسہ حصہ از فقہ او را مسلم
داشتہ اند ودر ربع باقی ہمہ شرکت دارند۔ در فقہ خانہ اوست دیگراں
ہمہ عیال وے [۲]

۱۷۔ شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کی شخصیت محتاج تعارف
نہیں آج یوروپ اور امریکہ بھی ان کے علوم
معارف کا لوہا مان رہا ہے فرماتے ہیں:۔

مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ
ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون اور منقح
کیا گیا ہے بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانے میں [۳]

امام صاحب کے تذکرے اور سیرت کی مناسبت سے اس عنوان کے تحت
صرف ان ہی اقوال کے اوپر اکتفا کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم
تمام اقوال کو جمع کیا جائے تو اس کے لئے مستقل ایک کتاب کو ترتیب دینا
یہ آرا حقیقت ہیں یا عقیدت جو کچھ بھی ہیں اس حدیث کی روشنی میں امام
کے فضل و کمال پر ایک مستقل سند ہیں

من اثنیتم علیہ خیرا وجبت — جس کی تم تعریف کرو اس کے لئے جنت

۱۔ حدائق [۲] مکتوب ۵۵ ج ۲ [۳] فیوض الحرمین مشاہدہ

له الجنة ومن اثنيتم عليه	واجب ہو جاتی ہے اور جس کی برائی
شرا وجبت له النار انتم	کرو اس کے لئے دوزخ، تم تو زمین
شهداء الله في الارض[۱]	میں اللہ کے گواہ ہو

اعتراضات اور جوابات

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی ۔ یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بے عیب ذات اللہ کی ہے رہا انسانوں کا معاملہ، وہ تو خطا و نسیان سے مرکب ہیں لہذا امام ابو حنیفہ بھی اس خاصہ بشریہ سے پاک نہیں، اجتہاد میں ان سے بھی خطا ہوئیں چنانچہ آج ان کے مرجوحات موجود ہیں. بایں ہمہ امام صاحب کا جو مقام ہے وہ ایک مقام رفیع ہے اس میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے؟ ان کا علم، فقہ، زہد، تقویٰ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہبی تحزب و تعصب اور معاصرت نے جو غضب ڈھایا ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔

امام صاحب پر اس زمانہ میں بھی تنقیدیں ہوئیں اور اب بھی چھوٹا منہ بڑی بات کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں جس کے متعلق گذشتہ سطور میں علامہ ابن تیمیہ کا مقولہ نقل کیا جا چکا ہے۔ اس جگہ ہم ان ہی چند اعتراضات بے بنیاد کو ذکر کر رہے ہیں

قراۃ شاذہ ایک شخص محمد بن جعفر خزاعی ہے جس نے قراۃ شاذہ میں ایک رسالہ مرتب کیا اور ان تمام قراتوں کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دیا اسکی وجہ سے بعض مفسرین کو دھوکہ ہوا۔ اس رسالہ کے متعلق علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں تحریر فرمایا ہے:۔

---

[۱] جمع الفوائد کتاب الجنائز

وقد صرح جماعة منهم الدارقطني بان هذا الكتاب موضوع لا اصل له وابوحنيفة برئ منه [1]	ایک جماعت نے جن میں سے دارقطنی بھی ہیں تصریح کی ہے کہ یہ کتاب موضوع ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے امام صاحب اس سے بری ہیں

امام صاحب کی تکفیر

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام صاحب رحمہ اللہ کی تکفیر میں ایک رسالہ لکھا اور اس کو علامہ مجدالدین فیروز آبادی (صاحب قاموس) کی طرف منسوب کر دیا جب وہ رسالہ ابوبکر یمنی کی نظر سے گذرا تو انہوں نے علامہ فیروز آبادی کو ایک ملامت آمیز مکتوب لکھا۔ علامہ فیروز آبادی نے جواب دیا کہ یہ میرے دشمنوں کا افترا ہے یہ تحریر ہرگز میری نہیں ہے میں تو امام صاحب کا معتقد ہوں میں نے ان کے مناقب میں ایک رسالہ لکھا ہے آپ اس جعلی رسالہ کو نذر آتش کر دیں [2]

کتاب منخول کی حقیقت

حضرات اہل حدیث اس کتاب کو امام غزالی کی کتاب بتلاتے ہیں۔ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ پر کچھ اعتراضات ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان میں اس کتاب کے بارے میں تحریر فرمایا ہے

> اس کتاب کے مصنف حقیقت میں امام غزالی نہیں ہیں کیونکہ احیاء العلوم میں امام صاحب کے علو کمال کی انہوں نے بڑی تعریف کی ہے نیز میری نظر سے جو نسخہ گذرا ہے اس کتاب پر یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب محمود کی تصنیف ہے۔ اور یہ محمود حجۃ الاسلام نہیں ہے اسی کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ شخص معتزلی ہے اور اس کا نام محمود غزالی ہے اور حجۃ الاسلام نہیں ہے۔ [3]

---

[1] الخیرات الحسان [2] الیواقیت والجواہر [3] الخیرات الحسان

کجا حجۃ الاسلام محمد غزالی صاحب احیاء العلوم اور کجا محمود غزالی معتزلی! لیکن معترض کو اس تحقیق میں جانے کی کیا ضرورت؟ اس کو تو اعتراض سے کام۔ امام غزالی نے تو امام صاحب کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:۔

امام ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ	امام ابوحنیفہ عابد، زاہد، عارف باللہ
علیہ کان ایضاً عابداً زاھداً	اللہ تعالیٰ سے خوف کرنیوالے اور اپنے
عارفا باللہ خائفا منہ	علم کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے طالب
مریدا وجہ اللہ بعلمہٖ[1]	تھے۔

ایمان والدین رسول اللہ صلعم

فقہ اکبر میں امام صاحب کیطرف منسوب کیا ہے کہ امام صاحب نے والدین رسول اللہ صلعم کے بارے میں فرمایا ہے "ماتا علی الکفر" وہ کفر پر مرے ہیں اور اسی کتاب سے نقل کر کے متعدد علمائے کرام نے بھی اس مسئلہ کو امام صاحب کیطرف منسوب کردیا ہے حالانکہ یہ امام صاحب پر تہمت ہے، ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہے۔ علامہ شامی، علامہ ابن نجیم، علامہ کردری وغیرہ نے برایت صحیح یہی نقل کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فقہ اکبر دو ہیں۔ ایک کے مصنف ابو یوسف بخاری الملقب بابی حنیفہ، اور دوسرے کے مصنف امام صاحب ہیں۔ اس کے راوی ابو مطیع بلخی ہیں۔ ابو یوسف بخاری کی کتاب فقہ اکبر میں یہی ہے لیکن امام صاحب کی اصل کتاب فقہ اکبر میں یہ مسئلہ موجود نہیں ہے لہٰذا علماء کو نام کے اشتراک سے دھوکہ ہوا اور انہوں نے آسانی سے اس مسئلہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کردیا ہم اس سلسلہ میں تفصیلی کلام آئندہ صفحات میں کرینگے

ان چیزوں سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ امام صاحب پر اعتراضات قائم کرنے میں لوگوں نے تحقیق و تدبر سے کام نہیں لیا بلکہ سرسری طور پر کسی چیز کو سنا یا پڑھا اور امام صاحب کیطرف منسوب کردیا۔ ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ امام صاحب اشتباہ

---

[1] احیاء العلوم ۲۵ ادھجہ

اسمی کی وجہ سے بھی اعتراضات کا نشانہ بنے ہیں۔ کیونکہ ایک شخص جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہے اور ہوا ہے وہ پہلے مالکی تھا پھر امامیہ ہوگیا لوگوں نے اس مشارکت اسمی سے فائدہ اٹھایا اور طعن کرنا شروع کر دیا [1]

فضیلت علی رض تمام اہل سنت والجماعت اور تمام حضرات صحابہ رض کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ خلفاء راشدین کی فضیلت بترتیب خلافت مانتے ہیں اور اسی پر اجماع ہے یعنی صحابہ رض میں سب سے افضل حضرت ابوبکر رض، پھر حضرت عمر رض، پھر حضرت عثمان رض پھر حضرت علی رض ہیں امام صاحب سے بھی یہی منقول ہے اور یہی امام صاحب کا مسلک ہے لیکن بعض قرائن اور بعض عبارتوں کی وجہ سے ابوزہرہ مصری نے یہ لکھدیا ہے

من فضل الشیخین واحب	جس نے شیخین کو فضیلت دی
الختنین -	اور دونوں دامادوں سے محبت کی

ہمارے تبصرہ نگار کو اس سے شبہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ رض کا رجحان فضیلت علی رض نہیں تھا جو دیگر حضرات کا ہے لیکن بات یہ ہے کہ عبارت پر غور نہیں کیا گیا اس عبارت سے حضرت علی رض کی حضرت عثمان رض پر فضیلت ثابت نہیں ہے

ایک حدیث امام ابوبکر محمد بن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رض نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ کو فاطمہ رض سے زیادہ محبت ہے یا مجھ سے؟ آپ نے فرمایا فاطمہ رض مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ امام موصوف نے بیان فرمایا ہے کہ محبت محب کی صفت ہے اور عزیز حضرت علی رض کی صفت ہے اور محب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے حضور جس صفت سے متصف ہیں وہ اعلیٰ ہے اور حضرت علی جس صفت سے متصف ہیں وہ حضور رض کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے [2] (معانی الاخبار)

یہی مطلب مذکورہ عبارت کا ہے اس میں دوسروں کو کہا گیا ہے کہ وہ حضرت

---

[1] حدائق حنفیہ [2] تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب مذہب مختار باب فضیلت صحابہ

عثمان رضؓ سے بھی محبت کریں اور حضرت علی رضؓ سے بھی محبت کریں عبارت میں حضرت علی رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ پر فضیلت نہیں دیگئی ان حضرات کی فضیلت دوسروں یعنی اللہ اور اس کے رسول کی عطا ہے جسمیں کسی کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہے
اس کے بعد ان چند معرکۃ الآرا اعتراضات کو بھی ذکر کیا جا رہا ہے جن کے قائلین کو اپنے دلائل پر بڑا اعتماد ہے خصوصاً حضرات اہل حدیث کے نزدیک تو یہ مسائل اور اعتراضات سرمایہ حیات اور ان کے زعم میں حنفیہ کے لئے اسباب موت ہیں

طعن اول قلت روایت

امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد صرف سترہ ہے اور بس! اور اس قول کی بنیاد ان کے نزدیک ابن خلدون کی یہ عبارت ہے،

یقال بلغت روایاته الی	کہا گیا ہے کہ امام صاحب کی مرویات
سبعة عشر حدیثا	کی تعداد سترہ ہے

اور اسی کی تائید میں امام بخاری کے استاذ امام حمیدی کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے

قال الحمیدی فرجل لیس	حمیدی کہتے ہیں اس شخص (ابوحنیفہ)
عندہٗ سنن من رسول اللہ	کو مناسک میں نہ تو سنت رسول کا علم
صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہٖ	تھا اور نہ سنت صحابہ رضؓ کا
فی المناسك [۱]	

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے چند غلط فہمیوں کے ازالہ کے تحت تمہیداً کچھ عرض کر دیا ہے لہذا اگر ہم اس ارشاد کو بھی غلط فہمی پر محمول کریں تو ہمارے لئے گنجائش ہے ہمارے نزدیک یہ ارشادات متعدد وجوہات کی بنا پر مجروح ہیں

(۱) ابن خلدون کو خود اپنی بات پر یقین نہیں جب ہی تو صیغہ تمریض (یقال) کے ساتھ کہا ہے

(۲) ابن خلدون چونکہ مورخ ہیں اس لئے ان کا قول امور تاریخیہ میں تو قابل

---

[۱] ادفحة الجید

استناد ہے نہ کہ امور شریعت میں۔ علامہ شمس الدین سخاوی نے اپنی کتاب "الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع" میں لکھا ہے

وان کان ماھراً فی الامور	ابن خلدون اگرچہ امور تاریخیہ کا تو
التاریخیۃ الا انہ لم یکن	ماہر تھا لیکن اس کو امور شریعت
ماھراً بالعلوم الشرعیۃ [۱]	میں مہارت نہیں تھی

اور امام صاحب کا حافظ حدیث ہونا امور شریعت سے تعلق رکھتا ہے۔

۳۔ ہم کہتے ہیں ابن خلدون کو بھی امام صاحب کا حافظ حدیث ہونا تسلیم ہے اور مذکورہ عبارت میں تصرف صرف حسد اور تعصب کا کرشمہ ہے کیونکہ ابن خلدون نے آگے چل کر لکھا ہے :۔

وقد تقول بعض المتعصبین	بعض متعصبین نے یہ کہہ دیا ہے کہ ان
ان منھم کان قلیل البضاعۃ	ائمہ میں سے بعض امام بہت کم حدیث
فی الحدیث ولا سبیل الی ھذا	جانتے تھے یہ اعتقاد ان ائمہ کبار کے
المعتقد فی کبار الائمۃ	متعلق بیجا ہے کیونکہ شریعت تو کتاب
لان الشریعۃ انما توخذ	وسنت سے ہی ماخوذ ہے۔
من الکتاب والسنۃ [۲]	

۴۔ ائمہ فن مثلاً علامہ ذہبی نے امام صاحب کا تذکرہ حفاظ حدیث کے طبقہ میں کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ علامہ محمد بن یوسف شافعی نے بھی عقود الجمان میں آپ کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے

۵۔ بقول علامہ ابن حجر مکی آپ کے اساتذہ چار ہزار ہیں اگر ہر ایک سے ایک ایک حدیث سنی ہو تب بھی چار ہزار حدیثیں ہوتی ہیں۔

۶۔ امام صاحب کا مجتہد مطلق ہونا مجمع علیہ ہے لہذا اگر سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا ہے تو پھر اس زمانہ میں تو مجتہدین کی کمی نہ رہے گی۔ خصوصاً اہل حدیث

---

[۱] عمدۃ الرعایۃ زاد وشحہ [۲] ایضاً

مجتہد قرار دیا جائے گا۔

۷۔ اگر امام صاحب پر قلت روایت کا اعتراض ہے تو پھر پروردہ آغوش بتول رضؓ اور راکب دوش رسول جناب امام حسین رضؓ کے بارے میں کیا کہا جائے گا جبکہ عمر بھر ان کو حضرات صحابہ رضؓ کی بھی صحبت حاصل رہی ان کے متعلق نواب صدیق صاحب فرماتے ہیں "ہشت حدیث از وے مرویست" لہ

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیئے ؎ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

بالفرض اگر امام صاحب پر قلت روایت کا اعتراض ہے تو اس کی وجوہات بھی تلاش کرنا ضرور ہیں۔ ہمارے نزدیک امام صاحب سے روایتوں کی قلت اور اس میں غلو نہ ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہو سکتے ہیں

(ا) حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اعلان کرا دیا کہ احکامات اور اعمال کی احادیث کے علاوہ دوسری احادیث روایت نہ کی جائیں

(ب)۔ حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے تین صحابہؓ (ابن مسعودؓ، ابو درداء رضؓ، ابو مسعود انصاری رضؓ) کو حدیث بیان کرنے سے روک دیا تھا اس وجہ سے کہ یہ زیادہ احادیث بیان کرتے تھے۔ حضرت ابو سلمہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس وقت بھی حدیثیں بیان کرتے تھے تو جواب دیا اگر میں اس وقت حدیث روایت کرتا تو مجھے ڈھال سے مارا جاتا

ج۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اگر تم زیادہ حدیث بیان کرو گے تو آئندہ لوگوں میں سخت اختلاف ہوگا۔

د۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت قرظہ بن کعب کو وصیت کی کہ رسول اللہ صلعم کی حدیث کم نقل کرو

لہ ایضاً از تقصار

س - حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ والد صاحب نے پانچ صد حدیثیں جمع کیں تو تمام رات بے چین رہے میں نے دریافت کیا. کیا آپکو کوئی تکلیف ہے؟ فرمایا بیٹی! وہ احادیث لاؤ جو میں نے تمہارے پاس رکھی ہیں چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کردیں تو آپ نے انکو جلادیا اور فرمایا ممکن ہے کہ میری اس حالت میں موت آجائے کہ میں نے حضور صلعم کی طرف کوئی غلط حدیث منسوب کردی ہو اور واقعہ میں ایسا نہ ہو.

ص - ذہبی نے ابی عمر الشیبانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سال تک حضرت ابن مسعود رضہ کی خدمت میں رہا میں نے انکو کبھی قال رسول اللہ صلعم کہتے نہیں سنا اور اگر کبھی فرمایا بھی تو پسینہ سے تر ہوجاتے تھے اور لرز اٹھتے تھے اور گھبرا کر فرمادیا کرتے تھے او کما قال ھکذا قال ونحوہ.

یہ حال حضرت ابن مسعود رضہ کا ہے جن کے متعلق آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے "ابن مسعود کی حدیث کی تصدیق کیا کرو[۱]" تو دوسروں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں.

ان وجوہات کی موجودگی میں بھی اگر قلت حدیث کا اعتراض امام صاحب پر چسپاں کردیا جائے تو معترض ہی اس کا ذمہ دار ہے بلکہ یہی کہنا مناسب ہے، کہ امام صاحب اس معاملہ میں بہت محتاط تھے اور بہت سے حضرات صحابہ رضہ نے اسی راہ کو اختیار کیا تھا. چنانچہ احادیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں حضرت عمر رضہ سے ۵۲۵، حضرت علی رضہ سے ۵۸۶، حضرت ابن مسعود رضہ سے ۸۴۸ اور حضرت صدیق اکبر رضہ سے ان سب سے کم روایات مروی ہیں ہاں ان حضرات کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے. اسی پر حضرت امام ابوحنیفہ کو قیاس کرلیا جائے تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ امام صاحب نے نقل

---

[۱] اوجز المسالک صفحہ ۶۲، ۶۳ ان روایات میں سے بعض موضوعات کبیر کے مقدمہ میں بھی مذکور ہیں.

روایات کے علاوہ تدوین فقہ اسلامی کا اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جو نہ آپ سے پہلے ہوا تھا اور نہ آپ کے بعد اور اسی فقہ پر دوسرے تمام فقہوں کی بنیادیں قائم ہوئیں اور اسی فقہ کے طفیل میں آج دنیا کی عدالتوں کا نظام زندہ ہے اگر یہ کام نہ ہوا ہوتا تو آج عدالتیں عدالتیں نہ ہوئی ہوتیں۔

رہا امام حمیدی کا ارشاد؟ یہ بھی عقلاً خلاف ہے کیونکہ جس شخص نے ۵۵ حج کئے ہوں کیا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو مناسک نہیں معلوم تھے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعمش جیسا عظیم محدث مناسک میں امام صاحب کی طرف رجوع کیا کرتا تھا۔ علامہ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان کی فصل ۱۲ میں تحریر فرمایا ہے:۔

امام اعمش نے جب حج کیا تو امام ابوحنیفہ کو لکھا کہ آپ میرے لئے مناسک لکھ دیجئے! امام اعمش فرمایا کرتے تھے ابوحنیفہ سے مناسک سیکھو کیونکہ میں حج کے فرائض و نوافل کا ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا[1]

دوسرا طعن ضعف امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:۔

سکتوا عن رایٔہ وحدیثہ

لوگوں نے امام صاحب کی رائے اور حدیث سے سکوت کیا ہے یعنی ان کی رائے کو قابل اعتبار نہیں سمجھا

۲۔ میزان الاعتدال کے حرف نون کی عبارت یہ ہے:۔

النعمان بن ثابت بن زوطی ابوحنیفۃ الکوفی امام اھل الرائے ضعفہ النسائی من جہۃ حفظہ وابن عدی واخرون[2]

یعنی امام ابوحنیفہ کو امام نسائی اور ابن عدی اور دوسرے لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

---

[1] الخیرات الحسان ف ۱۲ [2] میزان الاعتدال ن ن

۳۔ ابن جوزی نے امام صاحب پر جرح کی اور آپکو ضعیف بتلایا ہے۔
۴۔ دار قطنی نے امام صاحب پر جرح کی اور آپکو ضعیف بتلایا ہے
۵۔ ابن عدی نے کہا کہ اسماعیل بن حماد بن ثابت نے اپنے باپ دادا سے روایت کی ہے اور یہ تینوں ضعیف ہیں۔ [1]

اور چونکہ میزان الاعتدال حافظ ذہبی کی کتاب ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی امام صاحب ضعیف ہیں ان چند وجوہات کی بنا پر امام صاحب کو ضعیف کہا جاتا ہے

ان اعتراضات کے متعلق اجمالاً تو یہ عرض ہے کہ جرح و تعدیل کے باب میں اگر دونوں کی تعداد برابر ہو تو تعدیل کو مقدم سمجھا جاتا ہے اور امام صاحب کی تعدیل کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔ پھر جرح مجمل کو ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ اصول قائم نہ کیا جاتا تو پھر شاذ ہی کوئی باقی بچتا۔ حد یہ ہے کہ امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی رحمن کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو بجز ان کے کسی کے سامنے چھوٹا نہیں جانا) کو امام احمد، ابوزرعہ، ابراہیم حربی نے متروک قرار دیا ہے امام مسلم نے تو ان سے روایت کرنا تک گوارہ نہیں کیا۔ امام شافعی پر ابن معین نے جرح کی ہے اور امام بخاری پر بھی اب تک جرح کرنے والے جرح کرتے ہیں لیکن اس سے حاصل؟ اسی اصول کے تحت مذکورہ حضرات کی جرح بھی آتی ہے لہذا اس جرح کا اعتبار نہیں ہے امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔

لا یقبل الجرح الا مفسرا مبین السبب — جرح وہی معتبر ہوگی جو مفسر ہو اور کسی سبب کو بیان کرے۔

علامہ ابن دقیق العید، علامہ عبدالعزیز بخاری کا یہی مسلک ہے [2] اس کے علاوہ ائمہ فن نے امام صاحب کی تعدیل و توثیق کی ہے۔ علامہ مزی شافعی نے جو

---

[1] میزان الاعتدال الف۔ [2] مقدمہ شرح مسلم

فن رجال کے امام ہیں امام صاحب کے متعلق تحریر فرمایا ہے

کان ابوحنیفۃ ثقۃ فی الحدیث[1] امام صاحب حدیث میں ثقہ ہیں

علامہ موصوف نے اس قول کو محمد بن سعد اور صالح بن محمد الاسدی کی طرف منسوب کیا ہے یعنی ان ہر دو حضرات کی رائے بھی یہی ہے علامہ ذہبی نے بھی تہذیب التہذیب میں امام صاحب کا ثقہ ہونا بیان کیا ہے

قال صالح بن محمد وغیرہ سمعنا یحییٰ بن معین یقول ابوحنیفۃ ثقۃ فی الحدیث[2] صالح بن محمد اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم نے یحییٰ ابن معین سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ابوحنیفہ ثقہ ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ صفی الدین، علامہ ابن حجر مکی ابن صلاح، حافظ عراقی کی یہی رائے ہے[3] اور حد یہ ہے کہ امام بخاری جس کو ثقہ سمجھ رہے ہیں یحییٰ بن سعید القطان (بخاری کے راوی) وہ خود امام صاحب کو ثقہ کہہ رہے ہیں۔

ابن جوزی، دار قطنی، ابن عدی، امام نسائی نے جو امام صاحب پر جرح کی ہے تو ان حضرات کے بارے میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ بہت متشدد ہیں ان حضرات نے بیشتر کاملین پر جرح کر کے ان کو ناقص قرار دیدیا حافظ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کی بحث قرائۃ الفاتحہ کے ضمن میں دار قطنی کے متعلق فرمایا ہے۔

ہمارے ان واضح دلائل سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ دار قطنی نے حسد اور تعصب کی بناء پر امام صاحب کو ضعیف کہہ دیا پھر دار قطنی کی متقدمین کے سامنے (جنہوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے) کچھ بھی توحیثیت نہیں ہے امام صاحب کی تضعیف کر کے دار قطنی نے خود

---

[1] اذکر [2] ایضا [3] ایضا

اپنی تضعیف مول لے لی لہ

یہی بات علامہ بحر العلوم نے مسلم الثبوت کے حاشیہ میں بیان فرمائی ہے
ابن جوزی کے بارے میں غیر کا کہنا تو ایک طرف خود ان کا نواسہ ہی ان کا اعتبار
نہیں کر رہا ہے

ولیس العجب من الخطیب	خطیب کے بارے میں تو کوئی
بانه یطعن فی جماعة	تعجب نہیں کہ وہ جماعت علماء پر
من العلماء وانما العجب	اعتراض کرتے ہیں بلکہ تعجب جد محترم
من الجدی کیف سلك	پہ ہے کہ انہوں نے بغدادی کی راہ
اسلوبه وجاء بما اعظم	اختیار کی اور اپنی حیثیت سے
منه ۲ه	زیادہ بات کہہ دی۔

حقیقت یہی ہے ابن جوزی بہت غیر معتدل مزاج آدمی ہے اور بات کہنے
میں نہایت غیر محتاط ہے جو قلم کے سامنے آجاتا ہے لکھ دیتا ہے ہزاروں
حدیث اس کی نوک قلم کے سامنے موضوع قرار پا چکی ہیں اور تو اور بخاری
و مسلم کی حدیث کے متعلق بھی اس کا قلم نہیں چوکتا ہے۔

رہا ابن عدی کا معاملہ اور میزان الاعتدال کی عبارت تو اس کے متعلق
علامہ نے فرمایا ہے " اس کتاب میں وہ لوگ بھی جو باوجود ثقہ اور جلیل القدر
ہونے کے کسی ادنی لین کی وجہ سے مجروح کر دیئے ہیں اگر ابن عدی انکے
متعلق اپنی یہ رائے نہ بیان کرتا تو میں ہرگز ان کو ضعفاء کی فہرست میں نہ
داخل کرتا۔

اس قول سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ علامہ ذہبی کے نزدیک بھی امام
صاحب ثقہ ہیں جب ہی تو انہوں نے ابن عدی کا حوالہ دیا ہے اور بلکہ خود
تذہیب میں امام صاحب کا تذکرہ کئی صفحوں میں کیا ہے اور آخر میں یہ ارشاد

لہ بنایہ شرح ہدایہ ۵۲ اور صحہ

فرمایا:-

قلت قد احسن شیخنا	اب میں کہتا ہوں کہ میرے استاذ
ابوالحجاج حیث لم یرد	ابوالحجاج نے خوب کیا کہ تہذیب الکمال
شیئًا یلزم منہ التضعیف [۱]	میں کوئی شے ایسی ذکر نہیں کی جس سے
	امام صاحب کی تضعیف لازم آئے

امام نسائی کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ وہ متشدد اور متساہل ہیں۔
علامہ عبد الحی لکھنوی نے غیث الغمام میں فرمایا ہے کہ میزان الاعتدال میں یہ عبارت الحاقی ہے

ان ھذہ العبارۃ لیس	اس عبارت کا بعض معتبر نسخوں میں
لھا اثر فی بعض النسخ	جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے
المعتبرۃ ما رایتھا بعینی [۲]	دیکھا ہے وجود نہیں ہے

یہی بات خود علامہ ذہبی کے قلم سے بھی مترشح ہو رہی ہے

ولا اذکر فی کتابی من الائمۃ	اس کتاب میں میں نے ائمہ متبوعین
المتبوعین فی الفروع احداً	کا ذکر بھی زبرائی کے ساتھ نہیں کیا
لجلالتھم فی الاسلام و	کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ اسلام
عظمتھم فی النفوس مثل	میں بڑی ہستیاں ہیں جیسے
ابی حنیفۃ والشافعی [۳]	ابو حنیفہؒ، شافعیؒ ۔

لہذا میزان الاعتدال کی فصل الف میں جو تذکرہ ہے وہ ضمناً ہے اصلاً نہیں ہے اسی وجہ سے اس کو علامہ ذہبی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرا طعن قلت عربی

تیسرا اعتراض امام صاحب پر قلت عربی کا ہے ابن خلکان نے کہا ہے کہ امام صاحب پر اہل لسان نہ ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ جب ابو عمر

---

[۱] از نقیحہ از تہذیب [۲] از شحہ از غیث الغمام [۳] از شحہ از میزان الاعتدال

نحوی نے امام صاحب سے سوال کیا "کیا قاتل بالثقل پر قصاص ہے" تو امام صاحب نے فرمایا" لالوقتله باباقبیس "اس جگہ" بابی قبیس" کہنا چاہیئے تھا باء حروف جارہ ہے مابعد کو مجرور کرنا ہے نہ کہ منصوب

یہ اعتراض خود نشان دہی کر رہا ہے کہ معترض کو زبان پر عبور نہیں ہے عربی قبائل کی زبان اور آپس میں ان کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک عربی داں عالم سے پوشیدہ ہو۔ ایک قبیلہ کی زبان کچھ ہے تو دوسرے کی کچھ، اور ایک ہی اسم کو ایک قبیلہ منصرف کہتا ہے تو دوسرا غیر منصرف۔ پھر کتابت کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے ۔ ابوعمرو الدانی کہتا ہے ۔

ناما السکون نعامة اهل	سکون کے لئے ہمارے قدیم و
بلدنا قدیما وحدیثاً	جدید ہم وطن حضرات نے حرف کے
یجعلونه علامة جرة	اوپر علامت جر مقرر کی ہے
فوق الحرف [1]	

اس تصریح سے یہ تو بخوبی ظاہر ہے کہ حالت سکون میں جر کو اوپر بھی لگایا جا سکتا ہے اس کے علاوہ امام صاحب کوفی ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں کوفہ میں جو زبان رائج ہوگی وہی قابل استناد ہے ابوالنجم کا شعر بھی اسی لغت میں موجود ہے۔

ان اباها وابا اباها قد بلغا فی المجد غایتاها

اس شعر میں بھی اعتراض کے مطابق ابا ابیھا ہونا چاہیئے نہ کہ ابا اباھا لہذا اس کو فصاحت کے خلاف نہیں کہا جائے گا۔ شرح الفیہ میں موجود ہے کہ ایک لغت یہ بھی ہے کہ قصر کر کے اب، اخ، حم کے آخر میں الف لاتے ہیں اسطرح الفاظ معرب بہ حرکات مقدر ہوتے ہیں۔ شرح جامی میں بھی اسمارستہ مکبرہ اور منادی کی بحث میں اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

---

[1] المحکم ص۵۸ مطبوعہ دمشق۔ یہ کتاب ابھی ہندوستان نہیں پہونچ سکی، حال ہی میں طبع ہوئی ہے اس کا ایک نسخہ صرف میرے پاس موجود ہے۔

چوتھا اعتراض ارجاء

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ۳۰ فرق ضالہ میں سے ایک فرقہ مرجیہ بھی ہے اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ معرفت اور اقرار لسانی کا نام ایمان ہے تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں ہے

۲۔ مومن کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہوتا

۳۔ عذاب، ثواب، سئیات اور حسنات پر مرتب نہیں ہوتے

اللہ تعالے غریق رحمت فرمائے۔ امام بخاری نے نہ معلوم کس وجہ سے امام صاحب کو اسی گروہ کی طرف منسوب کردیا اور کہہ دیا " کان مرجیاً " امام صاحب مرجی تھے امام بخاری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی حدیث ایسی نقل نہیں کی کہ جس کا راوی مرجی ہے اسی کے ساتھ بعض حضرات نے کہا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کو مرجی قرار دیا ہے۔

اس اعتراض کے بارے میں ہم کیا عرض کریں۔ اگر امام بخاری نے اپنی کتاب کیلئے یہ اصول مقرر کیا ہے تو اس کا ان کو اختیار ہے ہاں اگر انہوں نے امام صاحب سے کوئی روایت اسی وجہ سے نہیں لی کہ وہ مرجی تھے تو پھر ہم تنقید کرینگے اور دریافت کرینگے امام بخاری نے اپنی کتاب جامع صحیح میں ابوسعید عباد بن الرواجی کوفی متوفی ۲۵۰ھ سے روایت کی ہے اور یہ شخص رافضی تھا اس کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ مستحق ترک ہے اسی طرح عبدالملک بن اعین کوفی مولی ابن شیبان شیعہ تھے اور محمد بن خازم ابو معاویہ متوفی ۳۲۷ھ مرجیہ تھا لہذا ان حضرات سے کیوں روایت کی؟ اصول تو اصول ہی ہے اسی پر برکھا جاتا ہے یہ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ امام صاحب سے اگر اسی اصول کی بناء پر گریز کیا ہے تو جواب دینا ہوگا، اس سے تو یہی ظاہر ہورہا ہے

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

کوئی جذبہ ہے جو امام صاحب کی روایت قبول کرنے میں حائل ہے ورنہ امام صاحب کی وہ شخصیت ہے جس کے علم و عمل، زہد، تقویٰ اور تمام کمالات علمیہ اور روحانیہ پر امت کا اجماع ہے اس کے بعد بھی اگر اعتراض ہے تو اس کے ذمہ دار آپ ہیں امام صاحب پر یہ اعتراض محض بے اصل ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے:-

ہم نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور گناہ معاف جیسا کہ مرجیہ کہتے ہیں۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جس مسلمان نے کوئی نیکی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی ہے اور اس کو عیوب اور مفسدوں سے خالی رکھا ہے اور اس کو باطل نہیں کیا حتی کہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا، اس کو قبول کرے گا۔ اور اس پر ثواب دیگا[۲]

اس صفائی عقیدہ کے باوجود اگر مذکورہ اعتراض باقی رکھا جائے تو اس کا نام اعتراض کے علاوہ کچھ اور ہو جائے گا۔ علامہ ابن اثیر جوزی نے امام صاحب سے منسوب تمام غلط افواہوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے:

والظاھر انہ کان منزھًا عنھا[۳]	ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب ان سب سے پاک ہیں

غنیۃ الطالبین کی عبارت کا بھی غلط مطلب لیا گیا ہے شیخ کی مراد تمام حنفیہ سے نہیں ہے بلکہ انہوں نے بعض حنفیہ کو کہا ہے اور ہمیں یہ تسلیم ہے کہ حنفیہ میں بعض حضرات ہوئے ہیں کہ جو فقہ میں تو امام صاحب کے مقلد تھے لیکن عقائد میں وہ معتزلی تھے یا مرجی، جیسے علامہ زمخشری، صاحب قنیہ، جبائی، غسان کوفی، جہاں شیخ نے حنفیہ کو مرجیہ کہا ہے وہاں انہوں نے بعض حنفیہ کو کہا ہے[۴]

اما الحنفیۃ فھو بعض اصحاب	لیکن حنفیہ! تو وہ بعض اصحاب

---

[۱] نصر الحق ص۱۰۱ [۲] فقہ اکبر ص۴ [۳] ادشحہ از جامع الاصول [۴] غنیۃ الطالبین

ابی حنیفۃ ابو حنیفہ مراد ہیں

اس کے علاوہ مرجیہ کے متعلق ایک تاریخی پس منظر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے
صدر اول میں معتزلہ اہل سنت والجماعۃ کو مرجیہ کہا کرتے تھے اس طرح مرجیہ کی
دو قسم ہیں ایک مرجیہ مرحومہ دوسرے مرجیہ ملعونہ۔ ابو شکور سالمی کہتا ہے

ثم المرجیۃ علی نوعین	مرجیہ کی دو قسم ہیں ایک امت مرحوم
مرجیۃ مرحومۃ وھم	جس میں صحابہ داخل ہیں دوسرے
اصحاب النبی صلعم ومرجیۃ	مرجیہ ملعونہ جو یہ کہتے ہیں کہ
ملعونۃ وھم الذین	معاصیت مضر نہیں اور عاصی
یقولون ان المعاصیۃ	کو عقاب نہ ہوگا
لا تضر العاصی لا یعاقب[1]	

پانچواں اعتراض سفیان کی تنقید امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ سفیان ثوری نے ابو حنیفہ پر سخت تنقید کی ہے ہم امام بخاری کے اس ارشاد کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اتنا اور معلوم ہونا چاہیئے کہ سفیان ثوری کے زمانے میں نعمان نام کے کئی شخص تھے اسی طرح "ابو حنیفہ" کنیت بھی ۱۷ حضرات کی ہوئی ہے[2] لہذا اس التباس کی وجہ سے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سفیان ثوری کی تنقید کا نشانہ امام صاحب ہی ہیں پھر جب کہ حضرت سفیان ثوری نے نہایت واضح الفاظ میں امام صاحب کی مدح بھی فرمائی ہے اس کے علاوہ یہ متفق علیہ فیصلہ ہے کہ معاصرین کی تنقید کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تاج سبکی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں:۔

ہم تو آپ کو پیشتر بتلا چکے ہیں کہ جارح کی جرح مفسر بھی مقبول نہیں خصوصاً
اس شخص کے حق میں جس کی طاعت کو معصیت پر غلبہ ہو اور اس کے مدح کرنے
والے ذم کرنے والوں پر فوقیت رکھتے ہوں جبکہ اس جگہ قرینہ بھی ہو اور عقل

---

[1] ادشحۃ الجید [2] الجواہر باب ابی حنیفہ

بھی تائید کر رہی ہو کر ایسی سخت بات مذہبی تعصب اور دنیاوی منفعت کی وجہ سے کہی گئی ہے لہذا اب سفیان ثوری اور دیگر حضرات کی امام ابوحنیفہ پر تنقید ناقابل التفات قرار دیجائیگی[1] کیونکہ امام صاحب کے اوصاف اور کمالات ان گنت اور مدح کرنے والے بے شمار ہیں۔

چھٹا اعتراض قیاس

یہ اعتراض امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض ہے اسی وجہ سے اکثر محدثین امام صاحب کو امام اہل الرائے کہتے ہیں۔ قیاس سے مراد اگر علل مستنبطہ کی روشنی میں اشیائے غیر منصوصہ پر حکم نافذ کرنا مراد ہے تو یہ قیاس مستحسن ہے ماموربہ ہے کتاب وسنت میں اس کے شواہد موجود ہیں اور اگر قیاس سے مراد ترک نصوص ہے تو پھر یہ امام صاحب پر تہمت ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے

لعن اللہ من یخالف رسول اللہ صلعم — جو رسول اللہ صلعم کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت۔

اس تصریح کے باوجود بھی اگر اعتراض بدستور باقی رہتا ہے تو معترضین اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ امام صاحب قرآن وحدیث فہمی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے وہ حدیث کو محض حاطب اللیل کی طرح اختیار نہیں کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ چونکہ بہت اہم ہے اس لیے آئندہ ابواب میں اس کی بحث آرہی ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد خود بخود بات کھل جائے گی کہ امام صاحب کا قیاس کیا ہے اور دوسرے حضرات کس قدر پابند نصوص ہیں۔

---

[1] ادغمہ از طبقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب چہارم

ابو حنیفہؒ اور حدیث

مآخذ و حوالہ جات

۱۔ حیات ابن قیم — ترجمہ رشید احمد ارشد ایم اے
۲۔ جامع صحیح — از امام بخاری
۳۔ تفسیر مظہری — از علامہ ثناء اللہ پانی پتی
۴۔ مناقب — از علامہ موفق
۵۔ اوشحۃ الجید — از علامہ شوق نیموی
۶۔ سیرت النعمان — از علامہ شبلی
۷۔ موضوعات کبیر — از ملا علی قاری
۸۔ فتح الملہم — از علامہ شبیر احمد عثمانی
۹۔ تانیب الخطیب — از علامہ کوثری
۱۰۔ سنن — از ابن ماجہ
۱۱۔ الجواہر المضیئہ — از علامہ ابن ابی الوفا
۱۲۔ اوجز المسالک — از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
۱۳۔ جامع المسانید — از علامہ ابی المؤید
۱۴۔ ابو حنیفہ — از علامہ ابو زہرہ مصری

ابوحنیفہ اور حدیث

فی زمانناجبکہ حدیث ورجال کی بیشمار کتابیں مرتب ومدون ہوچکی ہیں علمی کام کرنے والوں کے لئے جتنی دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا اظہار لفظوں میں دشوار ہے ان مشکلات سے وہی بخوبی واقف ہیں جو اس راہ پر چلتے ہیں۔ اور اسوقت جبکہ فن حدیث کا کوئی اصول مقرر نہیں ہوا تھا اور واضعین نے حدیثیں گھڑ گھڑ کر شائع کرنا شروع کردی تھیں اس وقت تدوین کا کام انتہائی دشوار تھا۔ عقیلی نے بالسند حماد بن زید سے روایت کیا ہے کہ زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بارہ ہزار حدیثیں وضع کیں ابن عدی نے جعفر بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ مہدی کہا کرتا تھا کہ میرے سامنے ایک زندیق نے اقرار کیا ہے کہ اس نے چار سو حدیثیں وضع کی ہیں جو لوگوں میں رائج ہیں۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ہارون الرشید کے سامنے ایک زندیق لایا گیا اس نے اسکے قتل کا حکم دیا اس نے کہا اے امیر المؤمنین آپ ان چار ہزار حدیث کا کیا کرینگے جو میں نے وضع کی ہیں اور جسمیں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہا ہے حالانکہ انمیں حضورؐ کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ رشید نے جواب دیا اے زندیق کیا تو عبداللہ بن مبارک اور ابن اسحق الفواری کو بھول گیا وہ اس کا ایک ایک حرف نکال کر پھینک دینگے۔ (موضوعات کبیر)

یہ واضعین حدیث محض دنیاوی منفعت کے لئے بے سروپا باتیں ہانکا کرتے تھے جسطرح ہمارے زمانہ کے واعظ قسم کے علماء خدا اور خوف آخرت سے نڈر ہو کر بے سروپا باتیں کہا کرتے ہیں۔ اس قسم کی دیدہ دلیری کے عجیب وغریب واقعات قرون مافیہ میں بکثرت ملتے ہیں موضوعات کبیر میں ملا علی قاری نے بیان کیا ہے

امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی ایک قصہ گو انکے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہم سے احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے

عبدالرزاق عن معمر عن قتادہ کے واسطے سے انس رضہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوتے ہیں پھر اس نے ایک لمبا قصہ بیس ورق کے قریب بیان کیا احمد بن حنبل یحییٰ بن معین کیطرف دیکھنے لگے یحییٰ بن معین نے احمد بن حنبل سے دریافت کیا، کیا تم نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ امام احمد نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں نے یہ حدیث سنی بھی اسی وقت ہے جب وہ قصہ گو فارغ ہو چکا تو یحییٰ بن معین نے اشارہ سے بلایا اور دریافت کیا، تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے اس نے کہا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے۔ یحییٰ بن معین نے کہا میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کہیں یہ حدیث نہیں سنی، اگر تجھے جھوٹ بولنا تھا تو ہمارے علاوہ کسی اور پر جھوٹ بولتا اس نے کہا کیا تم یحییٰ بن معین ہو؟ یحییٰ نے جواب دیا ہاں! وہ بولا کہ میں ہمیشہ سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہیں اور اس وقت اسکی تصدیق ہو گئی۔ یحییٰ نے کہا تو نے کیسے سمجھ لیا کہ میں احمق ہوں اس نے جواب دیا، گویا دنیا میں کوئی تمہارے علاوہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہے میں نے تو سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے روایت لکھی ہے۔

اس قسم کی بے باکی اور دیدہ دلیری دنیادار واعظوں کے یہاں اس وقت بھی بکثرت ہے اور پہلے زمانہ میں بھی بکثرت تھی، لیکن اسی ماحول میں دین کا کام ہوا سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز نے باقاعدہ تدوین حدیث کی مہم کو چلایا تھا، اس وقت ایک مجتہد کیلئے جو قانون اسلام مدون کرنے جا رہا ہو کتنی دشواریاں پیش آئی ہونگی اس کو ان کا دل و جگر ہی خوب جانتا ہوگا۔ اصول مقرر کرنا، پھر ان اصولوں کا اجرا ایک طرف کتاب اللہ اور دوسری طرف سنت نبویہ کا مخلوط ذخیرہ، تیسری طرف قیامت تک کے لئے اسلامی قانون کی تدوین اور وہ بھی کسی ایک خطہ یا ملک کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کیلئے مہد سے

لحد تک کے قانون کو مرتب کرنا واقعی کار شیشہ و آہن کی حکایت ہے ان حالات میں امام صاحب نے اعلان کیا تھا۔

میں پہلے کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل کرتا ہوں جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی میں نہ ملے تو میں صحابہ کرام کے اقوال پر عمل کرتا ہوں اس کے بعد دوسروں کے فتاوی اور اقوال میرے نزدیک ہرگز قابل اعتنا نہ ہونگے اس لئے کہ وہ بھی رجال ہیں اور ہم بھی آپ نے فرمایا حتی کہ امام شعبی، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، عطار، سعید بن مسیب یہ سب اجتہاد کرتے تھے ہم بھی اجتہاد کرینگے [۱]

اس بیان میں امام صاحب نے وہی بات بیان فرمائی ہے جو معاذ بن جبل رضؓ نے جناب رسول اللہ صلعم کے سامنے عرض کی تھی [۲] امام صاحب نے فرمایا:

میرے قول کو حدیث شریف اور قول صحابہ رضؓ کے سامنے رد کر دو اور جو حدیث ثابت ہے وہی میرا مسلک ہے [۳]

لہذا یہ غلط ہے کہ امام صاحب صرف قیاس یا رائے سے ہی کام لیتے تھے بلکہ وہ بحد ممکن احادیث اور نصوص شرعیہ سے استفادہ کرتے تھے

کان ابو حنیفۃ شدید	امام صاحب حدیث میں ناسخ و منسوخ
الفحص عن الناسخ والمنسوخ	کی بہت چھان بین کیا کرتے تھے
من الحدیث فیعمل بالحدیث	اس کے بعد جب کوئی حدیث
اذا ثبت عندہٗ عن النبی	رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب
صلعم وعن اصحابہ و	سے ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی
کان عارفاً بحدیث اھل	تو اس پر عمل کرتے تھے وہ اہل کوفہ
الکوفۃ [۴]	کی احادیث سے بخوبی واقف تھے

۱؎ حیات ابن قیم ص۳۰۶ ماخوذ تاریخ بغداد ۲؎ بخاری باب بعث المعاذ ۳؎ مظہری کلاں ج۶ ص۲۴

۴؎ موفق ص۲۲ ج۱

ایک مجتہد کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ آیات و احادیث میں ناسخ و منسوخ کا اعتبار کرے اگر کسی نے احادیث کے قوت و ضعف کو نظر انداز کر دیا تو وہ احکامات شرعیہ کو متصادم کر دے گا۔ احادیث کے متعلق یہ اصول تو ائمہ حدیث کے یہاں بھی ملتا ہے صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنے اپنے اصول کے مطابق احادیث کو قبول کیا ہے ان میں سے بعض متشدد ہیں اور بعض میں لینت ہے امام بخاری اس راوی کی حدیث کو نہیں قبول کرتے جو ایمان میں زیادتی اور نقصان کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اسی طرح امام نسائی سب سے زیادہ متشدد ہیں غرضکہ اختیار حدیث کے معاملہ میں محدثین خود آپس میں مختلف ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد امام نسائی سب مختلف ہیں اور محدث ابن جوزی کی راہ تو ان سب سے علیحدہ ہے چنانچہ

ربما ادرج فیھا الحسن و	ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک
الصحیح مما احد الصحیحین	کو جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں
فضلاً عن غیر ھما[1]	موضوعات میں شمار کر لیا ہے دوسروں
	کا تو ذکر ہی کیا ہے

لہذا امام صاحب نے بھی اختیار حدیث کے لئے جو ضابطے مقرر فرمائے ہیں ان سے کیوں چراغ پا ہوا جاتا ہے جب کہ امام صاحب اتنے متشدد بھی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے نہایت واضح طور پر فرمایا ہے

یہ ہماری رائے ہے ہم کسی کو اس پر مجبور نہیں کرتے اور نہ یہی کہتے ہیں کہ اس کا قبول کرنا واجب ہے[2]

امام صاحب اور اصول حدیث

امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث بیان کرنا شروع کر دی حضرت ابن عباسؓ نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی تو بشیر عدوی نے جھنجھلا کر کہا عجیب بات ہے میں

---

[1] اد شیحہ [2] سیرت النعمان

حدیث سنا رہا ہوں اور آپ اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہے تب حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا! عدوی بھائی! ایک وقت وہ تھا کہ جہاں کسی نے قال رسول اللہ صلعم کہا ہم ہمہ تن گوش ہوئے اور اب تو ہم وہی حدیثیں سنتے ہیں جو ہم کو بھی معلوم ہیں

ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضؓ حضرت علی رضہ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے اور درمیان سے الفاظ حذف کرتے جارہے تھے اور فرماتے جاتے تھے واللہ حضرت علی رضہ نے یہ فیصلہ نہیں دیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت علی رضہ کی ایک تحریر دیکھی تو اس میں سے تھوڑے سے الفاظ کے علاوہ سب تحریر مٹادی

حضرت ابن عباس رضؓ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز تھا اس کا اور اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے سوالات کا یہی جواب دیا جاسکتا ہے کہ اسلام حدود عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہو گیا تھا اور لوگوں کو احکامات اسلام معلوم کرنے کا بیحد اشتیاق تھا اس اشتیاق میں وہ روایتی پابندیوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے وہ درایت سے بھی بے نیاز تھے اس لئے گمراہ فرقوں اور اہل ہوا کو موقع مل گیا اور انہوں نے قطع و برید کرنا شروع کردی۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ زنادقہ نے ۱۲ ہزار حدیثیں وضع کیں۔ عبدالکریم کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کر کے شائع کردیں۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ہارون رشید کے سامنے ایک زندیق لایا گیا اس نے اس کے قتل کا حکم دیا اس نے کہا اے امیر المومنین آپ ان چار ہزار حدیث کا کیا کرینگے جو میں نے وضع کی ہیں اور جس میں حرام کو حلال کیا ہے حالانکہ اس میں سے حضورؐ کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ رشید نے جواب میں کہا اے زندیق کیا تو عبداللہ بن مبارک اور ابن اسحاق الفزاری کو بھول گیا وہ اس کا ایک ایک حرف نکال کر باہر پھینک دینگے[۱]

ان چیزوں کے پیش نظر ذہنوں میں یہ بات ابھر سکتی ہے کہ پھر حدیث سے کس طرح استفادہ کیا جائے؟ اسکا جواب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے

---

[۱] موضوعات کبیر ص۷

اصول اور ضوابط مقرر کرنے ہوں گے تب ہی احادیث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے
چنانچہ امام صاحب وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے معاصرین کی لعن طعن کا خیال کئے
بغیر اصول حدیث مقرر کئے اور لوگوں کو قبول حدیث کا ایک معیار بتلا دیا بعد کو دیگر اصولیین
نے حالات و زمانہ کے اعتبار سے ان میں ترمیم و اضافہ کیا، لیکن وہ اصول بدستور رہے
سطور ذیل میں امام صاحب کے وہ سولہ اصول پیش کئے جا رہے ہیں جن پر احادیث
کی صحت و ضعف کا مدار ہے۔

امام صاحب کے اصول

(۱) ثقہ راویوں کے مراسلات مقبول ہیں۔
بشرطیکہ ان سے قوی تر دلیل موجود نہ ہو (بخاری
نے قرأت خلف الامام میں اس سے استدلال کیا ہے۔ مسلم میں بھی مراسیل موجود ہیں)
حنفیہ نے اس بارے میں نہایت واضح طور پر فرمایا ہے۔

ومن ضعف بالارسال	جس نے مرسل ہونے کی وجہ سے
نبذ شطر السنة المعمول	حدیث کو ضعیف قرار دیدیا، اس نے
بھا لہ	معمول بہا سنت کے ایک حصہ کو ترک کر دیا

(۲) - خبر احاد کو اصول پر پرکھا جائے گا، اور اگر وہ اس کے مطابق ہے تو اختیار
کیا جائیگا ورنہ ترک کر دیا جائیگا

(۳) خبر احاد کو کتاب اللہ کے مقابلہ میں رد کر دیا جائے گا۔

(۴) خبر مشہور کے مقابلہ میں (خواہ فعلی ہو یا قولی) خبر واحد کو ترک کر دیا جائیگا۔

(۵) اگر دو خبر واحد متعارض ہوں تو افقہ راوی کی خبر کو ترجیح ہوگی۔

(۶) اس روایت کو ترک کر دیا جائیگا جس کے راوی کا عمل اپنی روایت کے
خلاف ہو جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت کہ اگر کتا کسی برتن کو چاٹ جائے
تو اس کو سات دفعہ دھونا چاہیئے حالانکہ وہ فتویٰ تین مرتبہ دھونے پر دیتے تھے

(۷) حدیث اگر متناً یا سنداً زائد ہو تو اس کو ناقص کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائیگا

(۸) جس خبر میں عموم بلوی ہو اس کے مقابلہ میں خبر واحد کو ترک کر دیا جائیگا

لہ مقدمہ فتح الملہم

کیونکہ قرن اول کے عموم بلویٰ کا اثبات متواتر اور متوارث ہوتا ہے اسی وجہ سے حدود کفارات کو شبہ کی بنا پر رد کر دیا جاتا ہے

۹۔ ایک ہی حکم میں اگر کوئی خبر واحد مختلف ہو اور صحابہ رضؓ سے ثابت ہو کہ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے تو اس خبر واحد کو ترک نہ کیا جائیگا۔ بلکہ مناسب تطبیق و تاویل کر لی جائے گی۔

۱۰۔ جس خبر واحد پر سلف میں سے کسی نے طعن نہ کیا ہو اسکو اختیار کیا جائیگا

۱۱۔ حدود اور عقوبات میں اخف درجہ کی خبر واحد کو لیا جائیگا۔

۱۲۔ حدیث کے راوی کیلئے سماعت سے لیکر نقل تک استمرار حفظ ضروری ہے۔

۱۳۔ اس راوی کی روایت معتبر نہیں جو یہ کہے کہ میری بیاض میں ہے ہاں بیاض کی روایت اس وقت معتبر ہوگی جب اس کو زبانی بھی یاد ہو

۱۴۔ احاد میں احوط کو اختیار کیا جائے گا۔

۱۵۔ متاخر کو مقدم کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی کیونکہ اسکی حیثیت ناسخ کی ہے

۱۶۔ خبر واحد صحابہ اور تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو[۱]

روایت بالمعنیٰ امام صاحب کے زمانہ میں روایت بالمعنیٰ کا زیادہ رواج تھا جسکی وجہ سے احکامات میں بہت کافی اختلاف پیدا ہو گیا تھا مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے جسکو ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

ان المیت یعذب ببکاء الحی	مردہ زندہ کے بکار کی وجہ سے
اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ	عذاب ہوتا ہے جب وہ یہ الفاظ
واناصراہ واجبلاہ[۲]	کہہ کر بین کریں الخ

حضرت عائشہ رضؓ سے کسی نے یہ بیان کیا کہ حضرت ابن عمر یوں کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا ابن عمر کو سہو ہو گیا ہے واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودیہ عورت کا انتقال ہوا تو اس

---

[۱] تانیب الخطیب ص ۱۵۲/۱۵۳ [۲] سنن ابن ماجہ

کے رشتہ دار بیان کر کے روتے تھے اس پر حضور صلعم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی — کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ملاحظہ ہو راوی نے یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر حدیث بیان کر دی غزوہ بدر میں جب حضور صلعم اس گڑھے (قلیب) کے پاس پہونچے جہاں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں تو ارشاد فرمایا

ھل وجدتم ما فعل ربکم حقاً — جو کچھ تمہارے رب نے کیا اس کو تم نے حق پایا۔

لوگوں نے عرض کیا کیا آپ مُردوں سے خطاب کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا

لقد علموا ما دعوتھم — میں نے جس چیز کی دعوت دی تھی انہیں معلوم ہو گیا۔

اسی ایک واقعہ میں دو حدیث ہیں، ایک میں لفظ "سماع" اور دوسرے میں لفظ "علم" ہے اسی روایت بالمعنی کے اختلاف کی وجہ سے آگے چل کر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اسی طرح مناسک حج میں ایک روایت آتی ہے

اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب — سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔

روایت بالمعنی کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دیا، امام صاحب نے روایت بالمعنی کے لئے یہ اصول مقرر کر دیا، رواۃ فقیہ ہوں اور ثقہ ہوں

ان دو شرطوں کیساتھ امام صاحب نے اپنے زمانہ تک روایت کو قبول کیا یعنی امام صاحب عہد تابعین کے بعد روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے امام طحاوی نے بسند متصل بیان کیا ہے

لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظ من — امام صاحب فرماتے ہیں آدمی کو وہی حدیث بیان کرنا چاہیئے جو سننے کے دن سے

یوم سمعہ الی یوم یحدث بہ[۱] روایت کرتے وقت تک بالکل یاد ہو

امام صاحب کا بھی یہی مسلک ہے۔

لا تجوز الروایۃ بالمعنی مطلقاً[۲] روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں ہے

مالبعد کے محدثین کے نزدیک چونکہ یہ شرائط سخت ہیں اس لیے انہوں نے نرمی سے کام لیا جس کی وجہ سے اکثار فی الحدیث ہو گیا ان ہی شرائط کی وجہ سے ابن صلاح امام صاحب اور امام مالک کو متشدد کہتا ہے حالانکہ امام صاحب نے یہ ضابطہ اس حدیث کی روشنی میں مقرر کیا ہے

نضر اللہ امرأ سمع منا — اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو شاداب

فبلغہ کما سمعہ — کرے جس نے ہم سے جیسا سنا ویسا ہی نقل کر دیا

یہ حدیث حضرت ابن مسعود رض سے مروی ہے جو بالسند المتصل امام صاحب تک پہونچتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کی روایات بہت زیادہ نہیں ہیں وہ روایت بالمعنی کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ حالات زمانہ کی وجہ سے مجبور تھے بلکہ معذور تھے

حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں:۔

ان حدیثوں نے بہت نقصان اور ضرر پہونچایا، کیونکہ واضعین کے تقوٰی اور تورع کی وجہ سے احادیث بالمعنی مقبول ہو گئیں وضع کے بعد مسامحات غلط فہمیوں، بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جس کی وجہ سے ہزاروں اقوال جناب رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب ہو گئے بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس کی وجہ سے سامعین کو دھوکہ ہوتا تھا اور وہ ان کے تفسیری جملوں کو حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے[۳]

امام زہری اور وکیع کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ہیں لیکن امام صاحب حدیث میں اس کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

---

[۱] الجواہر ص۳۱ [۲] سیرت النعمان ص۹۰ [۳] سیرت النعمان ص۸۳

حدیث کے اصطلاحی الفاظ

زمانہ قدیم میں آج کل کی طرح آلات مکبر الصوت نہیں تھے لہذا بڑی بڑی درسگاہوں میں جہاں ہزاروں کی تعداد میں سامعین ہوتے تھے آواز کو منتقل کرنے کیلئے مستملی مناسب مقامات پر مقرر کیے جاتے تھے اس طریقہ کی وجہ سے محدثین میں اختلاف پیدا ہوا کہ جس نے مستملی کی آواز کو سنکر حدثنا کہا وہ حدیث کو شیخ کیطرف منسوب کر سکتا ہے؟ امام صاحب کہتے ہیں نہیں کر سکتا بلکہ اس شخص کو اخبرنا کہنا چاہیئے حافظ ابونعیم، فضل بن دکیع، زائد بن قدامہ، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام صاحب کا مسلک صحیح ہے یہاں بھی امام صاحب نے روایت بالمعنی کے پیش نظر ایسا کیا تھا کیونکہ مستملی روایت بالمعنی بھی کر دیتے تھے لیکن جو لوگ روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے یہاں حدثنا اور اخبرنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام حسن نے متعدد روایتوں میں حدثنا ابوھریرۃ کہا ہے حالانکہ ان کی ابوہریرہؓ سے ملاقات نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض نے یہ حدیث بیان فرمائی تو میں اس جگہ موجود نہ تھا اس شہر کے دوسرے باشندوں سے سنکر میں نے حدثنا کہا ہے امام حسن بصری کی اس بات کو دوسرے محدثین نے بھی اختیار کیا حالانکہ یہ بات صراحتًا غلط ہونیکے علاوہ درمیان کے راوی کے بارے میں اشتباہ پیدا کرتی ہے اس وجہ سے امام صاحب اس طریقہ کو ناجائز کہتے ہیں۔

حدیث میں مقامِ امام

ان قیودات کا تقاضا ہے کہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد بہت کم ہونا چاہیئے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ حافظ حدیث ہیں اور ان تمام شروط اور قیودات کے ساتھ ہیں اور کمال اسی کا نام ہے

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں بیان کیا ہے ۱۔

تیئسواں باب اس بارے میں کہ امام ابو حنیفہ کثیر الحدیث اور عیان حفاظ میں سے تھے [1]

(۱) قاضی ابو یوسف (جن کو یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں) فرماتے ہیں:-

جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تو میں حلقہ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا اور ان سے اس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرتا اور آکر امام صاحب کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ بعض کو قبول کرتے اور بعض کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا کیوں؟ تو فرماتے کوفہ میں جس قدر علم ہے اس کا میں عالم ہوں [2]

یہ ہے امام صاحب کا کمال دوسرے محدثین کے یہاں یہ بات نہیں ہے بخاری میں سے اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو کل ۲۷۶۱ حدیثیں ہیں۔ موطا امام مالک میں دس ہزار حدیثیں تھیں لیکن دوبارہ ترتیب میں چھ سو یا سات سو حدیث باقی رہیں اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہے کہ محدثین نے امام صاحب کے شاگردوں سے روایت کو لیا اور امام صاحب کو سند میں سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ وہ ضعیف ہیں حالانکہ ان روایات میں ضعف مابعد کے راویوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ان دوسرے محدثین پر تو اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان کے یہاں ضعف ہے کیونکہ ان کے یہاں وہ شرائط نہیں جو امام صاحب کے یہاں ہیں سطور ذیل میں امام صاحب کے متعلق چند رائیں پیش ہیں۔

محدثین کے آراء

(۱) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں خدا کی قسم امام ابو حنیفہ سوائے حدیث کے رائے کو اختیار کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۲) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں اس کو امام ابو حنیفہ کی رائے نہ کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔

(۳) امام ابو یوسف فرماتے ہیں، میں نے تفسیر حدیث کے معاملہ میں امام

---

[1] سیرت النعمان ص ۳۲ [2] ایضاً

صاحب سے زیادہ عالم نہیں دیکھا

(۴) سفیان بن عیینہ کہتے ہیں امام ابو حنیفہ حدیث میں اعلم الناس ہیں

(۵) یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے تمام محدثین کی حدیثوں کو یاد کر رکھا تھا لیکن انہوں نے انہیں حدیثوں کو اختیار کیا جن پر آخر زمانہ میں رسول اللہ صلعم کا عمل تھا۔

(۶) معمر کہتے ہیں شرح حدیث میں امام صاحب سے زیادہ عالم میں نے نہیں دیکھا۔

(۷) عمر بن دینار کہتے ہیں نعمان بن ثابت بہت اچھے آدمی ہیں جس حدیث میں فقہ ہوتا ہے اس کو اچھی طرح یاد رکھتے ہیں

(۸) حسن بن زیاد کہتے ہیں امام صاحب نے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں دو ہزار حماد سے اور دو ہزار دیگر مشائخ سے۔

(۹) ابن حجر مکی کہتے ہیں امام صاحب نے لوگوں کو کبھی بھی اپنے مسلک کی طرف جناب رسول اللہ صلعم کے بلا اشارہ منامی کے دعوت نہیں دی [۱]

یعنی فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو جناب رسول اللہ صلعم کی مرضی کے خلاف ہو اور حضور صلعم ان مسائل کو پسند نہیں فرما سکتے جو قرآن اور ان کی سنت کے خلاف ہوں۔

امام صاحب کے حدیث میں شاگرد

امام صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے علامہ ذہبی نے فرمایا ہے آپ کے آٹھ سو شاگرد تھے علامہ موفق نے بحساب حروف تہجی اور مع اوطان سات سو شاگردوں کی نشان دہی کی ہے اور فرمایا ہے یہ آپکے بلا واسطہ شاگرد ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگرد تھے یہ تعداد مبالغہ آمیز نہیں ہے کیونکہ آج کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی شاگردوں کی تعداد بھی چند برسوں میں سینکڑوں سے تجاوز کر جاتی ہے

---

[۱] مقدمہ اوجز المسالک متفرقاً

جبکہ ہندوستان میں تعلیم کی تعداد ۴۰ فیصدی ہوتی ہے اور خیر القرون میں تو تعلیم کے شیوع کا معاملہ ۸۰ یا ۹۰ فیصد تھا اس وقت یہ تعداد ہونا قرین قیاس ہے صاحب جواہر نے تحریر فرمایا ہے کہ سمرقند میں ایسے قبرستان موجود ہیں جن میں چار سے زائد محمد نام کے فقہاء مدفون ہیں اور ایک قبرستان تو ایسا ہے جسکو قبرستان اصحاب ابی حنیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے مدفونین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ اس جگہ میں نے امام صاحب کے سو سے زائد ان شاگردوں کے اسماء کی فہرست نقل نہیں کی جن کی احادیث صحاح ستہ میں بھی ہیں اور جامع المسانید میں بھی، جس کا جی چاہے یہ طویل فہرست مقدمہ تنسیق النظام میں دیکھ سکتا ہے اور مزید اطمینان کے لئے جامع المسانید بھی موجود ہے اور صحاح ستہ بھی۔

کتب احادیث

امام صاحب کے بارے میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ انکی کوئی کتاب نہیں ہے حالانکہ یہ قول معتزلہ کا ہے[۱] اس قول سے بعض حنفیہ بھی متاثر نظر آتے ہیں[۲] بات یہ نہیں ہے بلکہ امام صاحب کی تصانیف موجود ہیں۔ مثلاً وصایا، العالم والمتعلم، فقہ اکبر وغیرہ۔ ان کتابوں کے متعلق تو ہم آئندہ صفحات میں عرض کرینگے۔ یہاں سردست چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) صاحب کتاب یا مصنف ہونے کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود ہی ہاتھ میں قلم دوات لیکر بیٹھے تب ہی وہ کسی کتاب کا مصنف یا مؤلف ہو سکتا ہے

(۲) یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اسی وجہ سے اسکو کتاب اللہ کہا جاتا ہے حالانکہ اسکی جمع و ترتیب کا کام اولاً جناب رسول اللہ صلعم نے کیا بایں معنیٰ کہ آپنے فرمادیا کہ اس سورت کو یا اس آیت کو فلاں جگہ لکھدو۔ آپکے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے ان متفرق سورتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

---

[۱] الجواہر المضیہ ص۱۱۶ ج ۱ [۲] جواہر ص۴۶۱ ج ۲ [۳] مثلاً علامہ شبلی

(۳) بہت سے ائمہ ہیں جن کی طرف احادیث کے بڑے بڑے ذخیرے منسوب ہیں لیکن انہوں نے اپنے قلم سے ان کو مدوّن نہیں کیا مسند امام احمد کے بارے میں علمار کی یہی رائے ہے۔

(۴) بہت سے مؤلف یا مصنف نابینا ہوئے ہیں اور انہوں نے کتابیں املا کرائی ہیں مثلاً مصر کے ڈاکٹر طٰہٰ

(۵) بہت سے مشائخ کی تقریریں جن کو تلامذہ لکھ لیتے ہیں ان کی طرف منسوب ہوتی ہیں نہ کہ ان تلامذہ کی طرف مثلاً معانی الاخبار از امام ابوبکر محمد بن اسحٰق الکلاباذی۔

(٦) اکابر کے انتقال کے بعد انکے خطوط کو جمع کر کے شائع کیا جاتا ہے یہ تمام صورتیں وہ ہیں کہ جن کی وجہ سے کتاب کا مصنف اور کوئی ہوتا ہے اور جامع اور کوئی لیکن کتاب کو جامع کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا اسی قاعدے پر امام صاحب کی کتابوں کو بھی منطبق کرنا چاہیئے تو پھر انشار اللہ امام صاحب کی کتابوں کی تعداد معلوم ہو جائے گی

مسانید امام اعظم اسی قاعدے کے تحت حدیث میں امام صاحب کے ۱۵ مسانید ہیں ۱؎

۱	جامع	ابو محمد عبداللہ الحارثی بخاری	م ۳۴۰ھ
۲	"	الحافظ ابو القاسم	" "
۳	"	الحافظ ابو الخیر محمد بن المظفر	م ۳۷۹ھ
۴	"	حافظ ابو نعیم	م ۳۰۴ھ
۵	"	ابوبکر بن عبدالباقی	
٦	"	ابو احمد بن عبداللہ جرجانی	
۷	"	امام الحسن اللولوی	م ۲۰۴ھ
۸	"	حافظ عمر بن الحسن الاشنانی	
۹	"	ابوبکر احمد بن الکلاعی	

۱ ۱

١٠	جامع	حافظ ابوعبداللہ محمد بن الحسین	
١١	״	حماد بن ابی حنیفہ	م سنہ ١٧٦ھ
١٢	״	حافظ ابوالقاسم	
١٣	״	امام محمد	م سنہ ١٨٩ھ
١٤	״	״ ״ ״	
١٥	״	امام ابو یوسف	م سنہ ١٨٣ھ

(آثار از امام ابو یوسف)

ان مسانید پر مختلف حضرات نے کام کیا ہے۔ بعض نے ابواب فقہ پر مدون کیا اور اس کی شرح بھی کی ہے اور بعض نے ان پر حاشیہ لکھا چنانچہ علامہ صدر الدین بن موسیٰ الحصکفی م سنہ ٦٥٠ھ نے ترتیب شیوخ پر مسند امام اعظم کو مرتب کیا ان کے بعد علامہ سندی نے سنن اور ابواب فقہ پر مرتب کیا۔

مسند امام اعظم کی شروح لکھنے والے بہت سے حضرات ہیں لیکن میری نظر سے صرف دو ہی گذری ١۔ شرح ملا علی قاری ٢۔ تنسیق النظام از ابوالحسن اسمٰعیل سنبھلی مسند اعظم پر سب سے بڑا کام امام ابی المؤید محمد بن محمود خوارزمی م سنہ ٥٦٦ھ نے کیا ہے انہوں نے تمام مسانید کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ یہ سب مسانید امام صاحب کی طرف منسوب ہیں مذکورہ اصول کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا یہ امام صاحب کی مسانید نہیں ہیں ابوزہرہ مصری کہتے ہیں

ولیس ذلک بقادح فی صحۃ نسبتہا لہ	امام صاحب کی طرف منسوب کرنا اور دوسروں کا جامع ہونا اعتراض کی بات نہیں ہے

کتاب الآثار امام محمد

پندرہ مسانید میں سے ایک یہ بھی ہے جسکو امام محمد نے قال اخبرنا ابو حنیفۃ عن فلاں کہہ کر امام صاحب سے روایت کیا ہے اسکو حافظ ابن حجر نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ امام صاحب کی کتاب ہے [٢] امام محمد نے اس کو ابواب فقہ پر ترتیب دیا ہے

١۔ ابوزہرہ ص ١٩٢ ٢۔ ایضاً

اس کی ایک عظیم شرح استاذ محترم مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نے لکھی ہے جو طبع ہو چکی ہے

کتاب الآثار امام ابو یوسف

یہ بھی پندرہ مسانید میں سے ایک ہے اس کو بھی حافظ ابن حجر نے امام صاحب کی کتاب تسلیم کیا ہے [1]

حدیث کے عنوان کے تحت یہ چند چیزیں ہم نے پیش کر دی ہیں جن سے حدیث میں امام صاحب کا مقام اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے یوں اعتراض کرنے کو خدا نے ہر ایک کے منھ میں زبان دی ہے لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں۔ امام صاحب بہر حال امام ہیں جس نے ان پر اعتراض کیا ہے یا جس نے ان کی حدیث کو نہیں لیا یا بعض الناس کہہ کر اپنے جذبات کو تسکین دی ہے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

---

[1] ابو زہرہ ص ۱۹۲

باب پنجم

فقہ حنفی

یا

دستور اسلامی کی

تاریخ و تدوین

مآخذ اور حوالہ جات

۱ تاریخ الفقہ ازمولانا نعیم صاحب مجددی
۲ فقہ الاسلام ازالخطیب حسین احمد مصری ترجمہ رشید احمد
۳ مناقب ازعلامہ موفق
۴ الجواہر المضیہ ازابن ابی الوفار
۵ جامع المسانید ازامام ابوالموید
۶ معجم المصنفین ازشیخ محمود حسن خاں
۷ امانی الاحبار ازمولانا محمد یوسف امیر تبلیغی جماعت
۸ سیرت النعمان ازعلامہ شبلی
۹ الطرق الحکمیہ ازعلامہ ابن قیم جوزیہ۔

دستور اسلامی کی تاریخ و تدوین!

جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ تک "اسلام" میں زندگی گذارنے کے طریقوں (عقائد، عبادات و معاملات) کے لئے اصطلاحات کی کثرت اور شیوع نہیں تھا، ہاں فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام وغیرہ اصطلاحی اسمار کا وجود تھا حضرات صحابہ رضہ جیسے حضور صلعم کو کرتے دیکھتے یا جو کچھ آپ سے سنتے اس کو عملاً اختیار کر لیتے تھے

عہد نبوی میں اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا حجاز کے علاوہ جو قبائل زیادہ فاصلے پر آباد تھے وہ دین کی باتیں سیکھنے آتے اور واپس آکر اپنے قبیلوں میں ان ہی تعلیمات کو سکھلاتے تھے حضور صلعم بھی مدینہ منورہ سے عمال کو مختلف قبیلوں میں اسی غرض سے بھیجتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ان قبائل میں اسی غرض سے بھیجا گیا تھا۔

اس کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ آیا جس میں اسلام دوسرے ملکوں میں بھی پہونچ گیا جہاں کا رنگ ڈھنگ، طرز معاشرت اور زبان مختلف تھی وہاں پہونچکر اسلامی تعلیمات، عقائد، معاملات، عبادات کی اہمیت کو مختلف الفاظ مثلاً فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام وغیرہ سے ظاہر کرنا پڑا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ لوگ امور دینیہ کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہتے

چونکہ ان مفتوحہ ممالک (ایران، شام، عراق، مصر، ایشیائے کوچک) تک حضرات صحابہ رضہ پہونچ چکے تھے اور انہوں نے وہاں کی بود و باش بھی اختیار کرلی تھی۔ اس لئے احکامات اسلامی کے لئے یہی لوگ مرجع قرار پائے۔ ان

حضرات نے قرآن وسنت کی خوب اشاعت کی اور اسی کو احکامات میں اپنا مرجع بنایا لیکن اختلاف ادوار اور ضروریات زندگی کے ابھار کے باعث انہیں جو چیزیں پیش آئیں ان کا جواب انہوں نے قرآن وحدیث کی علل مستنبط کے ذریعہ دیا خلیفہ وقت کی طرف سے بھی اپنے مقررہ عمال کو یہی حکم تھا حضرت عمر رض نے اپنے ایک عامل کو تحریر فرمایا :-

> اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرو بالخصوص اس مسئلہ میں جو تمہارے دل میں موجب تردد ہو۔ اگر قرآن وسنت سے تم کو وہ بات نہ معلوم ہو تو ایسے موقعہ پر ملتے جلتے ایک دوسرے سے مشابہ مسائل کو پہچانو پھر مسائل میں قیاس سے کام لو اور جو جواب تم کو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے زیادہ قریب نظر آئے اسکو اختیار کرو[1]

لہذا حضرات صحابہ رض نے یہی کیا اور یہ ظاہر ہے قیاس میں اختلاف ضرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں سب کا ایک ہی قیاس ہو۔ اگر پورا قرآن پاک تمام صحابہ رض کو یاد بھی ہو لیکن سنن نبویہ کے بارے میں تو یہ نہیں کہا جا سکتا اس لئے جوابات میں اختلاف ناگزیر تھا پھر احکامات اور مسائل بتلانے والے ایک دو صحابی نہیں تھے بلکہ ایک بڑی جماعت تھی جن میں سے بعض کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعض کے بہت ہی کم۔ سطور ذیل میں ان حضرات صحابہ رض کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے جو کثیر الفتاوی تھے یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر ان کے تمام فتاوے کو یکجا کر لیا جائے تو بڑی بڑی کتابیں بن جائیں گی

حضرات صحابہ میں اہل افتاء

۱۔ حضرت عمر رض
۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رض
۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض۔ ۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض
۵۔ حضرت زید بن ثابت۔ ۶۔ حضرت ابن عباس رض، ۷۔ حضرت ابن عمر رض

---

[1] تاریخ علم الفقہ، فقہ الاسلام ص۲۱۳ مطبوعہ کراچی

ان سات حضرات کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کے علاوہ بیس صحابہ رض وہ ہیں کہ جن کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں لیکن کم بھی نہیں ہے مثلاً

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رض
۲۔ حضرت ام سلمہ رض
۳۔ حضرت انس رض
۴۔ حضرت ابوہریرہ رض
۵۔ حضرت عثمان رض
۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض
۷۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رض
۸۔ حضرت ابوموسی اشعری رض
۹۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رض
۱۰۔ حضرت سلمان فارسی رض
۱۱۔ حضرت جابر رض
۱۲۔ حضرت معاذ بن جبل رض
۱۳۔ حضرت ابوسعید خدری رض
۱۴۔ حضرت طلحہ رض
۱۵۔ حضرت زبیر رض
۱۶۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رض
۱۷۔ حضرت عمران بن حصین رض
۱۸۔ حضرت ابوبکرہ رض
۱۹۔ حضرت عبادہ بن الصامت رض
۲۰۔ حضرت امیر معاویہ رض [۱]

ان حضرات کے علاوہ ۱۲۲ صحابہ رض رہ ہیں جن میں سے بعض حضرات کے صرف ایک یا دو ہی فتوے ہیں اسی وجہ سے انکو اس فہرست میں داخل نہیں کیا گیا۔

یہ حضرات صحابہ رض پوری اسلامی قلمرو میں پھیلے ہوئے تھے اور تعلیم دین، احکامات دین کی نشر و اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ سنہ ۱۱۰ھ میں ان میں سے آخری فرد حضرت ابوالطفیل نے انتقال کیا اب احکامات کی نشر و اشاعت کا کام انکے شاگردوں (تابعین) نے شروع کر دیا چنانچہ اس زمانہ میں سات مقامات ایسے تھے جہاں تعلیمات دین کے لئے بڑی درسگاہیں اور دارالافتاء قائم تھے ان مقامات پر بڑے بڑے جید تابعی موجود تھے اور کام کر رہے تھے وہ سات مقامات یہ ہیں:۔

(۱) مدینہ منورہ (۲) مکہ معظمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) دمشق (شام)
(۶) مصر (۷) یمن

---

[۱] تاریخ الفقہ ص۲۷

کوفہ کی درسگاہ

کوفہ کے متعلق تفصیلی حالات تو ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے اس لئے ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے سنہ ۱۲۰ھ سے قبل امام ابو حنیفہؒ کی حیثیت ایک طالب علم کی تھی، لیکن سنہ ۱۲۰ھ میں امام حماد کے انتقال کے بعد امام صاحب ایک مستقل معلم اور مفتی اور کوفہ کی درسگاہ کے صدر نشین ہو گئے۔

امام صاحب چونکہ نہایت فہیم و ذکی تھے انہوں نے سوچا اب علم کسی ایک جگہ اور ایک فرد کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ اطراف عالم میں منتشر ہو چکا ہے اس کو اگر یکجا نہ کیا گیا تو وہ ضائع ہو جائے گا یا پہلی امتوں کی طرح اس کی اصل صورت بدل جائے گی۔ پھر انکی نظروں کے سامنے واضعین حدیث کے تصرفات موجود تھے امام صاحب یہ بھی جانتے تھے کہ اختلاف زمان و احوال اور حوائج کیوجہ سے ایک صدی میں بڑا تغیر ہو چکا ہے تو آئندہ ادوار میں یہ تغیر نہیں رک سکتا اس لئے اس علم کو یکجا کرنا چاہئے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایسا دستور العمل مرتب کر دینا چاہئے جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو اس لئے اسلامی قانون کی تدوین اور اس کے اصول کا متعین کرنا ضروری ہوا۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آج سے پہلے جو افراد تھے وہ آج نہیں ہیں زمانہ انحطاط کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے آج جو جبال العلوم ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہیئے اور جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کے آثار سے استفادہ کرنا چاہیئے اور انکو اصول و ضوابط کے تحت مبوب، مرتب، مدون کر دینا چاہیئے لہذا امام صاحب نے سنہ ۱۲۰ھ ہی سے اپنی درسگاہ کو اس نہج پر چلایا اور تدوین کا کام شروع کر دیا درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے اس کام کو بند بھی کر دیا تھا لیکن سنہ ۱۳۲ھ سے پھر پابندی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا اور بالآخر سنہ ۱۵۰ھ تک اس کام کو پورا کر دیا

فجزاہ اللہ عنی و عن جمیع المسلمین الی یوم القیامۃ خیرا و احسن الجزاء

ضرورت تدوین فقہ

سطور بالا سے اجمالاً اگرچہ ضرورت تدوین فقہ پر کچھ روشنی پڑ چکی ہے لیکن قدرے تفصیل اسجگہ کی جا رہی ہے۔

حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ اور سیدنا عمر فاروق رضؓ کے دور خلافت میں تمام مسلمان متحد تھے۔ مذہبی اختلافات بھی زیادہ نہیں تھے بلکہ نفی کے درجہ میں تھے لیکن حضرت عثمان غنی رضؓ کے آخری عہد خلافت میں سیاسی فتنے شروع ہو گئے جنہوں نے آگے چلکر مذہبی صورت اختیار کر لی۔ حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں ان فتنوں نے خونی صورت اختیار کر لی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت راشدہ کے بعد ہی مسلمانوں میں سیاسی بنیاد پر مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں چنانچہ خارجی اور شیعہ ان دونوں فرقوں کا وجود عمل میں آگیا

بنی امیہ کے وسطی دور حکومت میں علمائے اسلام کی بھی دو جماعتیں بن گئیں ایک اہل حدیث جو صرف ظاہر حدیث پر عمل کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے تھے قیاس اور رائے ان کے یہاں حرام کا درجہ رکھتے تھے، اس خیال کے تین گروہ تھے (۱) معتزلہ، اس کا سربراہ نظام معتزلی ہے (۲) امامیہ شیعہ، (۳) ظاہری، اس کا سربراہ داؤد بن علی الظاہری ہے۔ نظام پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا انکار کیا۔ ابوالقاسم بغدادی لکھتے ہیں:۔

جہاں تک مجھے علم ہے نظام سے پہلے کسی نے قیاس کا انکار نہیں کیا تھا[1]

ان کے علاوہ دیگر تمام علماء قیاس کو دلیل شرعی مانتے ہیں اسکے لئے ان حضرات نے اصول مرتب کئے اس باب میں عراق میں ابراہیم نخعی اور حجاز میں امام مالک کے استاذ ربیعۃ الرائے اس زمانے کے مشہور عالم ہیں ابراہیم نخعی کے بعد امام حماد اور ان کے بعد امام ابوحنیفہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان حضرات نے روایت اور درایت کو یکجا کر دیا۔

---

[1] فقہ الاسلام صفہ ۲۳

پہلی صدی کے آخر میں روایت حدیث کی کثرت اور واضعین کے فتنے نے بھی مسائل میں اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ یہ فتنہ اتنا بڑا تھا کہ جس میں احادیث کے ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو چلا تھا۔ عین اسی موقعہ پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور فوراً ہی تدوین حدیث کا کام شروع کر کے تحفظ حدیث کا بندوبست کر دیا۔

دوسری صدی کے شروع میں اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان ایک سخت نزاع پیدا ہو گیا، چنانچہ سوال پیدا ہوا کہ "حدیث" فقہ اسلام کی اصل اور قرآن کی متمم ہے یا نہیں پھر کثرت احادیث کی وجہ سے احادیث کی نوعیت میں اختلاف پیدا ہوا، قیاس اور استحسان کے ذریعہ استخراج مسائل میں اختلاف پیدا ہوا اجماع کے اصل شرعی ہونے میں اختلاف، نہی اور امر کے صیغوں سے استنباط احکام میں اختلاف، غرضکہ دوسری صدی ہجری کے ربع الاول میں علم کے ہر گوشہ میں اختلاف موجود تھا۔

عام مسلمان قاضیوں کے مختلف فیصلوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے چنانچہ ابن المقفع نے خلیفہ ابوجعفر منصور کو اپنے خط میں لکھا ہے :-

> عدالتوں میں بدنظمی چھائی ہوئی ہے، ان میں کسی مشہور قانون کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے اپنے اجتہاد پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شہر میں متضاد احکام صادر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ کے ایک علاقہ میں بعض لوگوں کی جان و مال اور عصمت کے خلاف فیصلہ دیا جاتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دوسرے قاضی کے فیصلہ کے مطابق اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے [1]

وجہ اس کی یہی تھی کہ کوئی قانون مدوّن نہیں تھا۔ امام صاحب نے اسی قسم کی موجودہ

---

[1] فقہ الاسلام ص ۳۲۷ یہ حالات ۱۳۰ھ کے ہیں اسکے بعد سے امام صاحب نے پابندی کیساتھ تدوین کے کام کو جاری کیا

اور آئندہ ضروریات کو محسوس کیا اور قانون اسلامی کو مدوّن کرنا شروع کر دیا اور امت مسلمہ پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر بڑا احسان فرمایا اسی وجہ سے قانون سازی کی تاریخ میں امام ابو حنیفہ کا نام سرفہرست ہے اور قانون ساز اسمبلیوں کیلئے اس فرزند جلیل کی ہدایات منارۂ نور ہیں۔

کیفیت تدوین فقہ

تدوین فقہ کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ مسئلہ زیر غور آیا کہ اس مجلس کو کس جگہ قائم کرنا چاہئے بہت غور و فکر کرنے کے بعد کوفہ کو ترجیح دی گئی کیونکہ کوفہ اس کام کے لئے بہت عمدہ صلاحیت رکھتا تھا مختلف عربی و عجمی تہذیبیں وہاں موجود تھیں قسم قسم کے مسائل وہاں اٹھتے رہتے تھے اہل علم بھی بہت تھے اس کے علاوہ عرب کے دوسرے شہروں کی تہذیب خالص عربی و سادہ تھی اور ایک قانون ساز کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا کی تہذیبوں کو بنظر غائر مطالعہ کرے اور ان سے پیدا شدہ مسائل و ضروریات و حوائج کے ابھار کو ہرگز نظر انداز نہ کرے. آج بھی جو لوگ بسم اللہ کے گنبد میں محصور ہو کر پرانی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور عرف عامہ اور رواجات زمانہ سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں وہ دین کا مذاق اڑا رہے ہیں انہیں ہرگز یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ لوگوں کی زندگیوں پر حرام حلال کے فتوے صادر کریں میرے نزدیک وہ فقہ حنفی کے مزاج سے یکسر جاہل ہیں وہ وقت دور نہیں ہے کہ ان نام نہاد مفتیوں کے ہاتھوں سے قلم لیکر توڑ دیا جائے گا۔

بہر حال کوفہ میں یہ سب چیزیں موجود تھیں اور امام صاحب نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا تھا اسکے لئے بھی ضرورت ایسی ہی جگہ اور ہوشیار افراد کی تھی اسلئے انہوں نے ایک مجلس شوریٰ جو مجلس مباحثہ تھی کو مرتب کیا علامہ موفق فرماتے ہیں۔

فوضع ابوحنیفۃ مذھب	امام صاحب نے اپنے مسلک کو شوریٰ
شوریٰ بینھم لم یستبد فیہ	پر رکھا اور مجلس سے کٹ کر فقہ کو مرتب

۱ے موفق ص۱۳۳ ج ۲

بنفسہ دو نمو نے   اپنی ذات پر موقوف نہیں رکھا

چنانچہ امام صاحب نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہر فن اشخاص منتخب کیے۔ امام طحاوی نے بسند متصل بیان کیا ہے کہ اس مجلس کے اراکین کی تعداد چالیس تھی یہ سب کے سب حضرات درجہ اجتہاد کو پہونچے ہوئے تھے ان چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور مجلس خصوصی تھی جس کے رکن امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، احمد بن عمر، یوسف بن خالد، یحیی بن زائدہ، امام محمد عبداللہ بن مبارک اور خود امام ابو حنیفہؒ تھے۔ مجلس تدوین فقہ کے متعلق وکیع بن الجراح مشہور محدث فرماتے ہیں:۔

امام ابو حنیفہ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر، محمد جیسے لوگ قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحیی بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان، مندل جیسے ماہرین حدیث ان کے ساتھ تھے اور لغت اور عربیت کے ماہر قاسم بن معن یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی فضیل بن عیاض، زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری رکھنے والے حضرات موجود تھے، لہٰذا جس کے رفقاء کار اور ہمنشین ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا، کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ واپس کرنے والے تھے [۲]

امام ابو حنیفہ نے استنباط مسائل کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً کتاب اللہ پھر سنت نبویہ پھر آثار صحابہؓ اور اس کے بعد قیاس، امام صاحب کی نظر احادیث کے بارے میں بہت دور بین تھی وہ حدیث کے قوی، ضعیف، مشہور، احاد کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آخری امر جس پر جناب رسول اللہ صلعم کا وصال

---

[۱] الجواہر المضیہ ص۱۳۲ ج ۱ ستفرق [۲] جامع المسانید ص۳۳ ج۱

ہوا ہے وہ کیا تھا۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ رضہ کی احادیث میں اختلاف ہوتا تو بر بنائے فقہ افقہ کی روایت کو ترجیح دیتے تھے۔

مسائل کے استنباط میں امام صاحب اسی مذکورہ ترتیب کے ساتھ استحسان، مصالح مرسلہ ضروریات کو بھی پیش نظر رکھتے تھے اور سوچ سوچ کر اس قسم کے جزئیات پر بحث کرتے تھے کہ جن کا اب تک وجود نہیں ہوا تھا امام صاحب فرماتے ہیں:۔

اہل علم کو چاہیئے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان کو بھی سوچ لیں۔ تاکہ اگر واقعہ ہی ہو جائے تو انہیں انوکھی بات نظر نہ آئے کہ جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں بلکہ معلوم رہنا چاہیئے کہ ان امور میں اگر کسی کو مبتلا ہی ہونا پڑے تو شرعاً ابتلا کے وقت کیا کرنا چاہیئے اور مبتلا ہونے کے وقت شریعت نے کیا صورت بتلائی ہے [۱]

اسی وجہ سے قیس بن ربیع مشہور محدث کہتے ہیں:۔

کان ابو حنیفۃ اعلم	امام صاحب ان مسائل کو بھی سب
الناس بما لم یکن [۲]	زیادہ جانتے تھے کہ جن کا وجود نہیں ہوا تھا

اسی وجہ سے امام صاحب نے مجلس تدوین میں ان تمام مسائل پر بحث فرمائی ہے کہ جن کے وقوع کا امکان ہو سکتا تھا آپ کے گرد تلامذہ کا مجمع ہوتا تھا اور آپ جزئیات پیش کیا کرتے اور جواب حاصل کرتے اگر سب کا جواب ایک ہی ہوتا تو مسئلہ اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا تھا ورنہ پھر بحث کا سلسلہ جاری رہتا اور جو بھی آخر میں فیصلہ ہوتا وہی بات قرار پا جاتی۔

خدمت کتابت اسد بن عمر، یحییٰ بن زکریا بن زائدہ اور امام ابو یوسف کے سپرد تھی اختلافات کے ساتھ بحث کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا کبھی کبھی

---

[۱] موفق ص۶۰ [۲] ایضاً

ایک ایک مسئلہ پر مہینے گذر جاتے تھے. امام صاحب خاموش رہتے اور تقریریں سنا کرتے تھے البتہ کبھی کبھی بیچ میں یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے

فبشر عبادی الذین یستمعون	آپ میرے ان بندوں کو بشارت
القول ویتبعون احسنہ	دیجئے جو بات سنتے ہیں اور احسن
الآیتہ	قول کا اتباع کرتے ہیں

جب کلام بہت طویل ہو جاتا تو امام صاحب اپنی تقریر شروع فرماتے تھے اور ایسا محکم فیصلہ فرماتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا تھا. کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تھے تو اس صورت میں سب کے اقوال قلم بند کر لئے جاتے تھے اس کا بھی التزام تھا کہ جب تک شوریٰ کے خصوصی اراکین جمع نہ ہوں کوئی مسئلہ طے نہ کیا جائے چنانچہ الجواہر المضیئہ کے مصنف عافیہ بن یزید کے تذکرے میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد آپس میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ ذرا عافیہ کو آنے دو. جب وہ آجاتے اور مسئلہ سے اتفاق کرتے تب مسئلہ قلم بند کیا جاتا تھا اور جب کوئی مسئلہ حل ہو جاتا تو فرط مسرت سے سب مل کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے.

تقریباً ۲۲ سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی کو مدون کر لیا تھا یہ کتابیں کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئیں یہ مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا جس میں سے ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات و عقوبات سے تھا ان ہی مسائل کے ضمن میں دقائق نحو اور حساب بھی مذکور تھے جن کے سمجھنے کے لئے عربیت اور حساب کے ماہر کی ضرورت ہے [1]

اس مجموعہ کی ترتیب اسطرح تھی باب الطہارت، باب الصلوۃ، عبادات

---

[1] موفق ص۱۳۳ ج ۲ [2] جامع المسانید ص۲۵

کے بعد دوسرے ابواب اور ان کے بعد معاملات اور عقوبات کے ابواب تھے آخر میں باب المیراث تھا۔ چنانچہ مروجہ تمام کتب حنفیہ اسی ترتیب پر آج بھی موجود ہیں۔

یہ مجموعہ اگرچہ ۱۴۴ھ سے پہلے مرتب ہو چکا تھا مگر بعد میں اسمیں اضافے ہوتے رہے کیونکہ جب امام صاحب کو کوفہ سے بغداد جیل میں منتقل کر دیا گیا تو یہ سلسلہ برابر جاری رہا امام محمد کا امام صاحب کی مجلس سے تعلق وہیں سے ہوا ہے۔ اضافہ کے بعد اس مجموعہ کی تعداد ۵۰ لاکھ مسائل ہو گئی تھی[۱] حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:۔

کتبت کتب ابی حنیفة	میں نے امام صاحب کی کتابوں کو
غیر مرة کان یقع فیها	متعدد بار لکھا ہے انمیں اضافے بھی
زیادات فاکتبها[۲]	ہوتے رہے میں ان اضافوں کو بھی لکھتا تھا

اس مجموعہ کو امام صاحب کے زمانے ہی میں شہرت حاصل ہو گئی تھی اس کے جس قدر اجزار تیار ہو جاتے تھے ہاتھوں ہاتھ چلے جاتے تھے عدالتوں میں قضاۃ نے سرکاری طور پر ان اجزار کو رکھوالیا تھا۔ جب یہ مجموعہ بالکل تیار ہو گیا تو امام صاحب نے اپنے تمام شاگردوں کے سامنے ایک تقریر فرمائی

امام صاحب کی تقریر میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے تمہاری ہستیوں میں میرے حزن وغم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ فقہ (قانون اسلامی) کی زین کس کر تم لوگوں کے لئے تیار کر چکا ہوں اس کے منھ پر تمہارے لئے لگام بھی چڑھا چکا ہوں اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ تلاش کرینگے میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا

---

[۱] جامع المسانید ص۳۵ [۲] ایضاً

اور ہموار کر دیا اب وقت آگیا ہے کہ تم سب لوگ علم کی حفاظت میں میری مدد کرو تم سب میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عہدۂ قضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ان میں سے دس آدمی ایسے ہیں جو قاضی نہیں بلکہ ان کے معلم بھی بن سکتے ہیں میں تم سب کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور علم کا جو کہ تم کو ملا ہے اسکی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا، اور اگر تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونا پڑے تو میں یہ کہے دیتا ہوں کہ ایسی کمزوریوں کا جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں جو لحاظ کرے گا اس کا فیصلہ جائز نہ ہوگا نہ اسکے لئے خدمت قضا حلال ہے اور نہ اس کی تنخواہ لینا حلال۔ قضا کا عہدہ اس وقت درست ہے جب قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو اسی قضاء کی تنخواہ حلال ہے بہر حال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک کی چیزوں مثلاً دربان وغیرہ کو حائل نہ ہونے دینا پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھنا ہمیشہ لوگوں کی حاجت پوری کرنے کو تیار رہنا۔ امام یعنی مسلمانوں کا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویے کو اختیار کر لے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے [1]

امام صاحب کا یہ مدوّن شدہ قانون اس وقت کے تمام علما اور والیانِ ریاست کے کام آیا۔ عدالتوں میں سرکاری طور سے اسکو داخل کر لیا گیا۔ یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں۔

قضی بہ الخلفاء والائمۃ و الحکام واستقر علیہ الامر [2]	خلفاء، حکام، ائمہ، امام صاحب کے مدوّن کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے اور آخر اسی پر عمل ہونے لگا

---

[1] معجم المصنفین ص ۵۵ ج ۲ [2] موفق ص ۶۷ ج ۲

شرکا تدوین فقہ

۱	امام زفر	م	سنہ ۱۵۸ھ
۲	امام مالک بن مغول	م	سنہ ۱۵۹ھ
۳	امام داؤد طائی	"	سنہ ۱۶۰ھ
۴	امام مندل بن علی	"	سنہ ۱۶۸ھ
۵	امام نصر بن عبدالکریم	"	سنہ ۱۶۹ھ
۶	امام عمرو بن میمون	"	سنہ ۱۷۱ھ
۷	امام حبان بن علی	"	سنہ ۱۷۲ھ
۸	امام ابوعصمہ	"	سنہ ۱۷۳ھ
۹	امام زہیر بن معاویہ	"	سنہ ۱۷۳ھ
۱۰	امام قاسم بن معین	"	سنہ ۱۷۵ھ
۱۱	امام حماد بن الامام اعظم	"	سنہ ۱۷۶ھ
۱۲	امام ہیاج بن بسطام	"	سنہ ۱۷۷ھ
۱۳	امام شریک بن عبداللہ	"	سنہ ۱۷۸ھ
۱۴	امام عافیہ بن یزید	"	سنہ ۱۸۰ھ
۱۵	امام عبداللہ بن مبارک	"	سنہ ۱۸۱ھ
۱۶	امام ابویوسف	"	سنہ ۱۸۲ھ
۱۷	امام محمد بن نوح	"	سنہ ۱۸۲ھ
۱۸	امام ہشیم بن بشیر السلمی	"	سنہ ۱۸۳ھ
۱۹	امام ابوسعید یحیی بن زکریا	"	سنہ ۱۸۴ھ
۲۰	امام فضیل بن عیاض	"	سنہ ۱۸۷ھ
۲۱	امام اسد بن عمرو	"	سنہ ۱۸۸ھ
۲۲	امام محمد بن الحسن	"	سنہ ۱۸۹ھ
۲۳	امام علی ابن سہر	"	سنہ ۱۸۹ھ

۲۴	امام یوسف بن خالد	م	۱۸۹ھ
۲۵	امام عبداللہ بن ادریس	"	۱۹۲ھ
۲۶	امام فضل بن موسیٰ	"	۱۹۲ھ
۲۷	امام علی بن ظبیان	"	۱۹۲ھ
۲۸	امام حفص بن غیاث	"	۱۹۴ھ
۲۹	امام وکیع بن الجراح	"	۱۹۷ھ
۳۰	امام ہشام بن یوسف	"	۱۹۷ھ
۳۱	امام یحییٰ بن سعید القطان	"	۱۹۸ھ
۳۲	امام شعیب بن اسحاق	"	۱۹۸ھ
۳۳	امام ابوحفص بن عبدالرحمٰن	"	۱۹۹ھ
۳۴	امام ابومطیع بلخی	"	۱۹۹ھ
۳۵	امام خالد بن سلیمان	"	۱۹۹ھ
۳۶	امام عبدالحمید	"	۲۰۳ھ
۳۷	امام حسن بن زیاد	"	۲۰۴ھ
۳۸	امام ابوعاصم النبیل	"	۲۱۲ھ
۳۹	امام مکی بن ابراہیم	"	۲۱۵ھ
۴۰	امام حماد بن دلیل	"	۲۱۵ھ[له]

ان حضرات پر مختصراً بھی کچھ لکھنا ایک مستقل تصنیف کو دعوت دینا ہے۔ اسلئے ان کے حالات سے گریز کیا جا رہا ہے ہاں اتنا عرض ہے کہ ان حضرات کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

کتب فقہ ابی حنیفہ اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی یا دستور اسلامی کے مؤلف اول امام ابوحنیفہ رہی ہیں اور دیگر

له امانی الاحبار، الجواہر المضیہ

ائمہ آپکے خوشہ چیں ہیں اور سب ہی نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے دور تدوین کے ان آثار علمیہ کے بارے میں علامہ شبلی نے فرمایا ہے :۔

غالبًا یہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود الجمان کے مصنف نے کتاب الصیانتہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صاحب نے جس قدر مسائل مدوّن کئے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوّے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کروری نے لکھا ہے یہ مسائل ۶ لاکھ تھے یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے [۱]

لیکن افسوس کہ اس مجموعہ کا کیا نام تھا یہ معلوم نہیں ہوسکا، البتہ اقدمین کی کتابوں میں امام صاحب کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ کوثری نے لکھا ہے کہ کتاب الرائے، کتاب اختلاف الصحابہ رض، کتاب الجامع، کتاب السیر، کتاب الاوسط، الفقہ الاکبر، العالم والمتعلم، کتاب الرد علی القدریہ، رسالۃ الامام الی عثمان البتی، چند مکتوبات بطور وصایا، امام صاحب کے علمی تحفے ہیں۔ اور امام صاحب کا فقہی مجموعہ امام ابویوسف اور امام محمد کے قلم سے آج بھی بعینہ موجود ہے ان کتابوں کا نام جو کتب فقہ ابی حنیفہ رح کے نام سے موسوم ہیں سطور ذیل میں درج کیا جارہا ہے

کتب ظاہر الروایۃ

اس میں چھ کتابیں شمار ہوتی ہیں :۔

۱۔ **جامع صغیر**۔ اس کتاب میں امام محمد نے امام ابویوسف کی روایت سے امام صاحب کے تمام مسائل جمع کئے ہیں اس کتاب کے مسائل کی تعداد ۵۳۲ ہے جن میں سے ۱۷۰ مسائل سے امام محمد نے اختلاف بھی کیا ہے اس کتاب کی چالیس شروحات لکھی گئی ہیں [۲]۔

---

[۱] سیرت النعمان ص ۱۰۹ [۲] الجواہر المضیئہ ص ۴۲۹ ج ۲

جن میں سے خاص شرح یہ ہیں

۱۔ ابو اللیث سمرقندی ۲۔ صدر الاسلام بزدوی ۳۔ فخر الاسلام علی بزدوی ۴۔ شمس الائمہ سرخسی ۵۔ الصدر الشہید حسام الدین ۶۔ علامہ الاسبیجابی ۷۔ برہان الدین صاحب المحیط ۸۔ ابوبکر رازی ۹۔ علامہ العتابی ۱۰۔ علامہ تمر تاشی ۱۱۔ احمد بن اسماعیل ۱۲۔ علامہ المحبوبی۔ ۱۳۔ ابو المعین النسفی ۱۴۔ فخر الدین خاں ۱۵۔ بدر الدین عمر۔ ۱۶۔ صاحب الہدایہ [۱]

جامع صغیر کو محمد بن سماعہ اور عیسیٰ بن ابان نے امام محمد سے روایت کیا ہے اس کتاب کی تبویب قاضی ابو طاہر محمد بن محمد الدبوسی نے کی ہے ہندوستان میں مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے حاشیہ کیساتھ طبع ہوئی ہے۔

جامع کبیر:۔

یہ کتاب بھی جامع صغیر کیطرح ہے مگر اس میں مسائل زیادہ ہیں اس کتاب میں امام صاحب کے اقوال کے علاوہ امام ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ہر مسئلہ کی دلیل بھی موجود ہے بعد کے فقہاء نے اصول فقہ کے مسائل اسی کتاب سے اخذ کئے ہیں اسی کتاب کے شراح بھی بہت ہیں مثلاً:۔ ۱۔ قاضی ابو خازم ۲۔ الامام علی القمی، ۳۔ امام ابوبکر بلخی ۴۔ شیخ ابوبکر رازی جصاص ۵۔ ابو عبداللہ جرجانی ۶۔ ابو اللیث سمرقندی ۷۔ الامام المسعودی ۸۔ امام ابو الفضل کرمانی ۹۔ قاضی ابو زید الدبوسی ۱۰۔ امام برہان الدین ۱۱۔ شمس الائمہ حلوائی ۱۲۔ الصدر الشہید حسام الدین ۱۳۔ شمس الائمہ السرخسی ۱۴۔ فخر الاسلام البزدوی ۱۵۔ صدر الاسلام البزدوی ۱۶۔ قاضی الارسانیدی ۱۷۔ امام العتابی ۱۸۔ شیخ الاسلام علاؤ الدین سمرقندی

---

[۱] تاریخ الفقہ

۱۹- فخر الدین قاضی خاں ۲۰- امام ظہیر الدین ۲۱- جمال الدین الحصیری

۲۲- صدر الاسلام مجد الدین ۲۳- الامام السبیجابی [۱]

اسی جامع کبیر کو پڑھ کر ایک نصرانی مسلمان ہوگیا تھا اس نے کہا تھا کہ جب مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا یہ حال ہے تو بڑے محمد کا کیا حال ہوگا۔

۳- مبسوط :-

یہ امام محمد کی سب سے پہلی کتاب ہے اصل کے نام سے مشہور ہے اس میں امام محمد نے ایسے ہزاروں مسائل جمع کئے ہیں جن کا امام صاحب نے جواب دیا ہے اور وہ مسائل بھی ہیں جن میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اختلاف کیا ہے۔ اس کتاب میں امام محمد کی یہ عادت ہے کہ پہلے آثار پھر ان سے ماخوذ مسائل اور آخر میں ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلے کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں۔

۴- زیادات :-

اس کتاب میں وہ مسائل ہیں جو جامع صغیر اور جامع کبیر میں درج ہونے سے رہ گئے تھے

۵- السیر الصغیر :-

اس کتاب میں حکومت و سیاست اور جہاد کے مسائل ہیں جب اس کتاب کو امام اوزاعی نے دیکھا تو پسند کیا اور طنز بھی کیا اور کہا اہل عراق کو سیر سے کیا واسطہ۔ امام محمد نے جب یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھ ڈالی

۶- السیر الکبیر :-

یہ کتاب ۱۶۰ اجزاء پر مشتمل ہے جب امام محمد اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو خلیفہ وقت اور امام اوزاعی نے اس کتاب کو بہت زیادہ پسند کیا۔ علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ یہ امام محمد کی سب سے آخری کتاب ہے

اعلم ان السیر الکبیر سیر کبیر امام محمد کی فقہ میں آخری

آخر تصنیف صنعہ محمد   کتاب ہے۔

فی الفقہ [1]

یہ کتابیں مذہب حنفیہ کی اصل ہیں۔ چوتھی صدی کے آغاز میں ابو الفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بحاکم شہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں کتب ظاہر الروایۃ کے تمام مسائل جمع کر دیے ہیں، امام سرخسی نے اس کتاب کی ۳۰ جلدوں میں شرح لکھی جو اب مبسوط کے نام سے مشہور ہے

کتب نوادر :-

کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ امام محمد کی دیگر کتب فقہ کو نوادرات کہتے ہیں۔ اس میں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد نوادر ابن رستم وغیرہ داخل ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث وفقہ میں حضرات صاحبین کی متعدد کتابیں مثلاً کتاب الآثار، کتاب البیع، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلے الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الآثار امام ابو یوسف، موطا امام محمد وغیرہ داخل ہیں۔

---

[1] الطرق الحکمیہ صـ۱۲ اس کتاب کو میں نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں مطالعہ کیا ہے یہ عبارت اسی مطالعہ کی یادگار ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب ششم

اجتہاد اور تقلید

ماخذ وحوالہ جات

۱- جمع الفوائد — از علامہ ابن اثیر جذری
۲- نور الانوار — از ملا جیون
۳- تفسیر مظہری — از علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۴- فقہ الاسلام — از علامہ الخطیب حسین احمد مصری
۵- فتح القدیر — از امام ابن ہمام
۶- عقد الجید — از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۷- حجۃ اللہ البالغہ — " " " " " "
۸- ترجمان السنۃ — از مولانا بدر عالم میرٹھی
۹- سہ روزہ مدینہ — بجنور
۱۰- معارف — اعظم گڈھ
۱۱- ترجمان القرآن — از مولانا آزاد
۱۲- رد المحتار — از علامہ ابن عابدین
۱۳ اوشحۃ الجید — از علامہ شوق نیموی۔

اجتہاد اور تقلید

اسلام میں اجتہاد کی ابتدا آنحضرت صلعم کے وقت سے ہے لہذا اجتہاد کو امر محدث یا بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ اس پر شاہد ہیں اور خود آنحضرت صلعم اور حضرات صحابہؓ کا اجتہاد کرنا ثابت ہے چنانچہ :-

۱- جناب رسول اللہ صلعم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم مقرر فرما کر بھیجا تو دریافت کیا اے معاذ! تم کسطرح فیصلے کروگے عرض کیا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے اور پھر اجتہاد کروں گا۔

اجتهد فيه برائى	پھر میں اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔

آپ نے حضرت معاذ بن جبل کی تصویب فرمائی۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اجتہاد کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی مسئلہ میں نصوص موجود نہ ہوں

۲- ایک عورت خثعمیہ قبیلے سے تعلق رکھتی تھی وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میرا باپ بوڑھا ہے اور اس کے اوپر حج فرض ہو گیا لیکن وہ اس کی ادائیگی پر قادر نہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کرسکتی ہوں آپ نے ارشاد فرمایا :-

ارايت لوكان على ابيك دين فقضيته اما كان	تیرا کیا خیال ہے اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اس کو ادا

بجزیۂ نقالت بلے نقال	کردے تو گویا تیری ادائیگی کافی
علیہ السلام فدین اللہ	ہوگی، اس نے کہا بیشک! آپنے
احق بالقضاء الحدیث[1]	فرمایا اللہ کا قرض بطریق اولے
	ادا ہو جائے گا۔

اس واقعہ میں حضور صلعم نے حج کو حقوق مالیہ پر قیاس کیا ہے

۳۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے دریافت کیا گیا، ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے بلا مہر کے ہوگیا اور قبل دخول اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا کیا اس عورت کے لئے مہر ہے؟ حضرت ابن مسعود نے ایک ماہ کے بعد ارشاد فرمایا:۔

لہا مہر مثلہا	اس کے لئے مہر مثل ہے

ان تصریحات اور نصوص سے ثابت ہے کہ اجتہاد دین میں امر محدث نہیں ہے حضرات صحابہ رض انفرادی اور اجتماعی طور پر مسائل کو حل کرتے رہتے تھے مگر یہ اسی وقت ہوتا تھا جب کوئی آیت یا حدیث سے مسئلہ کا جواب نہ دیا جاسکتا ہو یعنی نصوص شرعیہ موجود نہ ہوں تب نصوص شرعیہ کی علت کے تحت جواب دیا جاتا تھا اسی فعل کو حنفیہ قیاس یا اجتہاد کہتے ہیں:۔

القیاس فی اللغۃ التقدیر	قیاس لغت میں اندازے کو کہتے
وفی الشرع تقدیر الفرع	ہیں اور شریعت میں فرع کو اصل
بالاصل فی الحکم والعلۃ[2]	پر اور حکم کو علت پر اندازہ کرنے
	کو کہتے ہیں۔

امام صاحب کا اس معاملہ میں یہی مسلک ہے وہ حتی الامکان حدیث اور آثار صحابہ رض کو نظر انداز نہیں کرتے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

اترکو اقولی بخبر رسول اللہ	میرا قول حدیث رسول اور آثار صحابہ

---

[1] جمع الفوائد [2] نور الانوار

صلعم وقول الصحابة ونقل — کے مقابلہ میں ترک کردو اور ان
امنقال اذا صح الحدیث — سے یہ بھی منقول ہے جب حدیث
فهو مذهبی ؎۱ — صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے

چنانچہ اجتہادی مسائل میں قول صحابی قیاس کے مقابلہ میں مقدم ہے امام صاحب کا ارشاد ہے کہ کسی اہم معاملہ میں صحابی کا فتویٰ محض اپنی رائے پر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل ہوگی جیسے زید بن ارقم کا اپنی ام ولد کے ہاتھ اُدھار غلام بیچنا اور حضرت عائشہ رض کا اس بیع کو ناجائز قرار دینا، جمعہ کے لئے اذان ثانی جس کو حضرت عثمان رض نے شروع کیا وغیرہ یہی مسلک امام مالک کا ہے اور امام شافعی صاحب کا بھی مسلک قدیم یہی ہے حنفیہ میں سے صرف علامہ کرخی نے اختلاف کیا ہے۔ الحاصل اجتہاد کا اسلام نے دروازہ بند نہیں کیا بلکہ اس نے اجتہاد کی اجازت دی ہے۔ ہاں اس کے لئے کچھ شرائط مقرر کردیئے ہیں کون اجتہاد کر سکتا ہے؟ اور کس وقت اجتہاد کرنا چاہیئے۔ ان چیزوں کو ہم آئندہ سطور میں بیان کر رہے ہیں۔

تقلید کی ابتداء

یہ بھی عجیب بات ہے کہ آج مغرب زدہ طبقہ اور کچھ آزاد روش حضرات کے نزدیک تقلید ایک بدترین عیب شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ تقلید ہر ایک کے ساتھ سایہ کی طرح لگی ہوئی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چھوٹا بڑے کی اور محکوم حاکم کی تقلید کرتا ہے اگر صبح سے شام تک اور پیدائش سے وفات تک کی زندگی اٹھا کر دیکھ لی جائے تو کوئی فرد تقلید سے خالی دکھائی نہ دیگا ہر آدمی جبراً و قہراً یا رغبتہً اس کو اختیار کئے ہوئے ہے معصوم بچے بھی اس سے خالی نہیں اور جو اعتراض کرتے ہیں وہ بھی اس سے پاک نہیں پھر نہ معلوم کیوں اس کے مخالف ہیں۔

؎۱ مظہری ص۶۴ ج ۲ ؎۲ فقہ الاسلام ص۲۵ ج ۱

یہ بھی عقل کا دیوالیہ پن ہے کہ ہر کام میں تو تقلید اور دین و آخرت کے معاملہ میں آزادی۔ کیا رسول اللہ صلعم نے قرآن کی تقلید نہیں کی۔ حضرات صحابہ رضہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید نہیں کی یا "ہر کہ آمد منزلِ نو ساخت" کا معاملہ رہا ہے؟ اگر یہ حقیقت ہے تو آج متقدمین اور اسلاف کی تقلید سے کیوں انحراف ہے؟۔ کہا جاتا ہے اندھی تقلید کی مخالفت ہے، معلوم نہیں وہ اندھی تقلید ہے کیا اور کون اس کا داعی ہے اور کون اسکی تبلیغ کرتا ہے؟

ہم یہ بھی دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ کبھی کبھی ملک کے مختلف گوشوں سے یہ آوازیں آتی ہیں کہ تجدید ہونا چاہیئے اسلام کے قوانین میں لچک پیدا کرنی چاہیئے ہم اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دین میں تجدید اور لچک کا کیا مطلب ہے۔ اسلام میں جس قدر قوانین ہیں اور ہر شعبہ میں جس قدر رخصت ہے وہ شارع علیہ السلام کی مقرر کردہ ہے اب مزید لچک سے مراد کیا ہے یہ تجدید نہیں تبدیل ہے اور اس کا حق کسی کو نہیں ہے یاد رہے دین کا منشا لوگوں کو اپنے مطابق بنانا ہے۔ لوگوں اور حالات کے مطابق بننا نہیں ہے اگر ایسا ہو جائے تو پھر دین لوگوں کی خواہشات کا مجموعہ ہو جائیگا یہ ایک بات تھی جو عرض کر دی ورنہ مناظرہ یا جھگڑا نا مقصود نہیں ہے

لہذا دوسری طرف رجوع کیا جاتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تو مسلمان آپ ہی سے دریافت کیا کرتے لیکن آپ کے بعد حل مسائل اور جوابات کا مرجع حضرات صحابہؓ بنے جو صحابی جہاں پہونچا وہ وہیں کا مرجع یا مقتدا بن گیا۔ ان کے بعد تابعین کا وقت آیا چنانچہ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں، ۹۵ھ میں امام مالک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ان کے بعد دیگر مجتہدین پیدا ہوئے مثلاً ۱۵۰ھ میں امام شافعی صاحب غزہ میں (امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں) بغداد میں پیدا

ہوئے۔ اور ان کے بعد امام احمد ہوئے۔ یہ چاروں حضرات وہ ہیں کہ جن کا مسلک اب تک زندہ ہے ان ہی چاروں کے مسلک حق پر اجماع ہو چکا ہے

ان حضرات کا طریق کار وہی تھا جو ان سے پہلے حضرات کا تھا عوام الناس میں جو بھی جس کا معتقد تھا اسی کے مجتہدات پر عمل کرتا تھا لیکن سنہ ۲۰۰ھ کے بعد لوگوں میں ہوائے نفس کا غلبہ ہوا۔ ہر ایک آزاد تھا نرمی اور سہولت کو پسند کرتا تھا یہی حال عدالتوں میں تھا۔ ایک عدالت میں ایک ہی معاملہ میں کچھ فیصلہ ہے تو دوسری عدالت میں اسی معاملہ میں خلاف ہوتا تھا لہذا سنہ ھ کے قرب و جوار میں اس آزاد روشی کو ختم کیا گیا اور اس پر اجماع ہو گیا کہ ائمہ اربعہ میں سے جو جس کا معتقد ہے اسی کے مجتہدات پر عمل کرے۔

انعقد الاجماع علی عدم العمل بالمذاهب المخالفة من الائمة الاربعة [۱]

یعنی اس پر اجماع ہو گیا کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کے علاوہ کسی بھی مسلک پر عمل نہ کیا جائے۔

حافظ ابن حجر مکی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی مسلک پر عمل نہ کیا جائے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

جان لینا چاہیئے کہ ان مذاہب کے اجتہاد میں ایک عظیم الشان مصلحت اور ان کے چھوڑنے میں ایک بڑا فساد ہے، ہم اس کو دلائل سے ثابت کریں گے

۱۔ امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کرینگے چنانچہ تابعین نے صحابہ رضی پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے اور عقل اس کی تحسین پر دال ہے اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط

---

[۱] فتح القدیر۔

سے معلوم ہوئی ہے اور نقل بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اُسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے اور استنباط میں بھی مذاہب متقدمین کا علم ضروری ہے تاکہ ان کے اقوال سے باہر نکل کر اجماع نہ توڑ دے اور یہ بھی ضروری ہے کہ مذاہب متقدمین پر اپنا قول مبنی کرے اور اس استنباط میں گذشتہ لوگوں کی مدد لے کیونکہ تمام فنون مثلاً صرف' نحو' طب' شعر' آہن گری' بڑھئی گیری اور رنگریزی کسی کو ان میں سے فن اس وقت تک نہ آیا جب تک ماہر فن کے ساتھ نہ رہا، اس کے علاوہ نادر و بعید ہے ایسا بھی نہیں ہوا۔ اگرچہ عقلاً ممکن ہے

جب سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا متعین ہے اور ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا گیا ہے سند صحیح سے مروی ہیں یا مشہور کتابوں میں مدوّن موجود ہیں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان اقوال کو زیر بحث لایا بھی گیا ہو کہ اس کے محتملات کے راجح کو بیان کر دیا گیا ہو اور بعض مواقع میں عموم کی تخصیص اور مطلق کی قید کی گئی ہو۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

آخری زمانوں میں مذاہب اربعہ کے سوا کوئی ایسا مذہب نہیں۔ ہاں بمشکل مذہب امامیہ اور زیدیہ کو کہا جا سکتا ہے مگر وہ بھی اہل بدعت ہیں اور ان کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سواد اعظم بڑی جماعت کی اتباع کرو، اور چونکہ سچے مذہب ان چار کے علاوہ مفقود ہو گئے ہیں تو ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے باہر نکلنا ہے [۱]

---

[۱] عقد الجید مطبوعہ کراچی ص ۹۶

حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے ا۔

تمام امت محمدیہ یا اس کے معتد بہ حضرات کا اس پر آج تک اجماع رہا ہے کہ ان مذاہب اربعہ مدونہ کی تقلید درست ہے اور اس میں بہت سے مصالح ہیں خصوصاً اس زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں بہت قاصر ہو گئیں اور رگ رگ میں ہوائے نفسانی سرایت کر گئی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہے۔ رہا ابن حزم کا قول کہ تقلید حرام ہے غلط ہے [۱]

مدعی الاجتهاد فی هذا العهد مردود [۲] — اس زمانہ میں اجتہاد کا دعوے کرنے والا مردود ہے۔

غرضیکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تقلید کے علاوہ چارہ کار نہیں ہے اور یہ بات ۴۰۰ھ میں طے پا گئی تھی، لیکن کچھ حضرات ایسے بھی ہوئے جنہوں نے تقلید کے قلادہ کو اتار پھینکا اور آزاد روشی کی تبلیغ شروع کر دی۔

آزاد روشی اور ابن حزم

۳۸۴ھ میں ابن حزم پیدا ہوئے یہ پہلے شافعی تھے پھر بعد میں داؤد ظاہری کے مقلد ہو گئے۔ ویسے بہت بڑے محدث اور عالم ہیں غرور علم نے انکو تقلید سے باہر نکال دیا اور خود صاحب مسلک بن بیٹھے اور ائمہ مجتہدین پر سخت قسم کی تنقیدیں کرنے لگے علامہ ذہبی نے تحریر فرمایا ہے

ولم یتأدب مع الائمة فی الخطاب [۳] — کلام میں ائمہ کا ادب نہیں ملحوظ رکھتے۔

لیکن مصر اور مشرق وسطےٰ کے ممالک میں اور آزاد روش حضرات کے درمیان ان کی مقبولیت بڑھ رہی ہے کیونکہ یہ ائمہ پر سخت تنقید کرتے ہیں اور یہی چیز آج کل کے مزاج کے مطابق ہے اور اس پر خوشی ہوتی ہے مورخ

---

[۱] ترجمان السنۃ ص۲۶۰ ج ۱ [۲] رد المحتار ص۵۳ [۳] ترجمان السنۃ ص۵۴ اور شحۃ الجید

ابن خلکان لکھتا ہے :-

اسلام میں حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کی سی تیز زبانی کسی کو حاصل نہیں ہوئی [1]

میری رائے یہ ہے کہ لوگوں کو محض آزاد روشی کی وجہ سے ابن حزم کے بارے میں ضرورت سے زیادہ خوش فہمی ہے حالانکہ خود ابن حزم کی اپنے بارے میں یہ رائے ہے :-

ولقد اصابتی علة شدیدة	میں ایک بار شدید بیمار ہوا جس
علی ربو فی الطحال شدیدًا	کی وجہ سے میری طحال بہت
ولد ذلک علی ضیق الخلق	بڑھ گئی تھی اسلئے میرے مزاج
وقلة الصبر والنزق امرًا	میں تنگی، تیزی، بداخلاقی، جلد بازی
حاسبت نفسی فیه فانکرت	پیدا ہو گئی۔ جب میں پہلی زندگی
تبدل خلقی واشتد عجبی	پر غور کرتا ہوں تو مجھے تعجب
من مفارقتی لطبعی [2]	ہوتا ہے کہ میرے اخلاق وعادات
	کس قدر تبدیل ہو گئے اور میں اپنی

اصلی طبیعت سے کس قدر دور ہو گیا ہوں۔

اس پر ایک لطیفہ معلوم ہو۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن حزم اپنی جلالت قدر کے باوجود امام ترمذی جیسے شخص سے بالکل ناآشنا ہیں۔ جب ان کے سامنے امام ترمذی کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے وہ کون ہیں ؟ ایک مجہول شخص ہیں، چنانچہ حافظ ذہبی نے اس پر گرفت کی۔ غرضکہ ستکرھ کے اجماع کو ابن حزم نے پائمال کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بارآور ثابت نہ ہوئی

---

[1] ترجمان السنہ ص۲۷ [2] ایضاً ص۲۸ [3] ایضاً

امام ابن تیمیہ

ابن حزم کے بعد انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے امام ابن تیمیہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں اور دنیا پر ان کی علمیت کا سکہ جما ہوا ہے خصوصاً مصر و عرب تو ان کا شیدائی ہے اور ہم بھی ان کی علمی بلندیوں کے سامنے سرنگوں ہیں ان کا اخلاص اور ان کی خدمات جس قدر ہیں وہ ستائش سے بالاتر ہیں لیکن ابن بطوطہ نے ان کی بہت زیادہ مدح سرائی کرنے کے باوجود تحفۃ النظار میں لکھدیا ہے

الا ان فی عقلہ شیئاً[1] مگر ان کی عقل میں کچھ کمی ہے

علامہ صلاح الدین خلیل نے تحریر فرمایا ہے

علمہ متسع جدا الی ابن تیمیہ کا علم بہت وسیع ہے لیکن

الغایۃ وعقلہ ناقص[2] عقل ناقص ہے

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں تحریر فرمایا ہے :۔

علمہ اکبر من عقلہ[3] ان کا علم ان کی عقل سے بڑا ہے

اور عقل کا کمال یہ ہے کہ وہ علم کے تابع رہے لیکن اگر عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو پھر آدمی دیوانگی کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے بعد ان کے شاگرد رشید ابن قیم نے بھی اسی آزاد روش کو اختیار کیا ان کے متعلق حافظ ذہبی نے بیان فرمایا ہے :۔

لکنہ معجب برائہ و ابن قیم خود پسند اور سوئے فہم

سئ العقل[4] ہے

اگر کوئی اس کی دلیل طلب کرے تو ہم کہیں گے زاد المعاد کو پڑھ لیا جائے ہم نے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے اور اس پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ لیکن یہ بھی ناانصافی اور احسان فراموشی ہوگی کہ ان کے تبحر علمی اور خدمات علمی کا اعتراف

---

[1] ادغمہ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

نہ کیا جائے ان کی تصانیف سے بہت فائدہ پہونچا ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ یہ آزادانہ رائے رکھتے ہیں اور اس کا تعلق اس زمانے اور ماحول سے ہے اس وقت کے تاریخی حالات جس قدر ابتر تھے ایسے حالات میں عام طور سے آدمی ایسا ہی ہو جاتا ہے۔

آزاد روشی کے اثرات

ان کے بعد بارہویں صدی ہجری کا زمانہ آیا تو عبدالوہاب نجدی پیدا ہوئے وہ فقہ میں اگرچہ امام احمد کے مقلد ہیں، لیکن سب معاملات میں نہیں۔ ان کی بھی مخالفت کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے بھی بہت معتقد ہیں لیکن کہیں کہیں اس پر بھی قائم نہیں رہتے ان کی وفات ۱۲۰۶ھ میں ہوئی

غلط اجتہاد کی بنا پر انہوں نے حجاز کی سرزمین پر جو کارنامہ انجام دیا اور ان کی تقلید میں حجاز میں آج کل جو کچھ ہو رہا ہے ہم اس کو علمی اور اسلامی نقطہ نظر سے مستحسن قرار نہیں دے سکتے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد آزاد روشی کی وبا نجد سے چل کر ہندوستان میں بھی آگئی جس نے ایک خاص طبقہ کو جنم دیا

ہندوستان آزاد ہونے کے بعد یہاں کی پارلیمنٹ نے ایک دستور بنایا ہے کہ وہ ملک میں ایک سول کوڈ نافذ کرنے کی مجاز ہے چنانچہ ۱۹۵۵ء میں یہاں کے وزیر قانون نے اس کا اعلان کیا اور اس کے بعد ۱۹۶۳ء میں چند خوشامدیوں نے حکومت سے سفارش کی کہ وہ مسلم پرسنل لا کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی بنائے جو مسلم پرسنل لا میں ترمیم کرے۔ جنوری ۱۹۶۶ء میں محمد علی کریم چھاگلہ نے ایک بیان میں کہا۔

> یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لا، اتنا مقدس اور قابل احترام ہے کہ اس میں ہرگز ترمیم و تبدیلی نہ کی جائے۔ مسلم پرسنل لا میں جو تبدیلیاں سماجی انصاف کے نقطہ نظر سے ہوں ان کو عمل میں لانے کے لئے ہندوستانی پارلیمنٹ پوری طرح با اختیار ہے[1]

---

[1] دبنہ ۳۱ جنوری ۱۹۶۶ء

راقم الحروف نے چھاگلہ جی کے اس فرمان کا جواب ۱۲ رجنوری ۱۹۶۷ء کے مدینہ کے ریڈنگ آرٹیکل میں نہایت تفصیل سے دیا ہے۔ حالات کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا۔ آج وہ معدوم ہو چکے ہیں جو بھی دین محمدی پر ہاتھ ڈالے گا یا جو بھی ملت کو نقصان پہونچائے گا وہ صفحہ ہستی سے ذلت کے ساتھ مٹا دیا جائیگا

اس کے علاوہ ہندوستان میں سرکاری مسلمان اور وہ لوگ جو امریکہ اور یورپ کے دورے کر آئے ہیں اور بہت سے جدید علماء اور نئی روشنی کے پروانے ہیں اسی چیز کے داعی ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہیئے اور ہر آدمی کو اس کا اختیار دینا چاہیئے۔ ایسے حضرات کی خدمت میں ہم حضرت مولانا ابو الکلام آزاد اور ڈاکٹر مصطفےٰ احمد زرقا مصری کا ارشاد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفےٰ احمد

ماضی میں انفرادی اجتہاد کی ضرورت تھی لیکن اب وہ سخت خطرناک بن چکا ہے چوتھی صدی ہجری میں جن باتوں کے اندیشہ کی بناء پر اجتہاد کا دروازہ فقہائے مذاہب نے بند کر دیا تھا وہ اب بالکل متیقن اور قطعی بن گیا ہے۔ دین سے سودا بازی کرنے والوں کی تعداد معتدبہ ہے اور ان میں سے علم اور تقریر و تحریر کی قوت میں علمائے صالحین اور اتقیا سے بڑھ کر ہیں۔

جامع ازہر کے فضلاء نے ایسی کتابیں اور فتاوے شائع کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا قلم دشمنان اسلام کے ہاتھوں گروی رکھ دیا ہے اور وہ اسلام کی بنیادیں اس طرح ڈھا دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح دشمن بھی نہیں ڈھا سکتے۔ اس قسم کے لوگوں کا دین سے کیا تعلق ہو سکتا ہے، تو منافق اور سازشی قسم کے لوگ ہیں جو اجتہاد اور آزادی رائے اور حریت فکر کے پردے میں دین کے ساتھ خیانت

اور مذاق کر رہے ہیں اور اس سازش اور خیانت کا ان کو بڑا معاوضہ مل رہا ہے اور خدا کی لعنت سے بے پرواہ ہو کر بڑے بڑے دنیوی منافع حاصل کر رہے ہیں [۱]

حضرت مولانا آزاد کا ارشاد

آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیان اجتہاد و نظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانہ حال کے اصول علم و ترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں یا جدید تحقیقات علمیہ کا اس سے استنباط کیا جائے گویا قرآن صرف اس لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن یا ڈاروِن اور ولیس نے بغیر کسی الہامی کتاب کے فلسفیانہ اندیشوں سے دریافت کرلی ہے اسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کانوں تک پھونک دے اور پھر بھی وہ دنیا کی سمجھ میں نہ آئے، یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوں اور نہ تیرہ سو برس پہلے کے معمے حل فرمائیں۔ یقیناً یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے ہے [۲]

---

[۱] معارف اعظم گڈھ دسمبر ۱۹۶۰ء [۲] ترجمان القرآن ص ۱۶ ج ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ہفتم

فقہ حنفی
یا
دستور اسلامی
کے
چند نمونے

ماخذ و حوالہ جات

۱۔ فتح القدیر — از امام ابن ہمام
۲۔ درمختار — از علامہ علاؤالدین
۳۔ دارمی — از علامہ دارمی
۴۔ احکام سلطانیہ — از ابوالحسن بصری
۵۔ ردالمحتار — از علامہ ابن عابدین
۶۔ ہدایہ — از علامہ کمال الدین
۷۔ عقد الجید — از شاہ ولی اللہ
۸۔ مسند امام اعظم — از علامہ حصکفی
۹۔ عالمگیری۔ مختلف علماء بحکم عالمگیر
۱۰۔ ہدایۃ المجتہد — از ابن رشد
۱۱۔ عقود الجواہر
۱۲۔ سیرۃ النعمان۔ از علامہ شبلی
۱۳۔ الاشباہ والنظائر۔ از ابن نجیم
۱۴۔ مجمع الانہر — از علامہ آفندی
۱۵۔ شرح عقائد — از علامہ نسفی
۱۶۔ الرد علی سیر الاوزاعی۔ از امام ابویوسف
۱۷۔ مدینہ — مدینہ اخبار بجنور
۱۸۔ مکتوبات — از شیخ الاسلام
۱۹۔ اسلام کا اقتصادی نظام — از مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن
۲۰۔ اوجز المسالک — از شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب
۲۱۔ تنسیق — از علامہ سنبھلی
۲۲۔ حجۃ اللہ البالغہ — از شاہ ولی اللہ
۲۳۔ ترمذی شریف — از امام ترمذی
۲۴۔ البنایہ — از علامہ عینی
۲۵۔ عورت اسلامی معاشرے میں — از مولانا جلال الدین عمری
۲۶۔ العنایہ — از علامہ اکمل الدین صاحب
۲۷۔ کتاب الحج — از امام محمد
۲۸۔ البدائع — از علامہ کاشانی
۲۹۔ فقہ اکبر — از ملا علی قاری

سیاسیات

دستور اسلامی یا فقہ حنفی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقوام عالم کے مزاج کی رعایت موجود ہے۔ حالات اور ضروریات کی وجہ سے انسانی زندگیوں میں جو نشیب و فراز پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا پورے طور سے خیال رکھا گیا ہے یہ بات دوسرے ائمہ کے فقہ میں بہت کم نظر آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی فقہ ہمیشہ سے دنیا کی بیشتر آبادی کا مسلک رہا ہے اور ہے

الحنفیۃ ثلثی المومنین لہ   کل مسلمانوں میں حنفیہ ۲/۳ ہیں

وجہ دراصل اس کی یہ ہے کہ جو دستور فطری ضروریات اور تقاضوں سے جلد ہم آہنگ ہو جاتا ہے وہی دنیا میں شائع ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے اس کو آسان الفاظ میں اس طرح کہہ لیجئے فطری تقاضے اور ضروریات جب مدون دستور کی شکل میں آجاتے ہیں وہی دیرپا ہوتے ہیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّمَا الوَلَدُ یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ	بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے
فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ	ماں باپ ہی اس کو یہودی
اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ	نصرانی مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اسلام کے سوا کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے یا کوئی سا طریقہ زندگی اختیار کرنے کے لئے وقوع فعل علی المفعول کی ضرورت ہے۔ اسلام فعل لازم ہے جو فاعل سے خود بخود صادر ہوتا ہے بشرطیکہ اس کو فطرۃ اصلیہ سے نہ ہٹایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب موجودہ سائنسی ارتقار

لہ مرقاۃ ص۲۲ ج ۲

مقرر کیے ہیں وہ یہ ہیں :۔

ان یکون عدلاً عفیفاً عالماً	عادل، پاکباز، عالم بالسنۃ
بالسنۃ وبطریق من کان	اپنے سے پہلے حاکموں کے فیصلوں
قبلہ من القضاۃ [1]	اور طریق کار سے واقف ہو [2]

اسی کے ساتھ اجتہاد کا بھی اضافہ ہے کیونکہ فہم ناقص کی صورت میں اولاً تو فیصلہ ممکن ہی نہیں اور اگر ہوگا تو غلط ہوگا۔

ان یکون من اھل الاجتھاد [3]	اور اہل اجتہاد بھی ہو

حنفیہ نے حاکم شرعی کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ کتاب وسنت سے مستنبط ہے اللہ تبارک وتعالے نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے

فاحکم بین الناس بالحق	لوگوں کے درمیان انصاف کے
ولا تتبع الھوی (الآیۃ)	ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی خواہشات
	کی پیروی نہ کرو۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی مقرر کیا تو ان سے دریافت کیا تمہارے فیصلوں کی کیا نوعیت ہوگی انہوں نے بالترتیب جواب دیا کہ پہلے کتاب اللہ، پھر سنت رسول اللہ اور پھر اپنی صوابدید پر فیصلے کروں گا

حنفی فقہ میں کتاب القاضی کے نام سے مستقل ایک موضوع ہے جسمیں تفصیلی طور پر ان تمام چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور حاکم شرعی کے متعلق تمام حقوق وشرائط، تقرری وبرخاستگی کے تمام قاعدے ذکر کر دیئے گئے ہیں مگر ہم نے حاکم شرعی کے صرف ایک وصف اجتہاد وتقلید کے متعلق مختصراً سطور سابقہ میں عرض کیا ہے۔ اس کی وجہ اختیار آج کل کے حالات اور

---

[1] فتح القدیر ج ۳ [2] موجودہ اصطلاح میں قدماء کے فتاویٰ کو ہائی کورٹ کے نظائر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ [3] فتح القدیر ص۲۴۳ ج ۳

لوگوں کو تجدید و تدوین فقہ کی طرف میلان اور رغبت ہے اس لئے میری رائے میں یہ بحث امام صاحب کی سیرت و سوانح میں ایک اضافہ نہیں بلکہ ایک ضرورت ہے جس کو پیش کیا جاچکا ہے

شرائط اجتہاد

حاکم شرعی یا امام وقت کے لئے اجتہاد کی بھی شرط ہے اس لئے بلا اجتہاد کے صحیح فیصلے ممکن نہیں

اجتہاد چونکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور پورے دین کی عمارت کے بقاد تحفظ اور انسانوں کی زندگیوں کے اضطراب و سکون کا تعلق اس سے وابستہ ہے اس لئے علمائے امت نے کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین کی صفات اور خصوصیات پر نظر کرنے کے بعد ان شرائط کو مقرر فرمایا ہے

مجتہد کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان، عاقل، بالغ ہو اور فقیہ النفس یعنی شدید الفہم ہو۔ لغت عربیہ کا ماہر اور علوم قرآنیہ پر حاوی ہو احادیث کے متن و سند ناسخ و منسوخ اور طریق قیاس کا عالم ہو[1]

اصطلاحی اعتبار سے عالم بالکتاب سے مراد وہ نہیں جن پر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور جناب مصطفےٰ احمد زرقا مصری نے تنقید فرمائی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کتاب اللہ سے متعلق تمام طرق اجتہاد سے واقف ہو یعنی عام، خاص مجمل، مفسر، مؤول، محکم، متشابہ، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص امر، نہی، حروف مبانی اور ان کے علاوہ علمائے متقدمین کے مسلک پر کافی عبور رکھتا ہو تاکہ ان کے وجوہات فاسدہ یا وجوہات ترجیحہ اس سے پوشیدہ نہ ہوں

عالم بالحدیث سے مراد حدیث سے متعلق جتنے علوم ہیں خواہ از قسم سند ہوں یا از قسم متن سب سے پوری طرح واقفیت ہو بلکہ ان چیزوں میں مہارت حاصل ہو اور آیت و حدیث اور اثر صحابی کے معنی لغویہ اور شرعیہ سے پوری طرح باخبر ہو، حاصل یہ ہے کہ:-

---

[1] ردالمحتار ص ۲۲۳ ج ۴

مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اس کو فقہ بھی آتا ہو تاکہ آثار
کے معنی دریافت کر سکے اور ایسا صاحب فقہ ہو کہ اس کو حدیث
کا بھی علم ہو تاکہ منصوص علیہ کی موجودگی میں قیاس کے پیچھے نہ
ہوے اور کہا گیا ہے کہ صاحب نظر اور بصیرت بھی ہو تاکہ اس
کے ذریعہ لوگوں کی عادات سے باخبر رہے۔ کیونکہ بہت سے
احکامات عادات انسانیہ ہی پر مبنی ہیں [1]

ان تمام شرائط کے ساتھ سب سے زیادہ اہم شرط تقویٰ ہے کیونکہ
یہ دین کا معاملہ ہے۔ ہوائے نفس کا اجتہاد میں دخل نہ ہونا چاہیئے ورنہ
پھر اس دین حنیف کا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو ادیان سابقہ کا ہوا ہے
اور اسی کی شکایت ڈاکٹر مصطفےٰ احمد زرقا نے کی ہے

حضرت شاہ صاحب کی رائے

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کے لئے ضروری ہے وہ قرآن وحدیث
جس قدر احکام سے متعلق ہیں جانتا ہو۔ نیز اجماع کے مواقع، قیاس صحیح
کی شرائط، مقدمات کی صحیح ترتیب، علوم عربیہ سے واقف ہو، علاوہ بریں
ناسخ و منسوخ اور راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو[2]۔ یہ وہی شرائط ہیں
جن کو ہم فقہ حنفی سے نقل کر چکے ہیں

حکومت کے فرائض

امام ابوحنیفہ عن الہیثم عن الحسن عن ابی ذر روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم
نے ارشاد فرمایا، اے ابوذر! حکومت ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے
دن ایک رسوائی ہے اور شرمندگی ہے مگر اس شخص کے لئے جس نے امارت
اور حکومت کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس سے سبکدوشی حاصل کی۔
اور ایک روایت میں حضرت ابوذر رضؓ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے

---

[1] ہدایہ آخرین کتاب القاضی [2] عقد الجید ص

فرمایا کہ امارت قیامت کے دن ایک ذلت ہے اور شرمساری ہے مگر جس نے اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس کو ادا کیا، فرمایا، اے ابوذر! ایسا ہوتا ہی کہاں ہے [۱]

امام ابوحنیفہ نے جو یہ روایت نقل فرمائی ہے اس سے ایک حاکم کے فریضہ پر کسقدر واضح الفاظ میں روشنی پڑ رہی ہے، غالباً اسی وجہ سے امام صاحب نے حکومت کی کرسی کو قبول نہیں کیا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اپنے علم کو حکومت کی ذلت سے محفوظ رکھنا، لیکن افسوس کہ آج کل لوگوں نے حکومت کو کارِ طفلانہ بنا رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ فسادات کا تسلسل قائم ہے اور لوگوں کے خون کی ارزانی ہے

حاکم عادل

امام ابوحنیفہ نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں میں بلند ترین امام عادل ہوگا۔

دوسری روایت میں فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں دو ان میں سے دوزخی ہیں یعنی وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے لوگوں میں بغیر علم کتاب وسنت کے اور ایک کو دوسرے کا مال ناحق کھلاتا ہے اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے اور ناحق فیصلے دیتا ہے تو یہ ہر دو قسم کے قاضی دوزخی ہیں تیسرا وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے کتاب اللہ کی رو سے تو وہ جنتی ہے [۲]

اقلیتوں کے ساتھ

اقلیتوں اور ذمیوں کو جو رعایتیں اسلامی حکومت میں حاصل ہیں وہ ان کو اپنی حکومت میں بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ شراب اور سور جو مسلمانوں کے نزدیک مکروہ اور مبغوض ترین اشیاء میں سے ہیں، لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے ذمی بھائی کی ان چیزوں کو تلف کر دے تو حاکم اس پر جرمانہ قائم کر دے گا اور مالک کو

---

[۱] مسند امام اعظم کتاب الاحکام [۲] ایضاً

اس کا ڈنڈ دلوائے گا۔

من اتلف خمراً اوخنزیراً لذمی یجب الضمان علی متلفها سواء کانت متلفاً مسلماً او ذمیاً غیران المتلف ان کان ذمیاً یجب علیه قیمة الخمر[1]	اگر کسی نے شراب یا سور کو تلف کر دیا تو اگر یہ چیزیں کسی ذمی کی تھیں تو تلف کرنیوالے پر ان کا تاوان واجب ہوگا۔ عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو۔ فرق بس اتنا ہے کہ ذمی ہو تو شراب کے تاوان میں شراب ہی واجب ہوگی اور مسلمان پر اس کی قیمت واجب ہوگی

یہ ہے اقلیت نوازی۔ حکومت بھی اسلامی، اکثریت بھی مسلمان اور تلف بھی ان چیزوں کو کیا گیا ہے جن میں مزاج انسانی کے خلاف اثرات موجود ہیں لیکن چونکہ وہ غیر مسلم اقلیت (ذمی) کی ملک ہیں اس لئے ان کو ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ آج کے جمہوری دور حکومت میں قومی ہم آہنگی یا جذباتی ہم آہنگی کے پیش نظر اقلیتوں کو قربان ہوجانے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے لیڈر اور قائدین کرام جو جمہوریت کے معنی صرف اس قدر جانتے ہیں کہ اگر ملک میں کسی خاص فرقہ کو کوئی تکلیف یا شکایت ہے تو اس کو تنہا آواز بلند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ دوسرے تمام فرقوں کو ساتھ ملا کر مطالبہ کرنا چاہیئے اگر ایسا نہیں کیا گیا تو فرقہ پرستی ہے حالانکہ کسی ملک کی اقلیت نہ کبھی فرقہ پرست ہوئی ہے اور نہ ہے حقوق اور رفع شکایات کا مطالبہ فرقہ پرستی نہیں ہے۔ ہدایہ جس کا مرتبہ عالمگیری سے بڑا ہے اس میں مذکورہ قانون کو اور زیادہ واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :۔

واذا اتلف المسلم خمراً	اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب

---

[1] عالمگیری باب الغصب

لذمی او خنزیرہ ضمن	یا سؤر کا نقصان کر دیا تو اسے
فان اتلفهما المسلم لم	تاوان دینا ہوگا اور اگر یہ چیزیں
یضمن الخمر لهم کالخل	کسی مسلمان کی تھیں تو نہیں.
لنا والخنزیر لهم کالشاة	اس لئے کہ شراب تو ان کے
لنا و نحن امرنا ان نترکهم	لئے ایسی ہے جیسے ہمارے
وما یدینون والسیف	لئے سرکہ اور خنزیر ایسا ہے جیسے
مرفوع لہ	ہمارے لئے بکری اور ہمیں حکم

ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑ دیں اور تلوار ان کے اوپر سے اٹھالی گئی ہے

یہ ہے غیر مسلم اقلیت کے ساتھ اسلامی دستور کا سلوک کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں آنے کے بعد ان کے دین کی حفاظت کا بھی اعلان اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا بھی انتظام کیا، ہندوستان میں مسلم اقلیت کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہو رہا ہے ؟ چین اور روس میں مساجد کی بے حرمتی، امریکہ میں کالوں پر گولیوں کی بارش، آج کل کی تہذیب اور طرز حکومت کی عریاں تصویریں ہیں اس کے باوجود اسلامی نظام حکومت کو ناقابل عمل قرار دینا ایک مضحکہ خیز تصور ہے

قتل ذمی اسلامی حکومت میں ذمی یا غیر مسلم اقلیت کے اموال کی حفاظت کے متعلق اوپر عرض کیا جا چکا ہے ان کی جان کی حفاظت کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد (جس کی پابندی حضرات حنفیہ بہت زیادہ کرتے ہیں) [illegible] ہے

دمائهم کدمائنا و اموالهم	ان کی جانیں اور مال ہماری جانوں
کاموالنا	اور مال کی طرح محترم ہیں۔

لہ ہدایہ آخریں کتاب الغصب۔

اس کے علاوہ دستور حنفی اپنے یہاں آیۃ مبارکہ

النفس بالنفس	جان کے بدلے جان

کو اصول کلیہ کے طور پر مانتا ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ذمی جب دار الاسلام کا شہری بن گیا تو اس کی جان و مال بالکل محفوظ ہو گئے حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں یہ بات نہیں ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں

لا یُقتل مسلم بحربی [۱]	مسلمان قاتل کو غیر مسلم (حربی) کے عیوض قتل نہیں کیا جائیگا۔

امام فخر الدین رازی نے مذکورہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے حنفی فقہ پر استدلال سے زیادہ نکتہ چینی کی ہے لیکن امام ابوحنیفہ نے آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں جو فیصلہ کیا ہے وہ زیادہ وقیع ہے۔ امام صاحب کی ایک حدیث ہے:

قتل النبی صلے اللہ علیہ وسلم مسلمًا بمعاھد فقال انا احق من اوفی بذمۃ [۲]	حضور صلعم نے ایک غیر مسلم ذمی کے عوض ایک مسلمان کو قتل کروایا اور فرمایا اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والوں میں اپنے ذمہ کو پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔

اس کے علاوہ حضرت عمر رض اور حضرت عثمان غنی رض کے دور خلافت میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ہر دو حضرات نے صحابہ رض کے مشورے سے مسلمان قاتل کو ذمی مقتول کے عیوض قصاصًا قتل کیا ہے [۳]
ذمیوں کا معاملہ بھی یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر اہل فارس سے جنگ کی ہے۔ سعد بن وقاص رض کے لشکر میں ایرانیوں سے لڑنے

---

[۱] ہدایۃ المجتہد ص ۳۰۵ ج ۲ [۲] مسند امام اعظم حدیث ص ۹۶۰ [۳] عقود الجواہر ص ۱۷۶ ج ۲

کے لئے بہت سے عیسائی ذمی تھے۔ ان ہی دلائل کی روشنی میں علامہ شبلی نے امام رازی کی نکتہ چینی پر خوب تبصرہ کیا ہے

لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں، بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا، مقبول ہر دود کا ایک مرتبہ ہے۔ بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے اور اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے خود صحابہ رض کا کیا قول اور کیا عمل تھا حضرت علی رض کا قول ہے "ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور ذمی کی دیت ہماری دیت ہے [1]

ذمیوں کے لئے سہولتیں

امام صاحب نے ذمیوں کے لئے جو دستور مرتب فرمایا ہے اس میں انہوں نے فیاضی سے زیادہ کام لیا ہے۔ ذمی ہر قسم کی تجارت میں بالکل آزاد ہیں جس طرح مسلمان سے مال تجارت پر زکوۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح ذمیوں سے بھی ٹیکس وصول کیا جائیگا بلکہ اگر حربی بھی دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آئے گا تو اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائیگا جس طرح وہ ہمارے تاجروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمان تاجروں کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے ظلم کا برتاؤ نہیں کیا جائیگا

جب ذمی اپنے دینی مسائل اور عقائد میں باہم نزاع یا اختلاف کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا، وہ جانیں اور ان کا کام، ان کو اپنے حقوق کا مقدمہ اپنے حاکموں کے پاس لیجانے سے نہ روکا جائے گا۔ ہاں اگر وہ ہماری عدالتوں کی طرف مرافعہ کریں گے تو اس کا فیصلہ دستور اسلامی کی روشنی میں کیا جائے گا۔

ان میں سے جو شخص نقض عہد کرے یا دستور کو ہاتھ میں لے گا تو اسکو

---

[1] سیرت النعمان ص ۱۳۶ ج ۲

دارالاسلام سے نکال دیا جائے گا امام صاحب فرماتے ہیں اگر ذمی خفیہ طور پر بغاوت کا عزم رکھتے ہوں یا فرقہ وارانہ فساد مچاتے ہوں یا اپنی کوئی سیاسی جماعت تشکیل کر رہے ہوں تو وہ پھر عہد ذمہ سے خارج ہو جائیں گے اس کے علاوہ اگر وہ کسی مسلمان عورت سے زنا کر بیٹھیں یا مسلمان کو کفر کی تبلیغ کریں یا جاسوسی کریں تو ان کو سخت ترین سزا تو دی جا سکتی ہے مگر حقوق شہریت سے محروم نہیں کیا جا سکتا

ذمی چار مہینہ تک. بلا جزیہ اور سال بھر تک جزیہ دیکر رہ سکتے ہیں ان دونوں کے درمیان اختلاف ہے

ذمیوں سے غیروں کا دفاع ضروری ہے ان کو دارالاسلام میں اپنی نئی عبادت گاہ بنانے کی اجازت نہ ہوگی. ہاں وہ اپنی پرانی عبادت گاہوں کی مرمت اور ان کی آباد کاری کر سکتے ہیں. غرضیکہ اسلامی حکومت میں ذمی ایک باعزت شہری کی طرح ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی دور حکومت میں غیر مسلم کثیر تعداد میں اپنی حکومتوں سے منتقل ہو کر مسلمان حاکم کی رعایا بننے پر فخر محسوس کرتے تھے[1] اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کے لئے امام ابو یوسفؒ نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے تین اصول ذکر فرمائے ہیں

۱۔ جو عہد بھی ان سے کیا گیا ہو اسے پورا کیا جائے

۲۔ ملک کے دفاع کی ذمہ داری ان پر نہیں مسلمانوں پر ہے

۳۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر جزیہ اور خراج کا بوجھ نہ ڈالا جائے

پھر وہ تحریر فرماتے ہیں مسکین، بوڑھے، راہب، عبادت گاہوں کے کارکن، عورتیں، بچے جزیہ سے مستثنیٰ ہیں. ذمیوں کے اموال، مواشی وغیرہ پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے میں مارپیٹ وغیرہ سے کام لینا جائز نہیں ہے. معذور اور محتاج ذمیوں کی پرورش حکومت کے خزانہ سے

---

[1] الاشباہ والنظائر ملخصاً

ہونی چاہیئے۔ (کتاب الخراج)

جزیہ اور خراج

بعض معترضین نے خراج اور جزیہ پر اعتراض کیا ہے اور اس کو اسلام کا ظالمانہ دستور بتلایا ہے لیکن آجکل کے جمہوری دور حکومت میں لوکل سیلف گورنمنٹ اور دوسرے ذرائع سے جو موت ٹیکس، شادی ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، ٹول ٹیکس اور دوسرے ہزاروں ٹیکس وصول کیئے جاتے ہیں وہ کہاں تک حق و انصاف کی حدود میں داخل ہوسکتے ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ اگر ملک اور قوم کو ضرورت پیش آئے تو ملک کے ہر باشندہ کو اس میں حصہ لینا چاہیئے اس کو ٹیکس کہہ لیجئے یا جزیہ اور خراج سے موسوم کر لیجئے فرق کچھ نہیں ہے پھر اسمی فرق سے اس قدر چیں بر جبیں ہونے کی وجہ صرف اپنی ہی کوتاہی فہم ہو سکتی ہے اور بس

جزیہ اور خراج تین امور میں متحد اور تین میں ممتاز ہیں جن میں اتحاد ہے وہ یہ ہیں (۱) دونوں مشرکین سے لئے جاتے ہیں (۲) دونوں مال فئے ہیں اور فئے کے مصارف میں خرچ ہوتے ہیں (۳) دونوں سال گزرنے پر وصول کئے جاتے ہیں اس سے قبل نہیں۔ جن امور میں دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں وہ یہ ہیں (۱) جزیہ منصوص قرآنی ہے اور خراج مجتہد فیہ۔ (۲) جزیہ کی مقدار شرعاً مقرر ہے (۳) جزیہ کفر کی حالت میں لیا جاتا ہے اور اسلام لانے پر ساقط ہو جاتا ہے، لیکن خراج اسلام لانے پر بھی ساقط نہیں ہوتا۔

شرائط اہل جزیہ

جزیہ جزاء سے مشتق ہے یعنی جزائے کفر ہے اس لئے مردوں پر قائم ہوتا ہے۔ جزیہ کے لئے دو شرط اور ہیں ایک ضروری دوسری غیر ضروری، ضروری میں چھ امور داخل ہیں (۱)، کتاب اللہ پر طعن یا اس کی تحریف کے مرتکب نہ ہوں (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تکذیب نہ کریں (۳)، اسلام کی مذمت اور اس پر اعتراض

نہ کریں (۴) مسلمہ عورت سے زنا نہ کریں (۵) کسی مسلمان کو نہ ورغلائیں (۶) اہل حرب کی اعانت نہ کریں۔ ان چھ شرطوں میں سے صرف چار شرطیں امام صاحب کے نزدیک ایسی ہیں جن سے عہد ذمہ ساقط ہو جائیگا لیکن دو شرطیں جن کو ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں مختلف فیہ ہیں

غیر ضروری شرطیں بھی چھ ہیں (۱) لباس میں فرق ہوگا یعنی زنار وغیرہ کے ذریعہ (۲) اپنی عمارتیں مسلمانوں سے بلند نہ کریں (۳) اپنی کتابوں کی آواز مسلمانوں کو نہ سنائیں (۴) اعلانیہ شراب نوشی نہ کریں (۵) اپنے مُردوں کو خاموشی سے دفن کر دیں اس پر نوحہ نہ کریں (۶) گھوڑوں پر سوار نہ ہوں

یہ چھ امور داخل معاہدہ نہیں مگر شرط کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں

جزیہ سال گذرنے پر وصول کیا جائے گا، سال کے اندر جو شخص مر جائے اس کی اولاد سے وصول نہیں کیا جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں:

الساقط لا یعود
جو چیز ساقط ہو گئی وہ عود نہیں کریگی

مقدار و مصارف امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک مالداروں سے ۴۸ درہم متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے ۱۲ درہم وصول کیے جائیں گے۔ خراج اور جزیہ کا وہی مصرف ہے جو مال فے کا مصرف ہے یعنی مفاد عامہ پر صرف کیا جائے گا۔ مثلاً تعمیر سرائے پل، سڑک، مسافر خانے، ہسپتال وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ جزیہ حفاظتی ٹیکس کے علاوہ افادی کہلانے کا زیادہ حقدار ہے

خراج خراج ان حقوق میں سے ہے جو زمینوں پر مقرر کر کے وصول کیا جاتا ہے اور لغت عرب میں کرایہ اور پیداوار کو کہتے ہیں[1] اسی طرح عشر بھی زمین کی پیداوار کا ایک حق ہے۔

---

[1] احکام سلطانیہ ص۳۳۲ ج ۱

خراجی اور عشری زمینوں میں بحیثیت ملک اور حکم کے فرق ہے تمام زمینوں کی چار قسمیں ہیں :-

۱- جس کو مسلمان ابتداءً زیر کاشت لائیں یہ عشری زمین ہے اس سے خراج لینا جائز نہیں ہے

۲- جس کے باشندے مسلمان ہو جائیں. امام شافعی صاحب کے نزدیک یہ عشری ہوگی، اس پر خراج لینا جائز نہیں. امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس زمین پر عشر یا خراج کا مقرر کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے

۳- وہ زمین جو مشرکین سے جبراً حاصل کرلی گئی امام شافعی کے نزدیک اس زمین کو غانمین پر تقسیم کر کے عشر وصول کیا جائے، امام مالک کے نزدیک اس زمین کو مسلمانوں پر وقف کر کے خراج وصول کیا جائے. امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کو دونوں چیزوں کا اختیار حاصل ہے

۴- وہ زمین کہ جس کے مالک مشرکین سے مصالحت ہوگئی ہو اس پر خراج ہی لگایا جائے گا۔

خراج کی مقدار زمین کی حیثیت پر ہے حضرت عمرؓ نے زمینوں کی پیمائش کروا کے ان کی حیثیت کے مطابق خراج لگایا تھا اور ایسے تمام امور کا لحاظ رکھا گیا تھا جس سے زمین کے مالک اور کاشتکار کسی کا بھی نقصان نہ ہو

خراج کی آمدنی کا مصرف بھی مفاد عامہ ہے مثلاً سڑکیں، سرائے، پل، ہسپتال، مدارس وغیرہ بنوانا[۱] آج کل زمینوں کے اوپر جو ٹیکس عائد کیا گیا ہے اس کو لگان یا مالگذاری کہا جاتا ہے جس کو دنیا کا کوئی ملک بھی ظالمانہ ٹیکس نہیں قرار دیتا لیکن نہیں معلوم کہ اسلام کے بارے میں کیوں اس تعصب کو جائز رکھا گیا ہے۔

---

[۱] مجمع الانہر ص ۶۶۸ ج ۱

زمین کا بندوبست

امام صاحبؒ کے مسلک کے مطابق امام ابو یوسف صاحبؒ زمینداری کی اس قسم کو حرام قرار دیتے ہیں کہ جس میں حکومت کاشتکاروں سے مالگذاری وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو زمیندار بنا کر بٹھا دیتی ہے اور عملاً اسے یہ اختیار دیدیتی ہے کہ حکومت کا لگان ادا کرنے کے بعد باقی جو کچھ چاہئے اور جس طرح چاہے کاشتکاروں سے وصول کیا جائے وہ کہتے ہیں کہ زمین کے عطئے صرف اسی صورت میں جائز ہیں کہ جبکہ غیر آباد اور غیر مملوکہ زمین کو آباد کاری کی نیت سے معقول حد کے اندر دیجائے اس طرح کا عطیہ جس شخص کو دیا جائے اگر تین سال تک وہ شخص اس کو آباد نہ کرے تو اس سے واپس لے لینا چاہئیے

لہ کتاب الخراج ص۱۱۱

مسلمان غیر مسلم مملکت میں

غیر مسلم مملکت سے مراد وہی حکومتیں ہیں جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہو اور مسلمانوں کی اقلیت اور مسلمان عملاً محکوم ہوں، دستوری اعتبار سے اس کا فیصلہ کرنا آجکل ذرا دشوار ہے کہ کون حاکم ہے اور کون محکوم۔ کیونکہ حاکم اور محکوم کا احساس و اظہار برتاؤ سے ہوتا ہے محض کتابت دستور سے نہیں۔ اگر کسی ملک میں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود پُرامن رہتے ہوں اور ان کی عبادتگاہیں محفوظ اور ان کے حقوق مصئون ہوں اور ان کو پورے شہری حقوق حاصل ہوں اور وہ اپنے شعار اور فرائض کو بلا روک ٹوک ادا کرتے ہوں تو ایسی کافر حکومت ان کے لئے ایسی نام نہاد اسلامی حکومت سے بدرجہا بہتر ہے کہ جہاں ان کا دین محفوظ نہ ہو گذشتہ زمانہ میں کمال اتاترک کی حکومت کو کیا کہا جائے گا اور زمانہ قدیم کی شاہ نجاشی کی حکومت کے متعلق کیا رائے ہوگی؟ بہرحال دستور کے ساتھ نفاذ دستور کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہ نہیں جیسا کہ آج کل جمہوری حکومتوں میں دستور تو مرتب کر لیا جاتا ہے لیکن اس کا نافذ ہونا اکثریت کے رحم و کرم پر موقوف ہوتا ہے۔

جہاں تک اسوۂ نبی صلعم اور حضرات صحابہ رضؓ کی مقدس زندگیوں کا تعلق ہے وہ ہمارے لئے ہر حالت میں مشعل راہ ہیں اور حنفی فقہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اکثریت اقلیت، جہاد، امن، صلح، جنگ، معاہدے غرضکہ ان مقدس زندگیوں کی روشنی میں حنفی فقہ میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام ہی مسائل کا حل موجود ہے۔

ہم نے مختلف دساتیر کو پڑھا، لیکن جو رعایت اور آسانیاں اہل کفر کے غلبہ

کی صورت میں مسلمانوں کے لئے حنفی فقہ نے بہم پہونچائی ہیں ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد ان کے مدوّنین کی روحوں کے لئے بے اختیار منہ سے دعائیں نکلتی ہیں

قیام جمعہ وعیدین

جمعہ وعیدین کی حیثیت حکماً اگرچہ واجبات کی ہے لیکن اجتماعیت کیوجہ سے ان کو شعاریت حاصل ہے اس لئے ان کے قیام کے لئے امام کی ضرورت ہے۔ ائمہ حنفیہ نے قیام جمعہ وعیدین کے لئے امام وقت یا اس کے مقرر کردہ حاکم کو شرط قرار دیا ہے فقہ حنفی کے نزدیک اسی قسم کی دوسری نزاکتوں کے پیش نظر نصب امام واجب ترین امر ہے

ونصبہ اھم الواجبات فلذا قدموہ علی دفن صاحب المعجزات صلعم ۱ؕ — تقرر امام واجبات میں سب سے زیادہ اہم ہے اسی وجہ سے حضرات صحابہؓ نے حضور صلعم کے دفن پر اس کو مقدم کیا

علامہ نسفی نے اپنی مشہور عالم کتاب شرح عقائد نسفی میں امام کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ احکامات شرعیہ کے نفاذ اور حدود اللہ کے قیام، امور جہاد کی انجام دہی اور اسلامی مملکت کو مفسدوں اور لٹیروں سے مامون رکھنے کے لئے ونیز جمعہ وعیدین کو قائم کرنے کے لئے اور شہادتوں کے قبول ورد کرنے کے لئے کسی امام کو ضرور مقرر کرلیں ۲ؕ

اس مختصر عبارت سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ معاملات اور عبادات میں بغیر تقرر امام کے چارۂ کار نہیں ہے چنانچہ حدیث کی کتابوں میں بہ کثرت احادیث موجود ہیں جن میں مسئلہ امامت کو خاصی اہمیت دی گئی ہے اسی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر دار الکفر میں تقرر امام ایک نازک ترین مسئلہ بن گیا ہے لیکن فقہ حنفی نے اس نزاکت کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ تراضی المسلمین سے اس مسئلہ کو سہل ترین کردیا ہے۔

امافی بلاد علیھا ولاۃ الکفار فیجوز للمسلمین — لیکن ان شہروں میں جن میں غیر مسلم حاکم ہیں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین

۱ؕ در مختار مطبوعہ ج ۱ ۲ؕ شرح عقائد نسفی

اقامة الجمعة والاعياد	قائم کرنا جائز ہے اور وہاں مسلمانوں
ویصیر القاضی قاضیا	کا آپس میں کسی کو قاضی مقرر کر لینا
بتراضی المسلمین لہ	ہی کافی ہوگا) اور وہ قاضی شرعی
	حاکم کے حکم میں شمار ہوگا۔

یعنی اگر مسلمانوں نے اپنے معاملات طے کرنے کے لئے کسی کو حاکم شرعی یا قاضی بنا لیا تو ان کے اوپر سے وہ ذمہ داری ساقط ہو جائے گی جو شریعت نے ان کے اوپر ڈالدی ہے اور یہ قاضی بھی نام کا قاضی نہ ہوگا بلکہ اس کے فیصلے معتبر اور نافذ ہونگے آج کل ہندوستان میں بیشتر مقامات پر شرعی پنچائیتوں کا قیام اسی حاکم شرعی کا بدل قرار دیا گیا ہے

غلبہ کفار کی دشواریوں اور نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے سلطان عبدالحمید خاں نے ۹۴۵ھ میں ایک حکم صادر فرمایا تھا جس کو حنفی فقہ نے نظر انداز نہیں کیا ہے اسی وجہ سے غیر مسلم ممالک میں قیام جمعہ وعیدین کے لئے مسئلہ میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں رہی ہے۔

وفی مجمع الانھر انہ جائز	کتاب مجمع الانہر میں مذکور ہے کہ
مطلقاً فی زماننا لانہ وقع	اقامت جمعہ وعیدین مطلقاً جائز ہے
فی تاریخ خمس واربعین	کیونکہ ۹۴۵ھ میں اذن عام ہو چکا
وتسعمائۃ اذن عام و	ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔
علیہ الفتویٰ ۲ہ	

یعنی دار الکفر میں غلبہ کفار، اقامت جمعہ وعیدین کے لئے موانع میں داخل نہیں سمجھنا چاہئے۔ علامہ شامی نے اس پر تنقید بھی کی ہے، لیکن صاحب مجمع الانہر نے ص۱۶۵ ج ا پر اس کے متعلق جو بحث کی ہے وہ بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی الحاصل حنفی دستور نے بدلتے ہوئے حالات میں جو رہنمائی کی ہے وہ ایک ناقابل فراموش احسان ہے۔

ا۔ رد المحتار ص۳۶۱ ج ۲ ۲ہ درمختار ص۵۹۲ ج ا

حدود و قصاص

ملک میں امن امان قائم رکھنے کیلئے حدود اللہ (قطع ید قصاص، ضرب اسواط) کا قیام ضروری ہے آجکل کے نام نہاد مہذب ترین ملکوں میں قتل، زنا، سرقہ اور ناجائز بچوں کی شرح پیدائش کی جو رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ متعلقہ حکومتیں اپنے نام نہاد دستور کو بھی نافذ کرنے میں قاصر ہیں جس کی وجہ سے ان جرائم اور قتل انسانی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی ہے لیکن اسلام نے قتل کا بدلہ قتل قرار دیکر انسانی زندگیوں کو فنا کے گھاٹ اور بن آئی موت سے محفوظ رکھا ہے۔

ولکم فی القصاص حیاۃ۔ الآیۃ　　تمہارے لئے قصاص لینے میں حیات ہے

لیکن حدود و قصاص کا قائم کرنا حکومت کا کام ہے افراد اور رعایا کا نہیں اسی وجہ سے فقہ حنفی نے غلبۂ کفر کی صورت میں مسلم رعایا کے اوپر سے اس فریضہ کو اٹھا دیا ہے

لا تقام الحدود فی دار الحرب[1]　　دار الحرب میں حدود قائم نہیں کی جائینگی

امام صاحب نے حدود و قصاص کے متعلق یہ حکم محض اپنے قیاس سے نہیں بیان فرمایا بلکہ ان کے پاس اس باب میں متعدد احادیث ہیں جنکے لئے الرد علی سیر الاوزاعی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے

دستوری اعتبار سے ہم نے یہاں تک جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ایک چیز نمایاں طور پر موجود ہے وہ یہ کہ اقامت حدود اور دعوت دین کو اجتماعی طور پر انجام دینے کے لئے دار الاسلام ہو یا دار الحرب، امامت اور قیادت از بس ضروری ہے بغیر اسکے دین کے صحیح خدوخال نمایاں نہیں ہو سکتے۔ اقامت حدود کے لئے تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر بغیر اقامت حدود کے امن قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی بھی حد کے ٹوٹنے کی صورت میں فساد لازمی ہے اور ازالہ فساد قیام حد سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ فتنہ پرور عناصر کے ہاتھوں کو

---

[1] الرد علی سیر الاوزاعی

جب تک کوئی روک نہ لگائی جائے اس وقت تک وہ فتنہ انگیزی سے باز نہیں آسکتے اور یہ چیز قیادت و امارت کی قوت ہی سے انجام پاسکتی ہے

قیام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام ہی دعوت ہے اسکے لئے بھی امارت کی ضرورت ہے اس کی وجہ سے صلاح پذیر طبائع منکرات سے مجتنب رہیں گی اور اشاعت دین کے لئے بھی راہیں استوار رہینگی۔ موجودہ زمانے میں مغرب نے ایک خاص قسم کی نہج حکمرانی (جمہوریت) کی ترویج کر کے اسلام کے لئے بڑی مشکلات پیدا کر دی ہیں جن جماعتوں نے عملی طور پر اس نظم کو قبول کر لیا ہے وہ اشاعت کے لئے بڑی آڑ بن گئی ہیں۔ ایسے زمانہ میں سب سے آسان صورت یہ ہے کہ ملک میں جماعت مسلمین کا ایک وفاق قائم ہو جائے تو ان دونوں راہوں میں آسانی کے ساتھ سفر کیا جا سکتا ہے اور امارت مرحومہ کو پھر ایک دفعہ متنبہ کیا جا سکتا ہے افسوس کہ ۱۹۶۳ء میں اس کی ایک شکل بن کر آئی تھی جس کو سہارا دیکر اور اس کی اصلاح کر کے اچھی صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں لیکن بعض مسلم جماعتوں نے اس وفاق کو پارا پارا کر دیا اور حق یہ ہے کہ اس قسم کا فعل ان ہی لوگوں سے صادر ہو سکتا ہے جو قیادت کی اہلیت نہیں رکھتے اور قیادت کو سنبھالنے کے متمنی رہتے ہیں۔ بلاشک ہر زمانہ میں اس قسم کے عناصر اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہوئے ہیں لیکن یہ بھی عجیب تماشہ ہے ۱۹۷۷ء میں جب مسلم جماعتیں سوچنے بیٹھیں تو مسلم مجلس مشاورت کو فرقہ پرستی کہہ کر فرار کرنے والے بعض جدید مسلم لیڈروں نے پھر وہی کیا جس کو توڑ آئے تھے۔ شکست و ریخت کی یہ طفلانہ حرکتیں چاہت نفس ہیں اور کچھ نہیں ان کو ملت سے کیا غرض؟ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ بھی کسی جگہ کچھ ہیں یا نہیں؟

بگڑی تقدیر بن جاتی ہے

سورۂ یونس جو ۱۱ یا ۱۲ نبوی میں سورۂ اسرأ اور ہجرت

سے پہلے نازل ہوئی ہے اس میں ارشاد ہے

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ	ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ کرو اور نماز قائم کرو اور بشارت ہے مومنین کے لئے۔

اس آیت میں بیوت سے مراد مسجدیں ہیں کہ ان کو قبلہ رُخ بناؤ اور ان میں نماز قائم کرو اور اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک پریشان اور پرآشوب دور کی طرف اشارہ آیا ہے۔ فرعون نے مصر میں جب بنی اسرائیل کو منتشر کر دیا تھا تو ان میں اجتماعیت پیدا کرنے کے یہ نسخہ تجویز کیا گیا ہجرت سے پہلے ان آیتوں کے نازل کرنے کا مقصد غالباً یہی ہے کہ ملت میں اجتماعیت پیدا کرنے کے لئے مسجد اور مسجد دالاعمل قائم کیا جائے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہونچ کر سب سے پہلے یہی کیا یہی عمل ہر جگہ کرنا چاہیئے تاکہ ملت میں اجتماعیت اور نماز کے ذریعہ سے اچھے اخلاق پیدا ہوں یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ جہاں بھی مسلمان آباد ہوں ان پر واجب ہے کہ وہ مسجد تعمیر کریں پوری تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب تاریخ الاحکام۔

معاشیات

قرآن پاک کو اگر بغور پڑھا جائے تو یہ چیز بہت نمایاں طور پر سامنے آئیگی کہ عبادات، ذکر و فکر، خوف آخرت کے بیان کے بعد اور اسی طرح طلاق و نکاح خلع، جہاد، حج کے بیان کے ساتھ ساتھ اکل حلال کی تاکید فرمائی ہے چنانچہ روزہ کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے :۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ — اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق

آخرت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ — اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال اور پاکیزہ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو!

ان کے علاوہ اور متعدد آیات ہیں ان میں اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ بخوبی معلوم ہو جائیگا کسی بھی غیر جائز طریقہ سے جو مال حاصل کیا جاتا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ عبادات و معاملات میں اضمحلال اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے بلکہ عقیدۂ آخرت میں بھی کمزوری آتی ہے جس سے انسان کی انسانیت بھی تباہ ہو جاتی ہے اور زمین پر ظلم، استبداد کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور دھیرے دھیرے قتل و غارتگری کا بازار گرم ہو جاتا ہے اسلام جہاں عقیدۂ آخرت اور قیام عبادات کی دعوت دیتا ہے وہ معاملات کی بھی اصلاح کرتا ہے چنانچہ رسولوں کی تعلیمات پر اگر غور کیا جائے تو وہ انسانوں کو ان چھوٹے اعمال کے ارتکاب سے بھی بچاتے ہیں جن کا انجام بہت بری تباہی ہوتا ہے۔

چونکہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے نزدیک نظریۂ آخرت کوئی چیز نہیں ہے اور نہ وہ وجود باری اور اس کے نظام ارسال رسل ہی کو مانتے ہیں اس لئے انکے واسطے معیشت کی تمام راہیں آزاد ہیں جس میں وہ اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں انکے سامنے دوسروں کے فائدے کو اقدمیت حاصل نہیں ہوتی ہے

مسلمان چونکہ کسی فرد کو بھی عطیات الٰہی اور معاشں سے محروم کرنے کو جرم سمجھتے ہیں انکی شریعت میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ ایک کو مرزوق کثیر کردیا جائے اور دوسرے کو محروم و عاجز، اس لئے اسلام نے ربٰوا کا کاروبار اور اس طریق تجارت کی ممانعت کی ہے کہ جس میں پورا سرمایہ صرف ایک ہی کی ملکیت بن جائے اور دوسرے محنت و مشقت کے باوجود محروم رہیں اور اس طرح نظام سرمایہ داری کو عروج اور تقویت حاصل ہوتی رہے۔ موجودہ نظام معیشت و اقتصادیات نے اگرچہ بہت زیادہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح سرمایہ داری سے نجات مل جائے کمیونزم نے بھی ملکیت ختم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دنیا کا کوئی فلسفۂ اقتصادیات یہ نہ بتلا سکا کہ سرمایہ دار کون ہے؟ اسلام نے صاحب نصاب کو مالدار کہہ کر بات ختم کردی ہے ایسے مالدار کو اسلام لینے کا ذہن نہیں بلکہ دینے کا ذہن دیتا ہے اور ملکیت کو بھی باقی رکھتا ہے

سودی معاملات

سودی کاروبار اور بیوعات فاسدہ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات صاف ہو جائے گی کہ اس میں سرمایہ داری کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور غریب محروم ہوتا ہے جو سراسر بے انصافی پر مبنی ہے آج کل کے نظام حکومت کے شیدائی غور فرمائیں کہ ایک کا سوا، ڈیڑھ اور دو وصول کرنے کے ڈانڈے کہاں جا کر ملتے ہیں یقیناً آج کل کے طریق تجارت سے منافع صرف ایک ہی کی ملکیت میں سمٹ کر جا رہا ہے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے کہا ہے کہ منصوبہ بندی سے سرمایہ داروں کو زیادہ فائدہ پہونچا ہے اور غریبوں، کاشتکاروں کو بہت کم[1]

---

[1] مدینہ دسمبر ۱۹۶۳ء

بات یہی ہے کہ موجودہ طریق تجارت کی ابتدا ء بنیا سسٹم سے ہے اور اسکی انتہا شہنشاہیت پر ہے لیکن افسوس اس کا علاج آج کل کے مفکرین اور معاشیات کے ماہران غلط طریقوں کے خاتمہ کے لیے کوئی حل نہیں پیش کر سکے

بینک سسٹم، کوآپریٹیو نظام، انشورنس، لاٹریاں، بونڈس وغیرہ تمام ہی طریقوں میں سود اور ناحق نفع خوری پائی جاتی ہے اسی طرح قمار بازی، سٹہ بجرمانہ اور ٹیکس سب کی سب سرمایہ دارانہ لعنتیں ہیں جس میں ہندوستان کے ہندو مسلمان سب ہی گرفتار ہیں۔ ایسی حالت میں حنفی دستور نے نزاکت کو محسوس کیا ہے اور مسلمانوں کو ایسے دور ابتلا میں پسماندگی کی بدترین لعنت سے محفوظ رکھا ہے

قال ابو حنیفة لو ان مسلماً	امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی
دخل ارض الحرب بامان	مسلمان اہل کفر کے ملک میں امان
فباعهم الدرهم	(ویزا) لیکر جائے (یا اس ملک کے
بالدرهمين لم يكن	دستور کو تسلیم کر کے وہاں کا شہری
بذلك بأس لان احكام	بنجائے) اور وہاں کے کافروں کے
المسلمين لا تجری فبای	ساتھ لین دین اس طرح کرے کہ
وجه اخذ اموالهم	کافر اس کو ایک درہم کے بدلے میں
برضائهم فهو جائز [1]	دو درہم (سود) دیں تو اس میں اس

مسلمان کے لئے مضائقہ نہیں ہے یہ اس کے لئے حلال ہے اس لئے کہ مسلمانوں کے احکامات کافروں پر جاری نہیں کئے جا سکتے لہذا اہل کفر اپنی مرضی سے جس طرح بھی اپنا مال مسلمانوں کے سپرد کریں مسلمانوں کے لئے یہ مال حلال ہے۔

لہذا بنک وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کو جو رقم سود کے نام سے ملتی ہو وہ ان کے لئے جائز ہے، لیکن اس سہولت اور دستوری لچک کا یہ مطلب نہیں ہے

---

[1] الرد علی سیر الاوزاعی ص ۹۶

کہ مسلمان آپس میں بھی سودی کاروبار کرنے لگیں اس لئے کہ مسلمانوں کی حیثیت
نہ صرف ایک عام شہری کی سی ہے بلکہ ان کے ذمہ اقامت دین اور دعوت دین
کی بھی ذمہ داری ہے انکی ذمہ داری ہے کہ وہ عملی طور پر اسلام کا کردار پیش کریں۔
اس جگہ امام صاحب کے مذکورہ قول کی لطافت کی طرف بھی اشارہ کرنا
فائدہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا ہے امام صاحب نے اپنے مذکورہ قول میں
برضائھم (انکی رضامندی) کی قید کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے
کہ یہ معاملہ کافروں کی رضامندی سے ہونا چاہیئے لہذا جب کافر اپنی مرضی سے
کسی عنوان سے اپنے مال کو کسی مسلمان کے حوالے کردے تو اس کو کون روک
سکتا ہے اس کا مال ہے جو چاہے کرے رضامندی کی وجہ سے اس مال میں وہ
قباحت بظاہر نہیں معلوم ہوتی ہے جو غلط معاملہ کے کسب میں ہوتی ہے اور غلبہ
کفر کی وجہ سے ہم ان کو اپنے دستور کا مکلف بھی نہیں قرار دے سکتے لہذا بہتر
یہ ہے کہ اہل کفر سے برضا و رغبت جو مال حاصل کیا جاتا ہے اس کو مصالح مسلمین
پر خرچ کر دیا جائے

لاربو بین المسلم و	اہل کفر کے ملک میں مسلمان اور
الحربی فی دار الحرب[1]	کافر کے درمیان ربو نہیں۔

اس سے بات صاف ہوگئی، لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز
اجازت نہیں ہے کہ وہ آزاد طبع ہوجائیں ہاں بدرجہ مجبوری اگر ان کو کافروں
کی مرضی سے کچھ مل رہا ہو تو اس کو حاصل کرلیں از خود اس کے طالب نہ ہوں اور
حتی الامکان اجتناب ہی کریں کیونکہ اس عارضی نفع خوری سے اجتناب بہتر ہے
حضرت شیخ الاسلام سیدی مرشدی و مولائی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی
قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے

دار الحرب میں غدر اور خیانت کے سوا ہر طریقہ سے اہل حرب سے اموال
حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے مباح ہے اسلئے کہ مسلمانوں اور حربی

[1] رد المحتار

کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا ہے طرفین کا اصول ہے

لان الربٰو لا یجری بین المسلم والحربی فی دار الحرب — اس لئے کہ ربوا مسلمان اور کافر کے درمیان دار الحرب میں جاری نہیں ہوتا

امام ابو یوسف کے نزدیک حربی کے ساتھ بھی سودی معاملہ جائز نہیں ہے جو لوگ از راہ تقویٰ دار الحرب میں سود لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ امام ابو یوسف کے اسی مسلک پر عمل پیرا ہیں لیکن یہ تمام تفصیلات اس صورت میں ہیں جب کہ سود لینے والا مسلمان اور سود دینے والا حربی ہو مسلمان کا مسلمان سے سود لینا یا غیر مسلم کو سود دینا متفقہ طور پر ناجائز ہے [۲]

اس معاملہ میں امام ابو یوسف رح کا مسلک زیادہ قوی اور نصوص کے مطابق ہے کیونکہ حدیث لا ربٰو میں بہت سخت اختلاف ہے اور کوئی بھی اس کی صحت کا قائل نہیں ہے لیکن مکحولؒ نے اس کو مرسل روایت کیا ہے اور وہ ثقہ ہیں اور ثقہ کے مراسیل معتبر ہوتے ہیں تاہم امام صاحب نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا ہے اس میں زمانہ کی نزاکت اور حالت اضطرار کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے کیونکہ جب ماحول اور معاشرہ بگڑ جائے اور سانس لینا بھی دشوار ہو جائے تو ایسے ماحول اور معاشرے میں عہدہ برآ ہونے کے لئے ایسے اموال کو کراہت لے کر مفاد مسلمین اور غرباء پر تقسیم کر دینا چاہیئے نہ یہ کہ مسلمان خود ہی اس کے عادی ہو جائیں اور بلا ضرورت بھی ایسے کاروبار میں ملوث ہو جائیں ان کو معلوم رہنا چاہیئے کہ وہ کسی بھی ملک میں عام شہری کی طرح نہیں ہیں بلکہ داعی الی اللہ بھی ہیں اور قیام شعار اسلام ان کے ذمہ ہے اور یہ بات دیگر ہے کہ فقہائے متاخرین نے سودی رقم کو انتظاماً اور مصلحتاً مسلمانوں کے مفاد عامہ اور غرباء و مساکین کی پرورش پر صرف کرنے کا مشورہ دیا ہے اس لئے

---

[۱] مکتوبات شیخ الاسلام [۲] ایضاً

بینک سسٹم سے حاصل کردہ رقم کو مسلمانوں کے مفاد عامہ پر صرف کرنا جائز ہے ہاں دھوکہ بازی اور خیانت سے گریز کرنا چاہیئے

اذا دخل دار الحرب بامان	جب مسلمان اہل کفر کے ملک میں پاسپورٹ
مسلمٌ تاجر یحرم علیہ ان	اور ویزا کے ذریعہ داخل ہو جائیں تو
یتعرض بشئ من اموالھم[۱]	کافروں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:۔

لان مالھم مباح فی دارھم	اس لئے کہ کافروں کا مال دار الحرب
فبای طریق اخذہٗ المسلم	میں غدر و خیانت کے علاوہ جس
اخذ مالا مباحا اذا لم یکن	طرح بھی حاصل کیا جائے وہ مال
فیہ غدر[۱]	مباح ہے

صاحب در مختار اس عبارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

اذا المسلمون عند شروطھم[۲]	اس لئے کہ مسلمان شروط پر قائم رہتے ہیں اور اسی کے مطابق وہ ماخوذ ہیں

بالفرض اگر کسی نے دھوکہ اور خیانت سے مال حاصل کر لیا تو اس کو صدقہ کرنا پڑیگا غرضکہ اسلامی دستور یا فقہ حنفی نے مختلف حالات میں مسلمانوں کے لئے جو سہولتیں بہم پہونچائی ہیں وہ ناقابل فراموش احسان ہے اگر دوسرے فقہوں کی طرح اس میں بھی سختیاں ہوتیں تو آج کل کے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے لئے زندگی گذارنا نہایت دشوار ہوتا۔

اس جگہ اگر غور و فکر کو کام میں لایا جائے تو حنفیت کی مقبولیت اور اس کے اسباب عروج بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ میں ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ حنفیت کو عروج اس کو اپنے ابتدائی اقتدار کی وجہ سے ہوا ہے جو یہ کہتا ہے وہ تاریخ اسلام کو مسخ کرتا ہے اور امت مسلمہ پر جبن اور بزدلی کی تہمت لگاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس امت نے کبھی اقتدار

اور طاقت کے بل بوتے پر کسی چیز کو قبول نہیں کیا ہے لہذا جب یہ معاملہ ہے تو سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ حنفیت کی قبولیت اس کے سہل انگاری کی وجہ سے ہوئی ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ

ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ اسلام عطیات الہٰی سے کسی کو محروم کرنا نہیں چاہتا حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں۔

جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم ما فی الارض جمیعًا تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہے یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس ہیں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت مقرر کیا گیا ہے اور جب تلک کسی شی پر کسی شخص کا قبضہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تلک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کرسکتا[1]

اس عبارت کو آسان طور پر اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ زمین کی پیداوار سے سب کو انتفاع کا حق حاصل ہے لیکن ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ اس انتفاع کے آڑے آتے ہیں شریعت نے اس کو احتکار وغیرہ کے نام سے یاد کیا ہے اور حنفی فقہ نے حدیث شریف کی روشنی میں اس حضرت رساں ذخیرہ اندوزی کو بری نظر سے دیکھا ہے۔

من احتکر فھو خاطی[1] جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ خاطی ہے

زمانہ جاہلیت میں تاجروں نے عادت بنالی تھی کہ لوگوں کی ضرورت کی اشیا خاص خاص مواقع کے لئے ادہر ادہر سے جمع کر کے روک لیتے تھے اور پھر بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرتے تھے جس سے لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی ہوتی تھی حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضہ کو معلوم ہوا کہ شہر سے

---

[1] اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۳۱

باہر کچھ تاجر ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے پاس غلہ کی بڑی مقدار ہے آپ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص ہے اور آپ کے غلام نے یہ غلہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ مناسب وقت پر کثیر منافع لیکر فروخت کرے تب حضرت عمرؓ نے اس کو نصیحت فرمائی۔

حنفی فقہ نے ایسی ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کہ جس سے دوسروں کو نقصان پہونچے روکا ہے اور حرام قرار دیا ہے[۱]۔ یہ حکم صرف کھانے پینے کی اشیاء تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء میں داخل ہیں امام ابو یوسف فرماتے

کل ما اضربہ العامۃ فھو احتکار[۲]	ہر وہ شے جس کی رکاوٹ سے عوام کو ضرر ہو وہ احتکار ہے

ملاوٹ اور کھوٹ

اشیاء کو مارکیٹ میں اس کی اصلی حالت کے بجائے ملاوٹ کے ساتھ فروخت کرنا اور اصلی ظاہر کرنا یہ آج کل اگرچہ ایک آرٹ اور فن سمجھا جاتا ہے جس کو باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے بھلا وہ لوگ کس طرح فلاح پا سکتے ہیں جو عیوب اور خرابیوں کو فن کی طرح سیکھتے ہیں لیکن اسلام کے نزدیک یہ فعل نہایت مذموم ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو نقصان پہونچتا ہے فقہ حنفی نے اس مذموم حرکت کو بند کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد پیش کیا ہے

لیس منا من غش فی البیع والشراء (الحدیث)	وہ ہم میں سے نہیں جس نے خرید وفروخت میں دھوکہ دیا۔

اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء حنفیہ نے حکم دیا ہے

الغش حرام[۳]	غش حرام ہے

یعنی اشیاء میں ملاوٹ کرکے فروخت کرنا گناہ کبیرہ اور ایک بڑا اخلاقی

۱۔ درمختار ص۲۴۶ ج ۴ ۲۔ ایضاً ص۹۶ ج ۵ ۳۔ تمسیق ص۱۴۲

جرم ہے اس لئے کہ پبلک کو نظر انداز کر کے اپنی تجوری آباد کرنا انتہائی درجہ کی پست اخلاقی ہے حنفی دستور کی رو سے اس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا اور مشتری کو اس کی قیمت واپس دلائی جائے گی

ونسخه اذا وجد فی البیع عیبًا — اس بیع کو توڑ دیا جائیگا جس بیع میں عیب موجود ہوگا۔

اس قسم کے معاملہ کو فقہ حنفی میں بیع غرر یا غش کہتے ہیں فقہاء حنفیہ نے باب خیار عیب کے تحت اس کے قواعد و ضوابط بیان کئے ہیں اور جگہ جگہ احادیث سے استدلال کر کے اس ناجائز منافع خوری کی کمر توڑ دی ہے افسوس کہ آجکل جمہوری حکومتوں نے کماحقہ حنفی دستور سے استفادہ نہیں کیا

قمار یا سٹہ سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت دینے کے لئے یہ وہ طریقہ کسب ہے جس میں بے محنت دولت حاصل کرنے کی لت پڑ جاتی ہے۔ اسلام اور فقہ حنفی نے اس کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے ایک مشہور حنفی عالم حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین پر ان کی معاش کا انتظام فرمایا تو انسانوں کے درمیان جنگ و جدل اور کشمکش برپا ہوگئی تب خدا کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا کسی دوسرے جائز اور صحیح طریقے سے کسی چیز کا مالک ہے اس کی چیز میں دوسرا کوئی مزاحمت اور کشمکش کا حقدار نہیں ہے البتہ دوسرے کو بدل کے ذریعہ خریداری اور معتبر و صحیح رضامندی اور معاملت کے ساتھ اس چیز کو حاصل کرنے کا حق حاصل ہے پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے کہ جس میں نہ بدل صحیح ہو اور نہ باہمی تعاون پایا جائے بلکہ دوسرے کو نقصان دیکر نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے قمار یا اس میں صحیح رضامندی موجود نہ ہو جیسے سود تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۳ ج ۲

اس باب میں حنفی فقہ کی بنیاد یہ آیت مبارکہ ہے

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ	بلاشبہ شراب، جوا، بت، پانسے
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ	یہ سب سراسر نجاست اور شیطانی
الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ	دھندے ہیں ان سے بچو

میسر و ازلام، منابذہ، ملامسہ وغیرہ مخرب اخلاق طریقوں کو مرور ایام نے اب تہذیب و اخلاق قرار دیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ

کوآپریٹیو سوسائٹیاں

آج کل پنجسالہ پلان کے تحت ملک کے باشندوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کے لئے امداد باہمی کا طریقہ نکالا ہے جس کو کوآپریٹیو سوسائیٹی کہا جاتا ہے یہ اگرچہ غریب کاشتکاروں، مزدوروں اور متوسط طبقوں کو سستے قرض دینے کے اصول پر چلائی جاتی ہیں مگر سوشلزم نظام کا یہ بدنما دھبہ (سود کی لعنت) اس میں بھی موجود ہے جس کا انجام سرمایہ داروں اور لونجی پتیوں کی سرپرستی اور پرورش ہوتا ہے اور سود کی یہ لعنت جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

لیاتین علی الناس زمان	لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا
لا یبقی احد الا اکل الربو	کہ کوئی سود خوری سے باقی نہ رہیگا
فمن لم یا کلہ اصابہ من	اور جو نہیں بھی کھائیگا اس کو اس کا
بخارہ	دھواں ضرور پہونچے گا۔

بلاشک موجودہ زمانہ اسی خبر کے مطابق ہے اس کو امداد کہا جائے یا ایک قسم کا ذریعہ تجارت کہ جس میں امدادی رقوم کو اضافہ کے ساتھ وصول کیا جائے مسلم رہنما جو مسلم پرسنل لار کو فروغ قیادت کے لئے زبان پر لاتے رہتے ہیں وہ اس شعار کے بارے میں کچھ نہیں کہتے اگر ان لوگوں کو قوم یا اسلام کی فکر ہوتی تو یہ بات نہیں ہے کہ فلاح و بہبودی کی کوئی راہ ہاتھ نہ آتی۔

اسلام اور حنفی فقہ نے ان سوسائٹیوں کی اصلاح کی ہے اور امداد باہمی کے ایسے طریقے بتلائے ہیں جن سے غریبوں کی تباہ حال زندگیاں خوش حالی سے بدل سکتی ہیں اور ان طریقوں سے غریبوں کا بہت زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے مثلاً پبلک سوسائٹیوں کا نظام اس طرح قائم کیا جائے کہ تجارتی، زراعتی، صنعتی ناموں سے علیحدہ علیحدہ مجالس کا قیام عمل میں آجائے اور سود کی لعنت کو اس میں سے نکال دیا جائے فقہ حنفی میں ان مجالس کے یہ اسمار ہیں

الف۔ شعبہ تجارت میں مضاربت، معاوضہ، عنان، وجوہ

ب۔ شعبہ زراعت میں مضارعت، معائلہ، مساقات

(۱) **مضاربت** :۔ یہ ایک قسم کا تجارتی معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل یا محنت ہوتی ہے اس کی ۶ شرطیں ہیں جن کو فقہ کی کتابوں سے دریافت کیا جا سکتا ہے

(۲) **معاوضہ** :۔ ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں کمپنی کے طور پر چند افراد اپنا اپنا مال لگا کر شریک ہو جاتے ہیں اور نفع و نقصان کے آپس میں شریک ہوتے ہیں

(۳) **شرکت صنائع** :۔ کمپنی کے طرز پر اس کاروبار کو کہتے ہیں جس میں چند ہم پیشہ صاحب صنعت و حرفت اپنے اپنے پیشہ کو شرکت کے ساتھ چلاتے ہیں اور نفع و نقصان میں شریک رہتے ہیں۔

(۴) **وجوہ** :۔ کمپنی کے طور پر چند افراد کے درمیان مساوی عمل و محنت، کسب، اکتساب میں شرکت ہو جائے، ان میں سے ہر آدمی اپنے ذاتی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے مارکیٹ میں خرید و فروخت کرتا ہے یہ بھی نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں۔

مسلم معاشرے پر اگر اس لائن سے محنت کی جاتی تو ناممکن تھا کہ معاشرہ کی بدحالی دور نہ ہوتی معاشرہ کی اصلاح کا یہ کام علماء ہی انجام دے سکتے تھے لیکن افسوس کہ اموی اور عباسی دور خلافت سے لیکر اب تک جس چیز کو مسلم دینی قیادت نے ناپسندیدہ قرار دیا تھا ۱۹۷۱ء کے بعد اس کو (یعنی کار حکمرانی میں علماء کی شرکت) اب گوارہ کیا جانے لگا ہے

معاشرت

امور خانہ داری یا افراد کی معاشرتی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں اسلامی قوانین کی ترتیب و حکمت کچھ ایسی عجیب و غریب ہے کہ جس کے ڈانڈے ملکی سیاست سے جا ملتے ہیں گویا کہ گھر کی چہار دیواری ملکی سیاست کے لئے ایک ٹریننگ اسکول یا ابتدائی تربیت گاہ ہے یہاں کے تربیت یافتہ افراد ملکی اور ملی خدمات کے میدان میں کامیاب ہی اترتے ہیں

نظام البیت یا مثالی اسٹیٹ پر نظر ڈالنے کے بعد مختلف افراد سامنے آتے ہیں جن کے خطابات باپ، بیٹا، بیوی، بہن، سالی، خوشدامن، خسر، ماموں، بھانجا، ماں، دادی، پھوپی، نواسہ، نواسی، پوتا، پوتی وغیرہ ہوتے ہیں جن کو اگر غور سے دیکھا جائے تو سب کے سب ایک رشتہ نکاح میں منسلک نظر آئیں گے۔

ان تمام رشتوں میں تال میل قائم رکھنے کے لئے اور اس کی وجہ سے جو مصائب و آلام پیش آتے ہیں ان پر صبر و تحمل سے کام لینے کے لئے امام ابو حنیفہؒ نے ایک حدیث پیش کی ہے :-

اذا بات احدکم مغموما	تم میں سے کسی کا اولاد کے غم و فکر
مھموما من سبب العیال	میں کوئی رات گذارنا اللہ کے نزدیک
کان افضل عند اللہ تعالیٰ	اس کی راہ میں تلوار کے ایک ہزار وار
من الف ضربۃ بالسیف	چلانے سے افضل ہے
فی سبیل اللہ [1]	

یہیں سے ملکی امور میں صبر و تحمل کرنے کی ابتداء ہوتی ہے حنفی فقہ نے

[1] مسند امام اعظم

امور خانہ داری سے متعلق جو قانون تیار کیا ہے اور جو ہدایات فرمائی ہیں انکو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے

نکاح فقہاء حنفیہ نے اشتغال بالنکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا ہے چنانچہ امام ابن ہمام شارح ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :۔

نکاح کی وجہ سے تہذیب اخلاق اور باطنی وسعت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان معاشرہ میں اپنے ابنائے نوع کے ساتھ تحمل اور بردباری سے پیش آتا ہے اس کے علاوہ اولاد کی تربیت۔ غریبوں کی امداد عزیز و اقارب کا نان ونفقہ اور نفس کی پرہیز گاری اسی سے حاصل ہوتی ہے اسی سے اہلیت عبادت بھی پیدا ہوتی ہے، غرض کہ ایسے بہت سے فرائض ہیں جن کی ادائیگی صرف نکاح پر موقوف ہے اسی وجہ سے نکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا ہے۔[1]

امام ابن ہمام نے نکاح کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کی شرح کی ہے اور بیان کیا ہے کہ نکاح سے مقصود تکثیر مسلم بھی ہے یہ ایک ایسی حکمت ہے جس کی وجہ سے ملکی سیاست میں انقلاب لایا جا سکتا ہے کیونکہ آج کل سارا جھگڑا اور سیاست کا رخ صرف اکثریت و اقلیت کے دائرے میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

انتخاب زوجہ اتنا بڑا مقصد جس کی طرف مذکورہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے صرف انتخاب زوجہ پر موقوف ہے یہ مسئلہ اگر طرفین کی مرضی کے مطابق طے پا جائے تو پھر تمام مقاصد کی تکمیل سہل ہو جاتی ہے اس لئے فقہ حنفی نے زوجین کو پورا پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رشتہ زوجیت میں منسلک ہوں۔

لا تجبر البالغة العاقلة　　　بالغہ، عاقلہ لڑکی پر جبر نہیں کیا جا سکتا

---

[1] فتح القدیر ص ۳ ج ۲۔

یعنی اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہو بخلاف دوسرے فقہوں کے کہ ان میں اولیاء کی اجازت کو شرط قرار دیا گیا جس کی وجہ سے لڑکی مجبور محض ہو کر رہ گئی ہے لیکن حنفی فقہ نے اس سے آگے بڑھ کر یہاں تک اجازت دیدی ہے کہ غض بصر کی قیودات کے باوجود انتخاب زوجین (خطبہ) میں ایک دوسرے کو دیکھا بھی جا سکتا ہے اس کے لئے حنفی فقہ ایک حدیث پیش کرتا ہے۔

النظر الیھا احری[۱]   عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا زیادہ مناسب ہے۔

یعنی جس عورت کو بیوی بنانے کا ارادہ ہو اس کو دیکھ لینا زیادہ اچھا ہے اسی حدیث کی روشنی میں فقہائے حنفیہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر ہونے والے شوہر کو شہوت کا اندیشہ بھی ہو تب بھی اپنی منگیتر کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے[۲]

امام ابوحنیفہ ؒ نے ایک حدیث بیان فرماتی ہے جس میں مندرجہ ذیل اقسام کی عورتوں سے نکاح کرنے کو منع کیا گیا ہے:۔

۱۔ شہبرہ۔ موٹی فربہ عورت جس کی آنکھیں بلی کی طرح ہوں

۲۔ نہبرہ۔ دبلی پتلی اور لمبی عورت گویا چھپر کی بلی ہے

۳۔ لہبرہ۔ آزاد شدہ بڑھیا عورت

۴۔ ہبدرہ۔ پستہ قد عورت گویا کہ کپڑے کی گٹھری ہے

۵۔ لغوت۔ جس کی گود میں دوسرے شوہر کا بچہ ہو۔

اس روایت کو امام صاحب نقل فرمانے کے بعد دیر تک ہنستے رہتے تھے[۳]

اسی حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہ نے زمام اختیار زوجین کے ہاتھوں میں دیدی ہے اس جگہ ابواللیث سمرقندی نے بستان میں ایک عجیب واقعہ روایت کیا ہے جو لطف سے خالی نہیں ہے،

ایک حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی نے عہد کیا کہ

---

[۱] ترمذی [۲] ردالمحتار ص۲۴۶ ج ۵ [۳] مسند امام اعظم

جب تک سو آدمیوں سے دریافت نہ کرلوں اس وقت تک نکاح نہ کرونگا چنانچہ جب ۹۹ آدمیوں سے دریافت کرچکا اور سب کا اختلاف پایا توراۃ کو عہد کیا کہ صبح کو جو آدمی بھی پہلے نظر پڑیگا اور وہ جس کے لئے مشورہ دیگا اس سے نکاح کرونگا۔ صبح کو دیکھا تو ایک مجنون بھاگا جارہا تھا کسی طرح اس کو روکا اور مدعا بیان کیا مجنوں نے بیان کیا عورتیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ "ایک تو تیرے لئے، دوسری تیرے اوپر، اور تیسری تیرے لئے یا تیرے اوپر"

اور یہ کہکر پھر بھاگا۔ وہ آدمی بھی اس کے پیچھے بھاگا اور پکڑ کر بولا بھائی میں تو تیری بات سے اور بھی پریشان ہوگیا۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ مجنوں نے جواب دیا

۱۔ تیرے لئے۔ سے مراد کنواری عورت ہے

۲۔ تیرے اوپر سے مراد بیوہ اور بچہ دار عورت ہے جو تیرا مال خود بھی کھائے گی اور دوسروں کو بھی کھلائیگی اور پہلے شوہر کو یاد کر کے روئے گی۔

۳۔ تیرے لئے یا تیرے اوپر سے مراد مطلقہ عورت ہے اگر تو اس کے پہلے شوہر سے اچھا ہے تو وہ تیرے لئے ہے ورنہ وہ تیرے اوپر وبال ہے

کفو انتخاب زوجین کے باب میں حنفی دستور نے کفو کو بھی ضروری قرار دیا ہے چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں اور یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ کی بھی ہے

ویفتی فی غیر الکفؤ لعدم الجواز اصلاً — غیر کفو میں نکاح بالکل ناجائز ہے۔

یعنی ایسا نکاح صحیح نہیں ہے کہ زوجین نے اپنی مرضی سے نکاح غیر کفو میں کرلیا ہو۔ ممکن ہے حنفی فقہ کا یہ قانون بظاہر غلط معلوم ہو لیکن اگر اس کو معاشرے کی اصلاح اور آپس کے تال میل کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو

اس قانون کا ضروری ہونا ثابت ہو جائے گا فقہ حنفی اس کی وجہ بیان کرتا ہے

الوجہ فیہ ان انتظام المصالح	وجہ اس میں یہ ہے کہ انتظام
انما یکون بین الزوج و	مصالح زوج اور زوجہ کے درمیان
الزوجۃ عند التوافق و	آپس میں موافقت اور محبت ہونے
الالفۃ وھما یکونان	کی حالت میں ہوتے ہیں یہ جب ہی
بین المتکافیین [1]	ہو سکتا ہے کہ دونوں میں مساوات ہو

بہر حال فقہ حنفی میں کفو کا اعتبار کیا گیا ہے ہاں اگر عورت اور اس کا ولی غیر کفو میں شادی کرنے پر راضی ہو جائیں تو بات دیگر ہے لیکن اگر عورت نے اپنی ہی مرضی کو مقدم رکھا اور غیر کفو میں شادی کرلی تو اس کے متعلق اوپر بیان کیا جاچکا ہے مزید برآں یہ کہ غیر کفو میں شادی کرنے میں اذلال نفس بھی لازم آتا ہے جس کو فقہاء حنفیہ نے حرام قرار دیا ہے

ولی جہاں تک عورت کے ذاتی حقوق و اختیار کا تعلق ہے وہ اس میں آزاد ہے لیکن جہاں دوسرے کے حقوق سے وابستگی پائی جائے گی وہاں عورت کو تابع رہنا پڑیگا وجہ اس کی غالباً اسکا ناقص العقل ہونا ہے یہ بات اگرچہ عورت پرستوں اور عریاں تہذیب کے عشاق پر گراں ہوگی، لیکن کیا کیا جائے کہ جب ان ہی کے ہم مشرب ماہر جنسیات نے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے

مرد کے سب سے بھاری دماغ کا وزن ۶۹ء۰۷ اونس اور سب سے ہلکے کا وزن ۳۴ اونس ہے اور متوسط درجہ کے دماغ کا وزن ۴۹½ اونس ہے۔ بخلاف عورت کے کہ اس کا سب سے بھاری دماغ ۶۱¼ اونس اور سب سے ہلکا ۳۱ اونس اور متوسط دماغ ۴۴ اونس ہے

ایک حنفی محقق امام اکمل الدین شارح ہدایہ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے۔

نفس انسانی کی قوتوں کو چار درجہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا درجہ یہ کہ

---

[1] بنایہ ص۱۰۳ ج د

مطلقاً سوچنے سمجھنے کی استعداد موجود ہو یہ استعداد فطرۃً ہر انسان میں پائی جاتی ہے دوسرا درجہ یہ کہ جزئیات میں حواس کے استعمال سے بدیہی باتیں حاصل ہونے لگیں (مثلاً دیکھ کر رنگ کا اور چکھ کر ذائقہ کا یقین وغیرہ) اور عقل اس قابل ہو کہ اس میں غور وفکر کے ذریعہ خالص فکری حقائق کا اکتساب کرنے لگے اس کو اصطلاح میں عقل بالملکہ کہتے ہیں اس صلاحیت کے بعد ہی آدمی پر شریعت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں تیسرا درجہ یہ ہے کہ بدیہی حقیقتوں سے جو نظریات مستنبط ہو رہے ہیں ان کے ادراک میں کسی قسم کی دقت اور محنت پیش نہ آئے اس کا نام العقل بالفعل ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ نظریات ہمیشہ ذہن میں اس طرح مستحضر ہوں کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں اس کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے اور شریعت کی ذمہ داریوں کا مدار جس صلاحیت عقل پر ہوتا ہے وہ دوسرا درجہ ہے عورتوں میں اس کی کمی نہیں ہے کیونکہ وہ جزئیات میں حواس کو استعمال کر کے بدیہیات کو پالیتی ہیں اور اگر کسی بات کو فراموش کر جاتی ہیں تو یاد دہانی کے بعد یاد بھی کر لیتی ہیں اگر اس صلاحیت میں کسی قسم کا نقص ہو تو دین کے جن ارکان کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی ہے عورتوں کو اس سے مختلف ارکان کی تکلیف دی جاتی ہے اور ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلعم نے ان کے حق میں ناقصات العقل جو فرمایا ہے اس سے عقل بالفعل، عقل کا تیسرا درجہ مراد ہے[1]

اس تشریح سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ عورت کو امور ذاتیہ میں تو خود مختار قرار دیا جائے گا اور اس کے فعل اور قول کا اعتبار ہوگا لیکن جہاں

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ ص ج ۶ مطبوعہ مصر۔

دوسروں کے حقوق سے ادنیٰ درجہ کی بھی وابستگی ہوگی وہاں اس کے حدود
اختیار پر پابندیاں لگ جائیں گی ان ہی دونوں چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے
حنفی دستور نے قرآن وحدیث کے عین مطابق حکم لگا دیا ہے کہ نابالغ مجنونہ
عورت کو اختیار نہیں کہ وہ بلا ولی کی اجازت کے نکاح کر سکے اس باب میں
مجنونہ ماں کو اپنے بالغ لڑکے کی اجازت کا محتاج رہنا پڑے گا ایسے ہی باعقل
دشعور عورت کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ خاندانی شرافت کو بٹہ لگا کر غیر کفو میں
نکاح کرے۔

مہر مہر کے تقریباً آٹھ یا نو نام ہیں مثلاً المہر، النحلہ، الصداق، العقر
العطیہ، الفریضہ، الاجرۃ، الصدقہ، العلاق [1]

مہر اگرچہ شرائط نکاح میں سے نہیں ہے لیکن احکام نکاح اور واجبات
نکاح میں سے ضرور ہے ائمہ اسلام نے اس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے اسی
طرح جنس مہر میں بھی اختلاف ہے امام شافعی کے نزدیک ہر وہ چیز جو بیع
میں ثمن بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے خواہ لوہے کا ایک چھلا
ہی کیوں نہ ہو اسی طرح وہ محض تعلیم القرآن پر بھی مہر کے قائل ہیں امام مالک
کے نزدیک کم از کم ¼ دینار یا تین درہم ہیں ابن شبرمہ کے نزدیک کم از کم پانچ
درہم، ابراہیم نخعی کے نزدیک کم از کم ۴۰ درہم ہیں۔ سعید بن جبیر کے نزدیک
کم از کم پچاس درہم ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک نصاب سرقہ یہی ہے [2]
امام ابوحنیفہ کے نزدیک اکثر مہر کی حد نہیں لیکن قلت میں کم از کم دس درہم ہونا
ضروری ہیں امام صاحب کے نزدیک یہ حدیث حجت ہے۔

لا مہر اقل من عشرۃ دراہم — دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔

امام صاحب کے نزدیک کم سے کم نصاب سرقہ بھی یہی ہے امام صاحب
کا فرمانا ہے کہ قطع ید چونکہ دس درہم کے عیوض میں آجاتا ہے اس لئے دس درہم

---

[1] عینی شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۷ [2] ایضاً ص ۱۱۸ ج ۲

سے کم مہر مقرر کرنا عضو انسانی کی شرافت کے خلاف ہے
فقہاء کی تشریحات کے مطابق مہر مثل بھی خاص حالتوں میں مقرر کیا جا سکتا ہے مہر مثل میں عورت کے آبائی قبیلہ کی قریبی رشتہ دار عورتوں کے مہر کا لحاظ رکھا جائے گا جس کی شرائط اور قیودات فقہ کی کتابوں میں تلاش فرمائیں

شاہدین اسلامی احکامات میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جو بعض کے لئے قابل قبول ہو اور بعض کے لئے نہ ہو۔ یہی حال شادی (نکاح کے احکامات کا ہے اس میں صرف ایجاب و قبول (جس کے لئے نصاب شہادت بھی شرط ہے) اسلامی شادی بیاہ کی سادہ شکل ہے اور اسلامی مساوات کا عمدہ مظاہرہ ہے کم از کم دو گواہوں کا ہونا اس وجہ سے شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے کیونکہ نکاح سے پہلے وہی عورت جس کی طرف دیکھنا بھی ناجائز تھا، لیکن ایجاب و قبول کے بعد زوج زوجہ کے پورے جسم سے متمتع ہونے کا حقدار ہو جاتا ہے اگر اسلام شہادت کی شرط نہ مقرر کرتا تو زنا اور فواحشات کا دروازہ کھل جاتا اسی لئے فقہاء حنفیہ نے حدیث شریف کی رو سے نصاب شہادت کو شرط قرار دیدیا ہے

لا نکاح الا بشهود — بلا شہادت کے نکاح ہی نہیں ہوتا

اسی وجہ سے امام صاحب نے خفیہ نکاح کو نکاح ہی تسلیم نہیں کیا امام مالک تو اس سے بھی زیادہ اعلان نکاح کو بھی شرط قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ اس کے متعلق فرماتے ہیں

> انعقاد نکاح جبکہ گواہوں کی موجودگی میں ہو گیا، اگرچہ پورے طور پر اعلان نہیں ہوا وہ نکاح جائز ہے اور اہل مدینہ کہتے ہیں کہ جب تک اعلان نہ ہو تو یہ نکاح سر ہے اور نکاح سر کے لئے ممانعت موجود ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ جب کہ نکاح پر گواہ ہو گئے تو اس کو کس طرح باطل قرار دیا جا سکتا ہے؟ (مالکیہ سے خطاب کرتے ہوئے) ایک آدمی بادشاہ

سے خائف ہے اسلئے اپنی لڑکی کا نکاح عادل گواہوں کی موجودگی
میں کر دیا اور کوئی اعلان نہیں کیا، تو کیا یہ نکاح باطل ہے؟ اور
باطل نہیں ہے تو کیوں؟ اس کے بارے میں آپ کہیں گے کہ ایک
اثر موجود ہے جس کی وجہ سے امام مالک نے ایسے نکاح کو جائز قرار
دیا ہے۔ پھر یہ کہ ایک آدمی نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک مرد گواہ اور
دوسری گواہ عورت کی موجودگی میں کر دیا حضرت عمر رضہ نے اس
نکاح کو ناجائز قرار دیدیا آپ کا فرمانا ہے کہ اعلان نہیں تھا
ہم کہتے ہیں نصاب شہادت پورا نہیں تھا [۱]

بہرحال اسی قسم کے بہت سے دلائل ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز
کیا جا رہا ہے۔ اس باب میں امام صاحب نے جو اصول مقرر فرما دیا ہے وہ
عین قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں آیت مداینت
کی روشنی میں بیوعات جیسے معاملات میں کتابت اور اس پر شہادت کو مستحب
قرار دیا ہے لیکن عقد نکاح اور معاملات کیطرح نہیں ہے اس لئے حدیث مشہورہ
کے تحت نصاب شہادت کو شرط قرار دیا ہے اور یہی اعلان نکاح کا بھی قائمقام ہے

اذا احضرا لاشاهدين — جب دو گواہ موجود ہو گئے تو
فقد اعلنا [۲] — اعلان ہو گیا۔

عربی لغت کے اعتبار سے بھی تین آدمیوں کا وجود (دو گواہ اور ایک شوہر)
بھی اعلان ہے

وسر الثلاثة غير الخفی — وسترك ما كان عند امر

نکاح میں اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی
کافی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے "رجل وامراتان" بہرحال
حنفی دستور نے اس معاملہ میں جس قدر سہولت اور انسانی مزاج اور اس کے

---

[۱] کتاب الحج ص ۲۰۶ [۲] البدائع ص ۲۵۳ ج ۱

نشیب و فراز کو پیش نظر رکھا ہے وہ ناقابل انکار حقیقت ہے
غرضیکہ سیاست و معاشرت وغیرہ تمام عنوانات میں حنفیہ کا ایک مکمل دستور مرتب اور مدون ہے اور چونکہ پورے مسائل کو لانا ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے بطور نمونہ چند چیزوں کو ذکر کر دیا گیا ہے تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

عقائد اہل سنت والجماعت

زمانہ قدیم میں قانون، اصول دین، عقائد ان سب کے لئے "الفقہ" کا لفظ استعمال ہوتا تھا اسی وجہ سے امام صاحب کی کتاب کا نام "فقہ اکبر" ہے امام صاحب نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ ہم شرح فقہ اکبر سے اس جگہ پیش کر رہے ہیں

۱۔ ایمان کی تعریف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ایمان نام ہے اقرار اور تصدیق کا۔"

اس کی تشریح یہ ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا۔ نہ تنہا اقرار ایمان ہے اور نہ تنہا تصدیق و معرفت ایمان ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اعمال ایمان سے ایک علیحدہ شے ہے کیونکہ بسا اوقات مومن سے عمل مرتفع ہو جاتا ہے اور ایمان مرتفع نہیں ہوتا مثلاً فقیر پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس پر ایمان واجب نہ ہو

۲۔ گناہ اور کفر کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں۔

ہم کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہتے ہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص فاسق ہو اور کافر نہ ہو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہگار سب مومن ہیں کافر نہیں ہیں۔ بندہ خارج از ایمان نہیں ہوتا جس کے اقرار نے اسے داخل ایمان کیا تھا۔

ایک مرتبہ خارجیوں کی ایک بڑی جماعت امام صاحب کے پاس آئی اور امام صاحب سے دریافت کیا کہ مسجد کے دروازے کے باہر دو جنازے رکھے ہیں ایک شرابی کا جو شراب پیتے پیتے مرگیا ہے، دوسرا زانیہ کا جو زنا سے حاملہ ہوئی ہے اور اس نے خودکشی کرلی۔ امام صاحب نے دریافت کیا یہ دونوں کس ملت سے تھے آیا یہودی تھے یا نصرانی یا مجوسی؟ انہوں نے کہا کہ ان میں سے کسی ملت سے نہیں تھے بلکہ اسی ملت سے تھے جو کلمۂ اسلام کی شہادت دیتی ہے امام صاحب نے فرمایا یہ ایمان کا کونسا حصہ ہے؟ عرض کیا کل ایمان ہے اسی پر امام صاحب نے فرمایا، اب مجھ سے کیا پوچھتے ہو تم تو خود اپنی زبان سے اس کو مومن کہہ رہے ہو۔

۳۔ امام صاحب گناہگار مومن کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ گناہ مومن کے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگر وہ فاسق ہو۔

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے نہ جنتی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں اور نہ دوزخی ہونے کا اور نہ ہم ان پر کفر، شرک اور نفاق کا حکم لگاتے ہیں۔ جب تک ان سے ایسی بات کا صدور نہ ہو جائے۔ ہم ان کی نیتوں کا معاملہ ان کے خدا کے سپرد کرتے ہیں

۴۔ حضرات صحابہ رضؓ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضؓ کو تمام امت پر افضل قرار دیتے ہیں اور سب سے پہلے خلافت ان کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم اور یہ خلفاء راشدین مہدیین ہیں۔

۔بگیر حضرات کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ ان میں
سے کسی کی محبت میں حد سے نہیں گذرتے اور نہ کسی سے تبری کرتے ہیں
ان سے بغض رکھنے والے اور ان کا ذکر برائی سے کرنے والے کو ہم ناپسند
کرتے ہیں اور ان کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح نہیں کرتے ۔

ذاتی طور پر امام صاحب اگرچہ حضرت عثمان رض کے مقابلہ میں حضرت علی رض
کی طرف میلان رکھتے ہیں کیونکہ خاندان نبوت سے ان کا رشتہ بھی ہے لیکن جہاں
تک ان کے عقیدے کا معاملہ ہے اس میں انہوں نے وہی راہ اختیار کی ہے جو
حق ہے ابوزہرہ مصری نے غلطی کی ہے جو انہوں نے میلان طبع کو عقیدہ کہا ہے
امام صاحب نے جو عقیدے بیان فرمائے ہیں ان کا ایک عظیم پس منظر ہے جس
کو دیکھتے ہوئے امام صاحب کی دور بینی اور اعتدال کی ہر شخص کو داد دینی پڑیگی
حق یہ ہے کہ امام صاحب نے ان عقائد کو بیان فرما کر امت کو بڑی تباہی اور گمراہی
سے نجات دلادی کیونکہ خلافت راشدہ کے بعد جو دور ملوکیت شروع ہوا تھا
اس میں نہ صرف یہ کہ سیاسی اختلافات پیدا ہو گئے تھے بلکہ دینی لائینوں میں بھی
اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے تھے دوسری طرف یونانی فلسفہ اسلامی حدود میں
داخل ہو چکا تھا اور دینی مسائل کو اس کے معیار پر پرکھا جانے لگا تھا ایک بڑی
جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو صحابہ رض پر سب و شتم کرتی تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب
قرن اول کے معماران اسلام ہی محفوظ نہ رہ سکتے ہوں تو ان کا لایا ہوا دین کب
محفوظ رہ سکتا تھا، امام صاحبؒ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے اسلام کا بنیادی
عقیدہ تحریری طور پر مرتب کیا اور قیامت تک کے لئے پوری امت کو اس منور
اور کشادہ سڑک پر لاکھڑا کیا جس پر چل کر اس کی نجات ہو جائے گی ۔

امام صاحب نے حضرات صحابہ رض کے سلسلہ میں جو عقیدہ تحریر فرمایا ہے
اس کی آسان الفاظ میں تفسیر اس طرح کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں
کی ہدایت کے لئے اپنے رسول کو بھی بھیجا، جس طرح کتاب پر ایمان لانا ضروری

ہے اسی طرح رسول پر بھی ایمان لانا ضروری ہے صرف براہ راست کتاب اللہ ہی پر ایمان لاکر ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی ہے کتاب اللہ کے ساتھ رسول پر اعتماد رکھنا اور ان کے ارشادات پر اعتماد رکھنا ضروری ہے کیونکہ ہمارے سامنے آپ کے ارشادات ہی سے کتاب اللہ کے مطالب واضح ہوئے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد موجودہ زمانہ تک اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا ذخیرہ ہم تک بالواسطہ پہنچا ہے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو تسلیم کریں اور واسطوں کو قابل اعتماد قرار نہ دیں ہمارے نزدیک جس طرح اسلامی تعلیمات محترم ہے اسی طرح اس کے واسطے اور وسائل محترم ہیں ہم اپنی زبان سے کسی کو بھی نشانہ بنانا اپنے لئے دنیا اور آخرت کی بربادی کا مصداق جانتے ہیں، اللہ تعالےٰ حفاظت فرمائے ۔ آمین

مشاجرات اور اختلافات صحابہ اسی طرح تابعین کے علمی اختلافات یا محدثین کرام کا آپس میں نقد و تبصرہ اگرچہ کتابوں میں موجود ہے لیکن وہ ہمارے نزدیک نیک نیتی پر مبنی ہے اس کے دوسرے معنی پہنانا ہمارے نزدیک ہرگز مناسب نہیں ہمارے عدل و انصاف کی ترازو اس معیار کی نہیں ہے جس میں صحابہ اور تابعین کا عدل و انصاف تولا جا سکے ہمارے سب اکابر اور رہنما ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ہشتم

رہنما اصول

یعنی

فقہ اسلامی کے قواعد کلیہ

اس باب کے اکثر قواعد الاشباہ سے ماخوذ ہیں اور جو دوسری کتابوں سے اخذ کئے ہیں ان کا حوالہ حاشیہ میں درج ہے۔ یہ وہ رہنما اصول ہیں کہ جن کے تحت ہر زمانہ میں ہزاروں پیش آمدہ مسائل کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

یہ اصول وہ چمکدار ستارے ہیں کہ جن کی چمک قرآن اور حدیث سے روشنی حاصل کر رہی ہے اسطرح اسلام کا دستور زمانے کے ساتھ نہیں بلکہ زمانہ کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رہنما اصول یا قواعد کلیہ

تعارف علامہ ابن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر نے اپنی اس کتاب میں ایک شعر تحریر فرمایا ہے

وانی لا استطیع کنہ صفاتہ ÷ ولو ان اعضائی جمیعاً تکلم

یعنی میں فقہ کے صفات اور حقائق اور عجائبات کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اگرچہ میرے تمام اعضا زبان بن جائیں حقیقت حال یہی ہے کہ فقہ کی جس قدر خوبیاں بیان کی جائیں کم ہیں علامہ ابن نجیم نے الاشباہ میں ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا ہے :۔

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کیا ارادہ کیا ہے صرف فقہا ہی جانتے ہیں حدیث شریف میں مروی ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اس کو فقہ فی الدین عطا کرتا ہے [1]

چنانچہ فقہ فی الدین ہی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ کمال ہے کہ جس کے مثل کوئی کمال نہیں ہے دنیا اور آخرت کی عزتیں اس سے وابستہ ہیں۔ عجائبات فقہ اگر دیکھنے ہوں تو کتب اصول اور خاص طور سے فقہ کے قواعد کلیہ کو دیکھنا چاہئے علامہ ابن نجیمؒ نے فرمایا ہے :۔" ان کے ذریعہ فقیہ درجہ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے"

قواعد کلیہ کو پڑھنے سے شریعت کا جاہ وجلال سامنے آجاتا ہے

---

[1] الاشباہ ص۱۵

دنیا بھر کے دستوروں کا مطالعہ کر لیجئے اول تو اصول نہ ملیں گے اور اگر ملے تو کوئی اصول ایسا نہ ہوگا جو مجروح نہ ہو کیونکہ جب ان کی تشریحات ہوتی ہیں تو ان اصولوں کی فروعات ہی ان کو کاٹ دیتی ہیں مگر اسلامی اصول اور قواعد کلیہ سے جتنے چاہے جزئیات بن جائیں ہر ایک قاعدہ اپنی جگہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط نظر آئیگا۔

بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے سترہ [۱۷] قواعد کلیہ امام محمد بن محمد بن سفیان ابوطاہر دبّاس نے ترتیب دئے تھے (یہ علمار عراق میں سے ہیں اور عیسیٰ بن ابان کے شاگرد رشید ہیں) کہا جاتا ہے کہ ان کا حافظہ اور فقہ غضب کا تھا نابینا تھے لیکن قوت حس بہت بیدار تھی۔ ان کا طریقہ تھا کہ روزانہ رات کو جب لوگ عشار کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر چلے جاتے تو یہ کواڑ بند کر کے ان قواعد کی (گردان کیطرح) تکرار کیا کرتے تھے۔ ایک رات شافعی مسلک کے امام ابوسعید ہروی مسجد میں چٹائی سے لپٹ کر چھپ گئے ابھی ابوطاہر سات قاعدوں کی گردان کرنے ہی پائے تھے کہ ان کو محسوس ہوگیا چنانچہ انھوں نے فوراً ہی ان کو مار کر نکالدیا اور اس کے بعد سے پھر رات کو مسجد میں بھی ان کی تکرار بند کر دی کہا جاتا ہے ابوطاہر دباس علم کے معاملہ میں بہت بخیل تھے [۱]

اس فن میں بہت سے علمار نے کتابیں لکھیں ہیں مثلاً ابوطاہر دباس، الامام الکرائیسی کی کتاب "تلقیح المحبوبی"، علامہ قرافی مالکی کی "انوار البروق فی انوار الفروق"، علامہ شوکانی کی "ارشاد الفحول" اور علامہ ابن نجیم کی "الاشباہ والنظائر" بہت مشہور رہیں۔ علامہ قرافی مالکی نے اس فن میں ۵۴۸ قواعد کلیہ تحریر فرمائے ہیں۔ مختصر فرمایا ہے۔

اسلامی شریعت کے اصولوں کی دو قسم ہیں، اصول فقہ، اور قواعد کلیہ جن کی تعداد بہت ہے وہ شریعت کے اسرار و رموز اور مطالبات کے سمجھنے میں بہت

---

[۱] الاشباہ ص۱، الجواہر المضیہ ص۱۱۶ ج ۲

مدد دیتے ہیں ہر قاعدے کے تحت بے شمار فروعی مسائل ہوتے ہیں یہ قواعد فقہ میں بہت اہم ہیں فقیہ ان قواعد کا جس قدر احاطہ کریگا اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوگی اور فقہ کی رونق نمایاں ہوگی ان ہی قواعد کے ذریعہ فتاوی کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں علماء کا مقولہ ہے جو اصول فقہ کو پیش نظر رکھے گا وہ منزل تک پہونچ جائیگا اور جو قواعد کو پیش نظر رکھے گا وہ مقاصد میں کامیاب ہوگا۔[1]

راقم الحروف نے دستیاب کتابوں سے جس قدر ممکن ہوسکا ہے اس جگہ قواعد کلیہ کو جمع کر دیا ہے، تمام قواعد کا احصار دشوار تر ہے علامہ قرافی کے بہت سے قواعد کو میں چھوڑ دیا ہے کیونکہ ایک ہی چیز کی بار بار تکرار سے تعداد میں اضافہ اچھا نہیں معلوم ہوتا میری رائے یہ ہے علامہ ابن نجیم رح کے جمع کردہ ۴۰ قاعدے سینکڑوں پر بھاری ہیں وہ بڑی جامعیت رکھتے ہیں۔

مومن کی نیت

قاعدہ ۱ "ثواب کا مدار نیت پر ہے۔"

یہ قاعدہ مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے ماخوذ ہے اعمال کا حکم نیت پر ہے اور حکم دو طرح کا ہوتا ہے حکم دنیوی (صحت و فساد) اور حکم اخروی (ثواب و عقاب) حکم دنیوی کے بارے میں بہت سے مسائل میں ہمارا اور امام شافعی رح کا اختلاف ہے لیکن قاعدہ میں جس قدر مذکور ہے یعنی حکم اخروی اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اس پر اجماع ہے نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں علامہ تفتازانی نے فرمایا ہے :۔

۱ کسی کام کو وجود میں لانے کے لئے طاعت اور ثواب کا ارادہ کرنا

قاضی بیضاوی نے فرمایا ہے :۔

---

[1] مقدمہ انوار البروق

ارادہ کا کسی فعل کیطرف متوجہ ہونے کا نام نیت ہے اور لغت میں نیت یہ ہے
کہ قلب کسی نفع کے حصول یا دفع ضرر حال یا مآل کی وجہ سے کسی کام کیطرف حرکت کرے

ب ۔ نیت کی ضرورت اس وجہ سے ہے تاکہ عبادات اور عادات میں امتیاز ہو جائے یا ایک عبادت کو دوسری عبادت سے ممتاز کیا جاسکے مثلاً مسجد میں بیٹھنا آرام کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ثواب کی نیت سے بھی یا کسی دنیاوی غرض سے بھی اور چوری کی نیت سے بھی ایسے ہی ذبح کرنا محض کھانیکے لئے بھی ہو سکتا ہے اور قربانی وعقیقہ کے لئے بھی اور کسی امیر کے اعزاز میں اور کسی پیر کی نذر کے لئے بھی۔ آخری صورت حرام ہے اور پہلی صورت جائز اور مباح اور دوسری صورت عبادت اور ثواب ہے۔ ایک ہی امر مباح میں ثواب کے بہت سے چشمے پھوٹ سکتے ہیں قلب جس قدر صالح ہوگا اور اس میں جس قدر عمدہ استعداد ہوگی اس کی نیت میں اسی قدر وسعت، تنوع اور پھیلاؤ ہوگا۔[1]
ایک حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

نیۃ المومن خیر من عملہ	مومن کی نیت اسکے عمل سے بہتر ہے

اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے

ان اللہ لا ینظر الی صورکم	اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور
واموالکم ولکن ینظر الی	مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے
قلوبکم واعمالکم (الحدیث)	دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے

اس کی تائید قرآن پاک کی آیت مبارکہ سے ہوتی ہے۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا	اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت
دماءھا ولکن ینالہ التقوی	اور خون ہرگز نہیں پہونچتا اسکو تو
منکم (الآیۃ)	تمہارے دل کا تقویٰ پہونچتا ہے

غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں تحریر فرمایا ہے کہ

---

[1] الاشباہ، مظاہر حق از نواب قطب الدین خاں

نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کا تلفظ بدعت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضہ اور تابعین رحمہ سے نہ بطریق صحیح ثابت اور نہ بطریق ضعیف ثابت [۱] لیکن صاحب ہدایہ نے الفاظ سے نیت کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے کہ اس طرح فعل قلبی اور عمل جوارح کا اجتماع ہو جاتا ہے [۲]۔ نیت پر موقوف اور غیر موقوف مسائل امتیازات کے ذیل میں آتے ہیں

قاعدہ ۲ | تمام اشیاء اور تمام افعال پر حکم ان کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ کوئی مستقل قاعدہ نہیں ہے بلکہ پہلے قاعدہ سے متفرع ہے یہ بھی حدیث شریف سے ثابت ہے

لکل امرئٍ مانوی فمن	ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو نیت
کانت ھجرتہ الی اللہ	کرتا ہے پس جس کی ہجرت اللہ
ورسولہ فھجرتہ الی اللہ	اور رسول کی طرف ہے اس کی
ورسولہ (الخ الحدیث)	ہجرت اللہ اور رسول ہی کی طرف ہے

۱۔ مثلاً شیرۂ انگور کی بیع اگر شراب بنانے کے لئے ہے تو حرام۔ اور اگر بغرض تجارت ہے تو حلال اور جائز۔

۲۔ یہی حال انگوروں کی کاشت کا ہے

۳۔ مثلاً ترک کلام مسلمان سے اگر ترک تعلق کے لئے ہے تو تین دن کر زیادہ حرام۔ اور اگر اس قصد سے نہیں ہے تو جائز خواہ برس گذر جائیں

۴۔ عورت کا شوہر کی موت کیوجہ سے ترک زینت (احداد یعنی سوگواری) حلال۔ اور غیر کی میت کے لئے ترک زینت سوگواری کی نیت سے حرام

۵۔ جنبی کا دعائے قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام اور دعا کی نیت سے پڑھنا حلال اور جائز

---

[۱] فتح القدیر ج۲ ص۵ مرناة ص۴۲ ج۱

۶۔ مثلاً مصلی (نمازی) کا قرأت قرآن نماز میں درست ہے اور جواب کی نیت سے کوئی آیت پڑھ دینا مفسد صلوۃ

۷۔ ایسے مواقع میں قرآن پاک کی آیت پڑھ دینا جہاں کلام انسان ہی مناسب تھا مثلاً کسی اجتماع کو دیکھ کر پڑھ دیا۔

فجمعناهم جمعا — پس جمع کیا ہم نے انکو جمع کرنا

یا جام شراب دیکھ کر پڑھ دیا کأساً دهاقاً تو کفر لازم ہو جائیگا۔ ایسے ہی پہریدار یہ جتلانے کے لئے لا الٰہ الا اللہ (ذکر جہری) کرلے کہ وہ بیدار ہے تو گنہگار رہے ایسے ہی کپڑا بیچنے والا مشتری کو کپڑے کی اچھائی جتلانے کے لئے پڑھے صلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، یا کہے سبحان اللہ تو یہ مکروہ اور ناجائز ہے۔ ایسے ہی سیکولر مجالس میں کوئی ایسی حرکت کرنا مثلاً کسی کافر کی میت کے قریب یا اس کی مجلس عزاداری میں تلاوت قرآن کرنا ناجائز ہے۔[1]

نوٹ:۔ اہل اصول اور فقہاء کرام نے اس بحث کو بہت طویل کیا ہے اور اس قاعدہ کلیہ کے تحت بہت سے ضمنی ضابطے بھی تحریر کئے ہیں۔ بحث کے خاتمے پر صاحب الاشباہ والنظائر نے سب کو جامع ایک ضابطہ تحریر فرمایا ہے۔

قاعدہ ۳: یمین عام میں تخصیص کی نیت دیانۃً معتبر ہے قضاءً معتبر نہیں ہے اور امام خصاف نے فرمایا ہے کہ قضاءً بھی معتبر ہے

---

[1] سیکولر لوگوں کو اپنے طریقہ کار پر نظر ثانی کرنا چاہیئے۔ ہرگز نہ رسی بکعبہ اے زنگی کہ ایں راہ تر کستان است۔

[2] الاشباہ ص۶ علامہ ابن نجیم نے بیان فرمایا ہے کہ ضابطہ وہ قاعدہ ہے جو ایک ہی باب کے مسائل کو شامل ہو اور قاعدہ اس سے عام ہے۔

اس قاعدہ کا تعلق بھی پہلے ہی قاعدہ سے ہے اور بالفاظ دیگر اس مبحث میں یہ پہلے قاعدہ کی تشریح ہے۔ یمین کے معنی لغتہً قوت اور طاقت کے ہیں داہنے ہاتھ کو یمین اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں نسبتہً دوسرے ہاتھ کے گرفت کی قوت زیادہ ہے۔ اصطلاح فقہاء میں یمین قسم کو کہتے ہیں یعنی کلام میں قوت پیدا کرنا یہ دو طرح پر ہوتا ہے۔ اللہ کا نام کلام میں داخل کر لیا جائے، جس کو اردو میں قسم کھانا کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ کلام کو کسی چیز پر معلق کر دیا جائے اس طرح کلام میں ایک قسم کی قوت آجاتی ہے۔ قاعدہ زیر بحث میں قسم ثانی مراد ہے مثلاً

ا۔ کسی آدمی نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق" پھر اس نے کہا میں نے فلاں شہر کی عورت کی نیت کی تھی تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کا یہ قول معتبر نہ ہوگا اور اس عام میں تخصیص کی یہ نیت معتبر نہیں ہے۔ امام خصاف نے فرمایا ہے دیانۃً معتبر ہے۔

ب۔ کسی آدمی نے کہا، ہر مملوک جس کا میں مالک ہو جاؤں وہ آزاد، اس کے بعد کہا میں نے مرد مراد لئے ہیں عورتیں میری مراد نہیں ہیں یہ قول دیانۃً معتبر ہے قضاءً معتبر نہیں ہے۔

قاعدہ ۴ قسم کھانے والا اگر مظلوم ہے تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ قسم کھلانے والے کی نیت کا جبکہ وہ ظالم ہو۔

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدہ کی تشریح ہے۔

قاعدہ ۵ "یمین کا اعتبار الفاظ پر ہے اغراض پر نہیں ہے"

مثلاً کسی آدمی نے قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی سے پیسہ یا چیز نہ خریدوں گا۔ اس کے بعد اس نے اسی آدمی سے سو درہم میں کوئی چیز خریدلی تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس جملہ سے غرض یہ ہے کہ بالکل نہ خریدا جائے

لیکن الفاظ میں یہ ظاہر نہیں ہے۔

ب:- کسی آدمی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی سے دس روپیہ کی چیز نہ خریدونگا پھر گیارہ روپیہ کی خریدلی یا نو روپیہ کی خریدلی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ظاہر الفاظ میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔

نوٹ:- تکملہ بحث، نیابت کی صورت میں کس کی نیت کا اعتبار ہوگا؟ اگر کوئی مریض ہے اور اس کو دوسرا آدمی تیمم کرائے تو مریض کی نیت کا اعتبار ہے۔

ب:- زکوٰۃ اگر کسی وکیل کے ذریعہ ادا کرائی جائے تو موکل کی نیت کا اعتبار ہے اگر وکیل نے بلا نیت کے کسی کو زکوٰۃ کی رقم دیدی تو نیت موکل ہی کافی سمجھی جائے گی۔

ج:- حج بدل میں مامور (جو حج بدل ادا کر رہا ہے) کی نیت کا اعتبار ہے کیونکہ افعال حج مامور ہی کو ادا کرنے پڑتے ہیں اگر مامور نے اپنے حج کی نیت کرلی تو وہ ضامن ہوگا۔

اسلام میں یقین کا حکم

قاعدہ ۶ "یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ہے"

یہ نہایت عظیم الشان قاعدہ ہے اور فقہ کے بیشتر مسائل کو حاوی ہے علامہ حموی نے شرح الاشباہ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ قاعدہ فقہ کے ¾ ابواب پر حاوی ہے[1] فقہاء کرام نے اس قاعدہ کو اس حدیث سے مستنبط کیا ہے

اذا وجد احدکم فی بطنہ شیئاً فاشکل علیہ اخرج	جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں (گڑگڑاہٹ) محسوس کرے اور

[1] شرح الاشباہ ... حموی [illegible] ج ۱

منه شئ ام لا فلا یخرجن	اسکو شک ہو جائے کہ کوئی چیز خارج
من المسجد حتی یسمع	ہوئی ہے یا نہیں؟ تو مسجد سے نہ
صوتاً او یجد ریحاً	نکلے جب تک کہ آواز یا بدبو محسوس
(رواہ مسلم)	نہ کرلے۔

میں کہتا ہوں اس قاعدہ کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

ولا تقف ما لیس لك به علم	جس چیز کے بارے میں تجھے علم
(بنی اسرائیل)	نہیں وہاں توقف مت کر۔

علم سے مراد فقہاء کی اصطلاح میں یقین ہوتا ہے وہ کبھی یقین بول کر غلبۂ ظن مراد لیتے ہیں اور کبھی علم بول کر یقین مراد لیتے ہیں[1] فقہاء کرام نے اسی قاعدہ کو بنیاد بنا کر اور دوسرے قاعدہ بھی ترتیب دئے ہیں مثلاً

قاعدہ ۱ "ہر چیز اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتی ہے" — یعنی اگر اصل کے اعتبار سے کوئی چیز پاک ہے تو شک سے ناپاک نہ ہوگی اور اگر اصل کے اعتبار سے ناپاک ہے تو شک سے پاک نہ ہوگی یہی حال حلت اور حرمت کا ہے مثلاً

ا۔ اگر کوئی آدمی وضو سے تھا اور کچھ وقفہ گذرنے کے بعد اس کو خیال آیا معلوم نہیں وضو ہے یا ٹوٹ گیا تو اس شک سے اس کا وضو ختم نہیں ہوگا

ب۔ گلی کوچوں میں جو مٹی اور کیچڑ ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی زمین کی اصل طہارت ہے تو وہ محض اس گمان سے کہ ممکن ہے کہ یہاں کوئی نجاست گر گئی ہو ناپاک نہ ہوگی۔

ج۔ اگر کوئی بچہ کسی جگہ پڑا ہوا مل جائے (یعنی لقیط) تو وہ آزاد شمار ہوگا۔ کیونکہ آدمی کی اصل حریت ہے لہذا شک کیوجہ سے غلامی ثابت نہ ہوگی

د۔ خاوند اور بیوی میں وطی کے بارے میں اختلاف ہوا ایک نے کہا وطی ہو چکی ہے دوسرے نے انکار کیا تو قول انکار کرنے والے کا معتبر ہے کیونکہ اصل

---

[1] رد المحتار کتاب الصوم

اس معاملہ میں عدم وطی ہے

قاعدہ نمبر ۸ ب "اصل یہ ہے کہ ہر آدمی بری الذمہ ہوتا ہے" ۔ ۲

یہی وجہ ہے کہ کسی آدمی کو ذمہ دار قرار دینے کے لئے ایک گواہ کافی نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ قول مدعیٰ علیہ کا معتبر ہوتا ہے کیونکہ اس کا قول اصل کے مطابق ہے اور گواہ مدعی پر ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کا دعویٰ خلافِ اصل ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ میں کسی مغصوبہ کی قیمت یا ضائع شدہ چیز کی قیمت میں اختلاف ہوا تو اس بارے میں نقصان برداشت کرنے والے کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ زائد قیمت سے بری الذمہ ہے ۔

قاعدہ نمبر ۹ ج اصل یہ ہے کہ ہر واقعہ کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳

مثلاً کسی آدمی نے اپنے کپڑے پر منی کا دھبہ اس وقت دیکھا کہ دو تین مرتبہ سو چکا تھا تو اس احتلام کو آخری سونے کی طرف منسوب کیا جائیگا

مثلاً کسی آدمی نے چند نمازیں پڑھنے کے بعد کپڑے پر نجاست دیکھی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کب لگی ہے تو یہ آدمی وقوعِ نجاست کے آخری موقعہ کی طرف اسکو منسوب کرے اور اسی اعتبار سے نماز کا اعادہ کرے

قاعدہ نمبر ۱۰ د جو چیز یقین کے ذریعہ ثابت ہوئی ہے اس کا حکم یقین کے ذریعہ ہی ختم ہو سکتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یقین سے مراد غلبۂ ظن ہے ۔ مثلاً امام اور مقتدیوں میں تعداد رکعات میں اختلاف ہوا اگر امام کو یقین ہے تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہیں ہے تو مقتدیوں کے قول پر عمل کرے

مثلاً ایک آدمی نے ظہر کی نیت سے ایک رکعت ادا کی دوسری رکعت میں اسکو شک ہو گیا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ رہا ہے اور تیسری رکعت میں شک ہو گیا کہ وہ نفل پڑھ رہا ہے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی نماز ظہر کی ہو گی اور اسکے شک کا

کا اعتبار نہ ہوگا۔

قاعدہ ص ۱۱ ہر چیز کی اصل معدوم ہے ——— ۵

اس قاعدہ میں قدرے تفصیل ہے "ہر چیز کی اصل معدوم ہونا" یہ قاعدہ ان صفات میں جاری ہوگا جو صفات عارضہ ہیں لیکن جو صفات اصلیہ ہیں ان میں یہ قاعدہ ہے:-

" ہر چیز کی اصل وجود ہے۔"

مثلاً کسی نے غلام اس شرط پر خرید اکہ وہ باورچی ہے یا کاتب ہے پس اس وصف کا مشتری نے انکار کیا کہ وہ ایسا نہیں ہے تو اس میں منکر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ صفت کتابت اور صفت خبازت عارضی ہیں اصلی نہیں ہیں لیکن اگر کسی نے باندی کو خریدا اس شرط پر کہ وہ باکرہ ہے، اور پھر بعد میں انکار کردیا کہ وہ باکرہ نہیں ہے اور بائع نے کہا کہ وہ باکرہ ہے تو اس بارے میں بائع کا قول معتبر ہوگا کیونکہ یہاں صفت اصلیہ بکر ہے اس لئے اس کے وجود کا اعتبار ہوگا اور صفت عارضہ ثیبہ ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس قاعدہ کو ان ہی دو اعتبار سے دیکھنا چاہیئے۔

قاعدہ ص ۱۲ ہر چیز کی اصل اباحت ہے اگر عدم اباحت کی دلیل نہ ہو[1] ——— ۶

ہر چیز کی اصل تحریم ہے اگر عدم حرمت کی دلیل نہ ہو[2]

ہر چیز کی اصل اس قسم کے معاملات میں توقف ہے[3]

یہ ایک مختلف فیہ قاعدہ ہے جس میں امام شافعی، بعض حنفیہ، اور اہل حدیث کا اختلاف ہے اور ہر ایک نے اپنے طے شدہ قاعدہ کے متعلق مسائل کو بیان کیا ہے صاحب البدائع نے فرمایا ہے مختار یہ ہے کہ افعال کے شروع ہونے

---

[1] امام شافعی امام کرخی کے نزدیک [2] شوافع اسکو امام ابوحنیفہ رح کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اہل حدیث کا مسلک بھی یہی ہے [3] یہ اکثر احناف کا مسلک ہے الاشباہ ص ۲۷

سے پہلے کوئی حکم نہیں اسی اختلاف کی بنار پر یہ مسائل متفرع ہوتے ہیں مثلاً

ا ۔ نہر جس کی ملکیت اور اباحت کے بارے میں علم نہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصل اباحت ہے ان کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر دلیل سے معلوم ہوجائے کہ وہ کسی کی ملکیت ہے تو اجازت کی ضرورت پیش آئیگی لہ

ب ۔ وہ مجہول گھاس جس کی سمیت معلوم نہیں ہے اس کے استعمال کا اسی اختلاف پر حکم دیا جائے گا۔

قاعدہ ۱۴ اصل بضاع (فرج، شرمگاہ) میں حرمت ہے ۔۔۔۔ ۷

اسی قاعدہ کے تحت فقہار نے کہا ہے کہ "اصل نکاح میں حرمت ہے ضرورت کی وجہ سے اسکو مباح قرار دیا ہے لہ اور یہی وجہ ہے کہ فروج کے معاملہ میں تحری (غور و فکر) کی اجازت نہیں ہے مثلاً ایک آدمی کے چار باندیاں ہیں اس نے ایک کو آزاد کر دیا لیکن یہ یاد نہ رہا کہ کس کو آزاد کیا ہے اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وطی کے لئے تحری کرے ایسے ہی یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بیچنے کے لئے تحری کرے، ایسے ہی چار عورتوں میں سے ایک کو تین طلاق دیدیں اور یہ یاد نہ رہا کس کو طلاق دی ہے۔ اس جگہ علامہ ابن نجیم نے مختلف فقہار کے حوالہ سے چند مسائل ذکر فرمائے ہیں مثلاً

"ایک عورت نے ایک بچی کے منہ میں اپنی پستان دیدی اور یہ بات مشہور ہوگئی کہ اس عورت نے دودھ پلایا ہے لیکن اس عورت نے کہا بیشک میں نے ایسا کیا ہے لیکن اسوقت میری پستان میں دودھ نہ تھا (اور یہ بات ایسی ہے کہ اسی سے معلوم ہوسکتی ہے) لہٰذا اس عورت کا لڑکا اس لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا کیونکہ شک واقع ہوگیا ہے۔ اسی قاعدہ کے تحت

لہ یاد رکھنا چاہئے یہ مسئلہ انہی مقامات پر جاری کیا جاسکتا ہے کہ جہاں پانی کی قلت ہے ورنہ پانی میں اصلاً اباحت ہے عام طور پر لوگ منع نہیں کرتے لہ یعنی تقاضائے عقل یہ ہے کہ مرد اور عورت میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے مقام مخصوص کو استعمال نہ کرے لیکن بقائے نسل انسان کی ضرورت سے اسکو مباح قرار دیا اور اس کے لئے شریعت نے عقد نکاح کو مقرر کر دیا۔

بیان کیا ہے

اعلم ان البضع وان کان	بضع میں اصل اگرچہ حرمت
الاصل فیہ الحظر لایقبل	ہے لیکن اس کی حلت میں خبر
فی حلہ خبر الواحد	واحد معتبر نہیں ہے (الاشباہ)

یعنی قاعدہ کلیہ ہونے کے باوجود اس میں یہ استثنائی صورت بھی موجود ہے

قاعدہ ۱۴ — کلام میں اصل حقیقت ہے ——— ۸

یعنی جب تک ممکن ہو معنی حقیقی پر کلام کو محمول کیا جائیگا الّا یہ کہ حقیقت متعذر ہو یا متروک ہو۔ یا ضرورت ہو تو معنی مجازی مراد لئے جائینگے۔ آیت مبارکہ ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ	جن عورتوں سے تمہارے آباء نے
مِنَ النِّسَآءِ (الآیۃ)	وطی کی ہے ان سے نکاح نہ کرو۔

اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے اسی بناء پر باپ کی مزنیہ سے بیٹا نکاح نہیں کرسکتا ہے (امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں) اگر کسی حاکم نے فیصلہ صادر بھی کر دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہوگا

ا۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اس آٹے کو نہ کھاؤں گا اور اس نے آٹے کی بنی ہوئی روٹی یا آٹے سے بنی ہوئی دیگر چیزیں مثلاً آٹے کا حلوا کھا لیا تو حانث ہو جائیگا

ب۔ اگر کسی نے کہا یہ چیز فلاں کے بیٹے کے لئے ہے تو اس سے مراد اس کا حقیقی بیٹا ہوگا پوتا نہیں اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ نماز نہ پڑھے گا تو جب تک پہلی رکعت کا سجدہ نہ کرے یا بقول دیگر پہلی رکعت کے سجدہ سے سر نہ اٹھالے حانث نہ ہوگا[1]

---

[1] الاشباہ ص۲۴

استصحاب حال

قاعدہ ف ۱۵ | امر محقق کے باقی رہنے کا حکم برقرار رہیگا جب تک اس کے عدم کا گمان نہ ہو جائے —— ۹

بالفاظ دیگر اگر کوئی کام کسی وقت ثابت ہو چکا ہو تو دوسرے وقت بھی اس کے باقی رہنے کا حکم دیا جائیگا. فقہاء نے اس قاعدہ کو قاعدۂ استصحاب قرار دیا ہے اس کو شرعی حجت ماننے میں علماء کا اختلاف ہے. علمائے احناف میں سے ابوزید. شمس الائمہ. فخر الاسلام نے اس کو مدافعت کے لئے حجت قرار دیا ہے. اور بعض دیگر حضرات نے اثبات اور مدافعت دونوں حالتوں میں حجت تسلیم کیا ہے اور علامہ ابن نجیم نے فرمایا ہے یہ قاعدہ یعنی استصحاب کسی حال میں شرعی حجت نہیں بن سکتا کیونکہ موجب وجود موجب بقا نہیں بن سکتا کیونکہ قاعدہ کے تحت حکم بقا بلا دلیل ہے جو قابل اعتبار نہیں ہے لیکن مذکورہ تینوں علماء نے فرمایا ہے:-

استصحاب مدافعت کی دلیل بن سکتا ہے مگر حق کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا. مثلاً

ا۔ یہ کہا جائے کہ فلاں کام زمانہ ماضی میں ثابت تھا لہذا زمانہ حال میں بھی اسے ثابت مانا جائے مثلاً مفقود الخبر کو زمانہ حال میں بھی زندہ تسلیم کیا جائے

ب۔ جو چیز اس وقت موجود ہے اس کو زمانہ ماضی میں بھی موجود تسلیم کیا جائے. مثلاً کسی عیسائی کی عورت نے اس کے مرنے کے بعد آکر کہا میں اس کے مرنے کے بعد مسلمان ہو گئی ہوں اور اس کے وارث کہیں یہ اس کی موت سے پہلے مسلمان ہوئی تھی تو اس بارے میں اس کے وارثوں کا قول معتبر ہے یعنی یہ چیز جو اب موجود ہے وہ زمانہ

ماضی میں بھی موجود تھی

۳۰۔ ایک گھر کا ایک حصہ فروخت ہوا اور شریک نے شفعہ کا دعویٰ کر دیا اگر اس موقعہ پر مشتری اس کی ملکیت کا انکار کر دے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا (یہ مدافعت کی صورت ہے) البتہ شریک گواہوں سے ثابت کر دے تو اس کے گواہ معتبر ہونگے [۱]

اسلام مشقت کو دور کرتا ہے

قاعدہ ۱۶ جب مشقت آتی ہے تو آسانی بھی آتی ہے۔
یہ قاعدہ قرآن پاک کی ان آیات سے ماخوذ ہے

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (الآیۃ)	اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا

اور دوسری آیت مبارکہ یہ ہے :۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ (الآیۃ)	اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں تنگی نہیں کی۔

حدیث پاک یہ ہے :۔

احب الدین الی اللہ تعالیٰ الحنفیۃ السمحۃ	اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین سیدھا نرمی والا ہے

علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ شریعت میں رخصت کے احکام اسی قاعدہ سے ماخوذ ہیں (عوارضات کی بحث کیطرف رجوع کیا جائے) بطور فائدہ چند چیزیں پیش ہیں۔

مشقت کی دو قسم ہیں ۱۔ یہ کہ اس سے عبادت جدا نہ ہو سکے مثلاً روزہ کی مشقت گرمیوں میں۔ حج کے لئے سفر کی مشقت، سردیوں میں وضو کی مشقت

---

[۱] الاشباہ ص۳۰

یہ مشقتیں ایسی ہیں کہ کسی وقت بھی عبادتِ متعلقہ سے جدا نہیں ہوتیں اور نہ ان کی وجہ سے یہ عبادتیں ساقط ہوتی ہیں

ب۔ وہ مشقت جو عبادت سے جدا ہے اس کے چند درجے ہیں، مثلاً مشقتِ خوف، یہ موجب تخفیف ہے اگر راستہ مامون نہیں ہے تو حج کی ادائیگی مؤخر ہو جائے گی، دوسری مشقت خفیفہ ہے مثلاً ادنیٰ درجہ کا سر میں درد ہو یا ادنیٰ درجہ کا سوءِ مزاج ہو تو اس مشقت سے کوئی تخفیف نہیں ہوتی اسلئے یہ مشقت قابل لحاظ نہیں ہے

ج۔ تخفیفات شرع کی بھی چند قسم ہیں۔ جیسے تخفیفِ اسقاط۔ جیسے حیض اور نفاس کیوجہ سے نماز کا ساقط ہو جانا

۲۔ تخفیف تنقیص۔ جیسے سفر کی وجہ سے قصرِ صلوٰۃ ۳۔ تخفیف ابدال جیسے غسل اور وضو کی جگہ تیمم۔ قیام کی جگہ قعود، رکوع او سجدہ کی جگہ اشارہ، روزہ کی جگہ فدیہ ۴۔ تخفیف تقدیم جیسے جمع صلوٰۃ عرفات میں، پیشگی ادائیگی زکوٰۃ پیشگی ادائیگی فطرہ ۵۔ تخفیف تاخیر جیسے جمع صلوٰۃ مزدلفہ میں تاخیر صیام مریض اور مسافر کے لئے، تاخیر صلوٰۃ مریض کے لئے یا کسی ڈوبتے کو بچانے آگ بجھانے کے لئے نماز کو موخر کر دینا۔ ۶۔ تخفیف ترخیص جیسے بلا پانی کے استنجا کئے نماز پڑھنے کی اجازت، ۷۔ تخفیف تغییر جیسے صلوٰۃِ خوف میں ترتیب صلوٰۃ میں تغییر آجاتا ہے۔

قاعدہ ۱۷ مشقت اور حرج کا اعتبار اسی وقت یا اسی موقعہ پر ہے جس کے لئے کوئی نص نہ ہو۔

ا۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح نے فرمایا ہے کہ حرمت حرم کی وجہ سے وہاں کی گھاس کاٹنا، جانوروں کو چرانا جائز نہیں ہے لیکن امام ابویوسف رح نے ضرورت اور حرج کی وجہ سے اذخر کی اجازت دی ہے

ب۔ امام ابوحنیفہ رح نے (مینگنی) میں نجاستِ غلیظہ تسلیم کی ہے کیونکہ حدیث

شریف میں ہے:۔

اِنَّھَا رِکْسٌ   وہ ناپاک ہیں

ج۔ امام ابو حنیفہ رح نے نص کی موجودگی میں ابتلائے عام کا اعتبار نہیں کیا جیسے آدمی کے پیشاب کی چھینٹیں " متاخرین علمائے احناف نے اس کی تفسیر مختلف اعتبارات سے کی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ اس میں جنس مکلفین کا بھی لحاظ رکھا جائیگا۔

فقہاء کرام نے اس جگہ چند قاعدے اور ذکر کئے ہیں۔ ا۔ جب تنگی آتی ہے تو آسانی بھی آتی ہے، اور جب آسانی آتی ہے تو تنگی بھی آتی ہے۔ بالفاظ دیگر جب کوئی چیز حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد کی طرف لوٹ آتی ہے۔

ب۔ جو چیزیں دوام امر کے لئے ضروری ہیں وہ ابتداء امر کے لئے ضروری نہیں ہیں اور ابتدائے امر کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے بقاء امر کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

قاعدہ ۱۸

" حتی الامکان ضرر کو دور کیا جائیگا۔"

اس قاعدہ کی اصل یہ حدیث پاک ہے

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ   نہ نقصان پہونچایا جائے اور نہ اس کے بدلے نقصان دیا جائے۔

اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں اور حاکم نے مستدرک میں، بیہقی اور دار قطنی نے حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے ابن عباس رض اور حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت کیا ہے یہ قاعدہ بھی بہت سے ابواب فقہ کو مشتمل ہے اس کی تفسیر اس طرح بھی کی گئی ہے

" کسی کو نہ ابتداءً نقصان پہونچاؤ اور نہ جزاءً نقصان پہونچاؤ"

یعنی اگر کسی سے بدلہ لینا ہو تو بقدر نقصان

جَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ بِمِثْلِهَا   برائی کا بدلہ برائی سے اسی قدر

اور اگر معاف کر دیا جائے تو یہ نہایت اعلیٰ اخلاق کی بات ہے اسلام کے اس قاعدہ میں حق و انصاف اور مساوات کی روح بول رہی ہے دنیا کی کوئی حکومت اور کوئی ازم اس مساوات کا نمونہ نہیں لا سکتا اسلام کسی حق ملکیت کو ختم کر کے مساوات کو پسند نہیں کرتا اسلام مزدور کا حق طے شدہ اجرت میں اور مالک کا حق کام میں مانتا ہے اسلام کہتا ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کو اسکی اجرت عطا کر دو اسلام صرف لینے والے ذہن ہی کی تربیت نہیں کرتا بلکہ وہ دینے والے ذہن کو بھی اُبھارا دیتا ہے۔ خلافت اسلامیہ جو عہد رسالت کے بعد آئی ہے اس میں صرف یہی دعوت ہے تصویر حکمرانی کہیں نہیں ہے یہ یاد رہے نفاذِ احکام دعوت کے منافی نہیں ہے بلکہ نفاذِ احکام عملی دعوت کا نام ہے اور اس میں بھی جبر و اکراہ نہیں ہے

لا اکراہ فی الدین — دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے

اس قاعدہ کے مطابق چند مسائل درج ذیل ہیں۔

ا - خیار عیب ۔ یعنی مبیع کو عیب نکل آنے کی وجہ سے واپس کر دینا۔

ب - اقالہ ۔ مبیع کو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے، بائع کا مبیع کو واپس لے لینا

ج - خیارِ رویت ۔ بیع ہو جانے کے بعد مبیع کو دیکھ کر بیع توڑنے کا حق

د - خیار بلوغ ۔ نابالغہ لڑکی کا باپ دادا کے علاوہ اگر کوئی دوسرا نکاح کر دے تو اس کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو توڑنے کا حق

س - حق شفعہ ۔ بُرے پڑوسی کی مضرت سے بچنے کے لئے پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہے،

ص - اپنے مملوکہ پیڑ کو کاٹنے چھتوں کی مرمت کیلئے اوپر جانے کیلئے آواز دینا اسی قبیل سے ہے

قاعدہ ۱۹

ضرورت حرام چیز کو مباح کر دیتی ہے —— ا

یہ قاعدہ قرآن پاک کی اس آیت سے ماخوذ ہے ا۔

قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ — جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کو تم سے

اِلَّامَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (الآیۃ) مفصلاً بیان کر دیا مگر جن چیزوں میں تم مضطر ہو

گذشتہ صفحات میں خون کے انجکشن کے تحت اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے اس قاعدہ کے تحت بہت سے مسائل ہیں مثلاً:۔

ا ۔ اگر کسی آدمی کے حلق میں لقمہ اٹک گیا اور شراب کے علاوہ کوئی ذریعہ اس کے اتارنے کا نہیں ہے تو شراب کے گھونٹ سے اس کو اتارا جا سکتا ہے

ب ۔ اگر کوئی جان بلب ہے اور مردار کے علاوہ کوئی چیز جان بچانے کو نہیں ہے تو بقدر سد رمق مردار کھانا مباح ہے۔

قاعدہ ۲ ب جو چیز ضرورتاً مباح ہوتی ہے وہ بقدر حاجت اور ضرورت ہی مباح رہے گی۔ یعنی اباحت حکم عارضی ہے ۔۔۔ ۲

یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کی شرح ہے اور مذکورہ آیت اور حرمت علیکم المیتۃ اس کا ماخذ ہے اور مندرجہ ذیل حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ اس کی مثال بھی ہے اور اسی سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے

ا ۔ حضرت عمر رض کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کا اقرار کیا تھا حضرت عمر رض نے اس کے رجم کا حکم صادر فرما دیا۔ حضرت علی رض اس جگہ موجود تھے انہوں نے فرمایا اس سے پوچھا جائے شاید کوئی عذر پیش کر سکے عورت سے دریافت کیا تو اس نے بتلایا۔ میرا ایک پڑوسی تھا جس کے یہاں اونٹ، پانی دودھ تھا اور میرے یہاں یہ چیزیں نہ تھیں اس لئے میں پیاسی رہتی تھی میں نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے پانی دینا اس شرط سے منظور کیا کہ وہ میرے ساتھ حرام کرے میں نے تین دفعہ انکار کر دیا مگر نوبت یہاں تک پہونچی کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا میں نے اس کی خواہش پوری کر دی اس وقت اس نے مجھے پانی پلایا۔ حضرت علی رض نے فرمایا۔ اللہ اکبر جو چیز مجبوری کی وجہ سے کیجائے اور اسکا ارادہ سرکشی کا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ

معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے[1] اسی قبیل سے یہ بھی ہے

ب ۔ طبیب کو مریض کا ستر عورت بقدر ضرورت ہی دیکھنا جائز ہے ۔

ج ۔ شہید کا خون اس کے لئے پاک ہے اور دوسرے کے لئے ناپاک ہے ۔

د ۔ مجنون کو ایک عورت سے زیادہ شادی کرنا جائز نہیں ہے ۔

قاعدہ نمبر ۳۰/۲۱ جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ عذر ختم ہوتے ہی باطل ہو جاتی ہے ——— ۳

یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے اور اس کا ماخذ بھی وہی آیات ہیں اور اس کی مثالیں بھی وہی ہیں ۔ ان کے علاوہ :۔

ا ۔ وجہ جواز تیمم جب ختم ہو جائے تو تیمم خود بخود ٹوٹ جائے گا مثلاً پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا تھا تو جیسے ہی پانی بقدر استعمال مل جائیگا تیمم ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ اس کے استعمال پر قادر ہو

ب ۔ اسی قبیل سے شہادت علی الشہادت ہے اگر اصل گواہ مریض تھا پھر وہ اچھا ہو گیا تو دوسری گواہی جو اس کے بدلہ میں دی گئی ہے ختم ہو جائے گی ۔ (ایک قول کی بنا پر ۔)

قاعدہ نمبر د/۲۲ ضرر کو ضرر سے یا نقصان کو نقصان سے دور نہیں کیا جائے گا ——— ۴

یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے مثلاً ایک بھوکا اور مجبور آدمی دوسرے بھوکے اور مجبور آدمی کا کھانا نہیں کھا سکتا ۔ ایسے ہی کسی مولا کو غلام یا باندی کے نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا (پوری بحث اعضاء کی تبدیلی میں گذر چکی ہے)

قاعدہ نمبر س/۲۳ خاص آدمی کا نقصان عام آدمیوں کے نقصان کے مقابلہ میں قابل انگیز ہوتا ہے ——— ۵

یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے اسکی دوسری شرح یہ ہے :۔

---

[1] جمع الفوائد ۔ الطرق الحکمیہ از علامہ ابن قیم مطبوعہ پاک ص۵۳

"ضرر شدید کو ضرر خفیف سے دور کرنا جائز ہے۔"

ا۔ مثلاً اگر کسی کی دیوار شاہراہ عام کی طرف کو جھکی ہے اور گرنے کا اندیشہ ہے تو اس کو گرا دیا جائے۔ آج کل کارپوریشن اور میونسپلٹیاں اسی قاعدے کے تحت مکانات گراتی ہیں

ب۔ اسی قبیل سے مجنوں اور پاگل قسم کے یا مالیخولیہ زدہ مفتی کو فتویٰ دینے اور جاہل طبیب کو علاج کرنے سے روک دینا ہے۔

ج۔ اسی قبیل سے ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ کی ممانعت ہے کیونکہ اس میں ضرر عام ہے۔

د۔ اگر کسی کی مرغی نے کسی کا موتی نگل لیا تو دیکھنا چاہیئے کہ موتی کی قیمت زیادہ ہے یا مرغی کی اگر موتی کی قیمت زیادہ ہے تو مرغی کو ذبح کر دینا چاہیئے

س۔ ایسے ہی اگر کسی جانور نے دیگ میں منہ ڈال دیا اور منہ اس میں پھنس گیا تو جانور کو ذبح کر دینا چاہیئے یا اگر برتن کم قیمت ہے تو اسکو توڑ کر جانور کا منہ نکال دینا چاہیئے۔

قاعدہ ص ۲۴

۶ — اگر کوئی دو خرابیوں میں مبتلا ہو جائے اور دونوں برابر درجہ کی ہوں تو جس کو چاہے اختیار کر لے اور اگر کوئی آسان ہے تو آسان کو اختیار کر لے۔

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدہ کی شرح ہے مذکورہ حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے اس کے علاوہ :—

ا۔ ایک زخمی آدمی ہے یا کسی کے آپریشن ہوا یا آنکھ بنوائی ہے اگر رکوع سجدہ سے نماز پڑھے گا تو ٹانکے ٹوٹ جائینگے اس کو چاہیئے اشارے سے نماز پڑھے

ب۔ ایک آدمی کے پاس پورا کپڑا ناپاک ہے اسے اختیار ہے چاہے ننگے نماز پڑھے یا ناپاک کپڑے پہن کر ہی ادا کرے۔

قاعدہ ط ۲۵

اگر کسی چیز میں خرابی بھی ہو اور اچھائی بھی ہو کو خرابی

کو پہلے دور کیا جائے منفعت کو نہ اختیار کیا جائے یعنی دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت مقدم نہیں ہے

یعنی برائی کے دفعیہ کو حصول نفع پر مقدم کیا جائے یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آیت مبارکہ ہے

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	آپ سے شراب اور جوئے کے بارے
قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ	میں دریافت کرتے ہیں فرما دیجئے
لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ	ان دونوں میں بہت گناہ ہے
نَّفْعِهِمَا	اور لوگوں کے لئے نفع بھی ہے لیکن
(البقرہ)	انکا گناہ انکے نفع پر غالب ہے۔

اس لئے اگر کسی وقت مصلحت اور مضرت میں ٹکراؤ ہو جائے تو مضرت کو دور کرنا چاہیئے اسی طرح ماموارت کی تعمیل کے مقابلہ میں ترک منکرات بہتر ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

اذا امرتكم بشئ فاتوا منه	جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں
ما استطعتم واذا نهيتكم	تو بقدر طاقت بجالاؤ اور جب کسی
عن شئ فاجتنبوه [له]	چیز سے منع کروں تو اس سے
	ضرور رُک جاؤ۔

یعنی رکنے کے لئے استطاعت کی قید نہیں ہے اس سے بھی مذکورہ قاعدہ کی تائید ہوتی ہے۔ ایک دوسری حدیث ہے۔

لترك ذرة مما نهى الله	ممنوعات خداوندی میں سے ذرہ
عنه افضل من عبادة الثقلين [که]	برابر کو ترک کر دینا جنات اور
(اوكما قال ؐ)	انسانوں کی عبادت سے افضل ہے

جبکہ غالباً اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ارتکاب حرام میں نافرمانی کے ساتھ حکومت خداوندی سے بغاوت اور ایک قسم کی مقابلہ آرائی ہے اور ماموارت پر عمل نہ کرنے میں

اگرچہ نافرمانی ضرور ہے لیکن وہ اتنی شدید نہیں ہے (واللہ اعلم)

اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ بھی ہے۔ جنبی کو غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے مگر روزہ کی حالت میں مکروہ ہے۔ اور موئے زیر ناف تراشنا مسنون ہے لیکن حالت احرام میں ناجائز ہے جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن کسی بڑے فساد کو روکنے کے لئے بولنا جائز ہے

قاعدہ ۲۶ حاجت[لہ] بھی قائمقام ضرورت کے ہے خواہ حاجت عام ہو یا حاجت خاص ہو ——— ۸

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدہ کی شرح ہے اس قاعدے کے تحت بہت سے مسائل آتے ہیں۔

ا ۔ کاریگروں سے کوئی چیز بنوانا (جسکو استصناع کہا جاتا ہے (رد المحتار ج ۵ ص ۳۵)

ب ۔ فقیر اور محتاج کا نفع پر قرضہ لینا [۲]

ج ۔ بیع الوفا کرنا۔ رہن دخلی اور میعادی۔

عرف عام

قاعدہ ۲۷ عرف اور عام دستور یا عام عادت کے تحت حکم دیا جاتا ہے۔

یعنی احکام میں عرف عام کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اہل فقہ نے اس کی تائید میں ایک حدیث پیش کی ہے علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا ہے، امام احمد نے کتاب السنۃ میں ابن مسعود رضؓ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " اللہ تعالےٰ نے جب بندوں کے قلوب کی طرف دیکھا تو انمیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا اور اپنی رسالت کیلئے

لہ اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ اصطلاح فقہ میں ضرورت اور حاجت میں فرق ہے [۲] بظاہر اس میں سود ہے مگر فقیر و محتاج کے لئے جائز ہے۔

انکو منتخب کر لیا، پھر دیکھا تو آپ کے صحابہ رضؓ کو منتخب کر لیا چنانچہ انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار اور مددگار قرار دیا پس

فما رأه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسنٌ وما رأه المسلمون قبيحًا فهو عند الله قبيح	پس جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھی ہے اور جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

ابن عابدین فرماتے ہیں یہ حدیث موقوف اور حسن ہے اسکو بزار طیالسی طبرانی نے روایت کیا ہے[۱] اور علامہ ابن نجیم مصری نے بیان فرمایا ہے کہ علائی کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے اسکو میں نے حدیث کی کتابوں میں مرفوعاً نہیں دیکھا بلکہ یہ حضرت ابن مسعود رضؓ کا قول ہے یعنی یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں[۲] ہے

ا - الثابت بالعرف ثابتٌ بدليل شرعي[۳]	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ چیز گویا دلیل شرعی سے ثابت ہے
ب - الثابت بالعرف كالثابت بالنص[۴]	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ ایسی ہی ہے گویا نص سے ثابت ہے
ج - انه دليل حيث لا يوجد دليل شرعي	جہاں دلیل شرعی نہ ہو عرف بھی ایک دلیل ہے۔

د - سہیل بن مزاحم نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحؒ کا مسلک تحریر فرمایا ہے "امام صاحب کا مسلک ثقہ کو اختیار، قبیح کو ترک کرنا ہے اور لوگوں کے معاملات میں غور کرنا ہے جب تک امور کی اصلاح رہے گی تو ان کو قیاس پر پیش کیا جائیگا اور اس کے بعد استحسان پر اور جب کوئی بھی چارہ کار نہ ہو تو عرف عام اور تعامل کیطرف رجوع کیا جائے[۵]

عرف کی دو قسمیں ہیں عرف عام یعنی پورے ملک کا رسم و رواج اور چلن، اور عرف خاص

---

[۱] رد المحتار ص ۳۶۵ ج ۵ [۲] الاشباہ ص ۳۷ [۳] [۴] [۵] ابو زہرہ مصری ص ۳۵۳، ص ۳۵۱، ص ۳۵۰

کسی خاص شہر یا طبقہ کا چلن۔ ابن عابدین نے فرمایا ہے کہ عرف عام مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دینا چاہیئے[۱]
یہ بات عرف کی چند مثالوں سے واضح ہو جائے گی

قاعدہ ۲۸ | کبھی معنی حقیقی کو عادت اور استعمال کی وجہ سے بھی ترک کر دیا جاتا ہے ــــــــــ [۱]

یہ قاعدہ عرف کی تفسیر یا شرح ہے، بعض علماء نے عادت اور استعمال کو ہم معنی قرار دیا ہے[۲] اور بعض حضرات نے اس میں فرق کیا ہے اس کی تین قسم ہیں عرفیہ عامہ، عرفیہ خاصہ، عرفیہ شرعیہ۔ اس لحاظ سے الفاظ کے معنی حقیقی کو ترک کر دیا جائیگا اور اسی عرف کا اعتبار ہوگا جس میں وہ الفاظ بولے جا رہے ہیں اس جگہ عرف عرف شرعی کو بیان کیا جاتا ہے۔

أ ۔ جاری پانی کی تعریف یہ ہے کہ جسکو دیکھنے والے جاری کہیں
ب ۔ کنویں میں زیادہ مینگنوں کا ہونا جس کو دیکھنے والے کثیر قرار دیں۔
ج ۔ اگر حیض دس دن سے زیادہ ہو جائے اور نفاس چالیس دن سے زیادہ ہو جائے تو ایام عادت کی طرف رجوع کیا جائیگا
د ۔ عمل کثیر جو مفسد صلوٰۃ ہو وہ بھی عرف سے تعلق رکھتا ہے جس کو دیکھنے والے یہ خیال کریں کہ وہ نماز میں نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ یہ تمام احکام اسی صورت میں ہیں جب کوئی نص موجود نہ ہو لیکن اگر خلافِ نص عرف اور عادت کو دلیل میں پیش کر دیا تو معتبر نہیں۔ محمد بن فضل نے فرمایا کہ مرد کا ستر عورت ناف کے نیچے سے بال اگنے کی جگہ تک نہیں یعنی پیڑو کو ستر عورت میں وہ جہلا اور گنواروں کے عادات کی بناء پر شمار نہیں کرتے تو اس قول کا کسی نے اعتبار نہیں کیا بلکہ رد کر دیا[۳]

۱؎ رد المحتار ۲؎ الاشباہ ص ۳۷ ۳؎ الاشباہ ص ۳۷

قاعدہ ۲۹ ب اسی عادت اور عرف کا اعتبار ہے جو اکثر ہو یا غالب ہو ۔ ۲
ا ۔ مثلاً مارکیٹ میں اشیاء کی خرید و فروخت پیسوں کے ذریعہ ہونا ۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے کچھ عرصہ تک ہندوستانی مارکیٹ میں نئے اور پرانے پیسے جاری تھے اس میں غالب طور پر نئے سکے تھے یا جیسے آجکل ہیں تو پیسوں سے مراد نئے پیسے ہونگے اور اگر کوئی کہے کہ میری مراد پرانے پیسے ہیں تو قابل قبول نہیں
ب ۔ جیسے ہندوستان کی بعض مارکیٹوں (آگرہ وغیرہ) میں پرچی کے ذریعہ سے لین دین ہوتا ہے شاذ و نادر ہی کوئی نقد میں معاملہ کرتا ہے تو جب تک نقد کی صراحت نہ کیجائے مروجہ پرچی ہی مراد ہوگی ۔
ج ۔ معمار اور مزدوروں میں ہفتہ تقسیم ہونے کا رواج ہے اگر کوئی مزدور صراحت نہ کرے تو وہ ہفتہ پر ہی اجرت لینے کا حقدار ہوگا ۔ اسی وجہ سے فقہاء نے بیان فرمایا ہے :۔
المعروف کالمشروط — معروف مشروط کے برابر ہے
خواہ شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے

قاعدہ ۳۰ ج ایمان ، نذر یا قسم کے بارے میں شریعت اور عرف میں تعارض ہو جائے تو معنی عرفی مراد ہونگے ۔۔۔ ۳
ا ۔ کسی نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائیگا اور اس نے مچھلی کا گوشت کھالیا تو حانث نہ ہوگا اگرچہ قرآن پاک نے اسکو لحماً طریاً قرار دیا ہے ۔
ب ۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ دابہ پر سوار نہ ہوگا اور کسی کافر کی پشت پر سوار ہوگیا تو حانث نہ ہوگا ۔ اگرچہ قرآن پاک نے کافر کو دابہ کے نام سے ذکر کیا ہے لہ
ج ۔ ایسے ہی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں عورت سے نکاح نہ کروں گا

لہ ان شر الدواب عند اللہ الذین کفروا فہم لا یومنون ۔ الآیۃ

تو اس کو عقد نکاح پر محمول کیا جائیگا نہ کہ وطی پر۔ اگرچہ قرآن پاک میں نکاح کے معنی وطی کے ہیں [۱]۔ البتہ اگر بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے نکاح نہ کردں گا تو اس صورت میں نکاح اپنے اصلی معنی میں محمول ہوگا یعنی نکاح بمعنی وطی. علامہ زیلعی نے شرح کنز میں تحریر فرمایا۔

الأیمان مبنیۃٌ علے العرف	أیمان عرف پر موقوف ہیں نہ کہ
لا علے الحقائق اللغویۃ [۲]	حقائق لغوی پر۔

قاعدہ ۳۱ — اشیاء کے بارے میں حکم وہی ہے جو اُن کے بارے میں عادت جاری ہے ——— ۴

أ ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی ملک کے بازاروں کے ہوٹلوں میں عام طور پر ذبیحہ مستعمل ہوتا ہے تو وہاں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ ذبیحہ کیسا ہے البتہ مغربی ممالک اور امریکہ وغیرہ میں چونکہ مشینری کا ذبیحہ چلتا ہے اس لئے وہاں پوچھنا لازم ہے کہ یہ کھانا حرام ہے یا حلال ہے۔

ب ۔ عام طور پر لوگ دعوت کیا کرتے ہیں اگر یہ معلوم ہو اور ظاہر ہے کہ اکثر کمائی حرام ہے تو دریافت کرنا چاہیئے اور اگر کمائی مشترک ہے تو بھی دریافت کرنا اچھا ہے. فقہاء کرام نے اس قاعدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے

لا عبرۃ بالعرف الطاری [۳]	عرف طاری اور عارضی کا اعتبار نہیں ہے

قاعدہ ۳۲ — کوئی حکم عام کسی عرف خاص کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ——— ۵

یہ قاعدہ پہلے کی تشریح ہے مثلاً

أ ۔ بخارہ میں دستور تھا کہ کپڑا بننے کو سوت دیا جاتا اور اسکی اجرت میں وہی سوت ہوتا تھا جس کا اندازہ مقرر تھا یہ طریقہ دوسری جگہ اگر اختیار کیا جائے جہاں یہ طریقہ رائج نہ ہو وہاں جائز نہیں ہے صرف بخارہ کے لئے جواز کا فتویٰ ہے

---

[۱] لا تنکحوا ما نکح اٰباءکم۔ الآیۃ [۲] تبیین الحقائق کتاب الایمان [۳] الاشباہ ص ۳۷

ب ۔ ہندوستان میں کھیتی کاٹنے کا طریقہ ہے جسکو بیستی (بیس گڈیوں پر ایک گڈی) کہا جاتا ہے وہ اسی پر قیاس کیا جائیگا اس کے بغیر مزدور کٹائی کیلئے آمادہ نہیں ہوتے اس لئے یہ طریقہ یہیں جائز ہوگا امریکہ کے لئے جائز نہ ہوگا

ج ۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں پگڑی کا طریقہ رائج ہے وہ اسی قبیل سے ہے اگرچہ قیاساً ناجائز ہے لیکن اس شہر کے عرف کی وجہ سے اس کے جواز کا فتویٰ دینا مناسب ہے۔ لیکن یہ طریقہ قصبات اور دیہات میں جائز نہیں ہو سکتا (واللہ اعلم) یہ مسئلہ علماء کے غور کے لئے ہے یہ نہیں کہ میں قیاس کر کے کوئی حکم دے رہا ہوں [1]

اجتہاد کا درجہ

قاعدہ ۲۳ کوئی اجتہاد کسی دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹ سکتا [2] اس قاعدہ میں انقلابات سے حفاظت کی ضمانت اور دنیا کے امن وسکون کو برقرار رکھنے کی قوت ہے۔ اگر ایک فیصلہ دوسرے فیصلہ کو کالعدم قرار دے تو پھر کوئی فیصلہ محفوظ نہیں ہے۔ مثلاً:۔

ا ۔ اگر کسی آدمی نے اجتہاد کے ذریعہ قبلہ متعین کر کے نماز پڑھی اور درمیان صلوٰۃ میں ایک رکعت یا دو رکعت کے بعد اس کا اجتہاد بدل گیا اور اس نے اسی وقت رخ تبدیل کر دیا تو بناء صلوٰۃ درست ہے یہ نہیں ہے کہ پہلی رکعت فاسد ہوئی اب پھر شروع سے نماز پڑھی جائے۔

ب ۔ کسی عدالت نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا اس کے بعد عدالت کو خیال ہوا کہ وہ اجتہاد درست نہیں تھا تو آئندہ وہ دوسرے اجتہاد پر عمل کرے

---

[1] تفصیل ملاحظہ فرمائیں الاشباہ ص۱۲۱ [2] علامہ حموی نے بیان فرمایا ہے پہلا اجتہاد دوسرے اجتہاد سے اسوقت ٹوٹ سکتا ہے جبکہ عوام کی بھلائی اور انکا فائدہ ہو مبیح ۱۲!

پہلا فیصلہ بھی درست ہے صاحب ہدایہ نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے

"دوسرا اجتہاد اور پہلا اجتہاد دونوں برابر ہیں لیکن پہلے اجتہاد کو فیصلہ اور قضار کی تقویت حاصل ہو گئی ہے اس لئے وہ اپنی جگہ درست ہی رہے گا۔"

۳۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں کچھ فیصلے کئے تھے حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسکے خلاف فیصلے دئے لیکن پہلے فیصلوں کو برقرار رکھا

د ۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قضار کا کام ایک صحابی رضؓ کے سپرد کر دیا تھا ایک دفعہ قاضی نے ایک آدمی کے خلاف فیصلہ کیا وہ آدمی حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اگر میں قاضی ہوتا تو یہ فیصلہ نہ کرتا اس آدمی نے کہا اب آپ اس فیصلہ کو بدل دیجئے فرمایا :-

"چونکہ اس معاملہ میں کوئی نص نہیں ہے اسلئے رائے رائے دونوں برابر"

س ۔ حضرت عمر رضؓ کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے سال فیصلہ کیا کہ سگے بھائی کو کچھ نہ دیا جائے ۔ جب دوسرا سال آیا تو سگے بھائی نے پھر عرض کیا کہ اخیافی بھائی جو اپنی والدہ کی وجہ سے (جو میری بھی ماں ہے) وارث بنے ہیں اسلئے میں بھی وارث ہوں کیونکہ بالفرض اگر ہمارا باپ پتھر تھا جو سمندر میں پھینک دیا گیا ہو تو کیا ہم سب کی ماں ایک ہی نہیں؟ اس پر حضرت عمر رضؓ نے ان بھائیوں کے ساتھ اس کو بھی شریک کر دیا لوگوں نے عرض کیا تو حضرت عمر رضؓ نے جواب دیا :-

وہ فیصلہ اسی کے مطابق تھا اب یہ فیصلہ اس کے مطابق ہے جو ہم کر رہے ہیں لہ

اسی وجہ سے ہمارے فقہار نے فرمایا ہے

حکم القاضی فی المسائل — مسائل اجتہادی میں قاضی کا حکم

الاجتہادیۃ لاینقض لہ   نہیں ٹوٹتا

نص شرعی کی موجودگی میں اجتہاد (قیاس) جائز نہیں ہے

قاعدہ ۳۴

یہ امام ابوحنیفہ رح کا مسلک ہے قیاس اور سنت شریفہ کی بحث میں اس پر تفصیلی کلام گذر چکا ہے، روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک آدمی حضرت عمر رض کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ایام منیٰ میں طواف زیارت (جو فرض ہے) کے بعد ایک عورت کو حیض آگیا کیا وہ کوچ کر سکتی ہے؟ حضرت عمر رض نے جواب دیا نہیں۔ اس آدمی نے عرض کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف حکم دیا تھا تو حضرت عمر رض اسکو مارنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا جب تمہیں معلوم تھا تو پھر کیوں دریافت کیا[۲]؟ اسی قبیل سے یہ احکام بھی ہیں

ا۔ قاضی کا اجماع کے خلاف فیصلہ نافذ نہ ہوگا

ب۔ واقف کی شرط کے خلاف کرنا (ایسا ہی) ہے گویا نص کے خلاف کیا ہے[۳]

قاعدہ ۳۵ "جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو حرام کو غالب مانا جائے گا۔"

یہ قاعدہ دراصل ایک حدیث کا ترجمہ ہے جسکو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابن مسعود رض سے موقوفاً روایت کیا ہے

ما اجتمع الحلال والحرام   جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں

الا غلب الحرام الحلال[۴]   تو حرام حلال پر غالب ہوگا۔

علامہ زیلعی نے شرح کنز میں بھی اسکو ذکر کیا ہے۔ اس قاعدہ کی تشریح دوسرے الفاظ میں اسطرح بھی کی گئی ہے

جب حلال اور حرام سے متعلق دو دلیل میں تعارض ہو تو حرمت والی دلیل کو ترجیح حاصل ہوگی[۵]

ا۔ ایک حدیث شریف میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] الاشباہ ص۱۴۷ [۲] جمع الفوائد کتاب المناسک [۳] الاشباہ ص۱۴۲ [۴]، [۵] الاشباہ ص۱۲۱

ارشاد فرمایا

من الحائض ما فوق الازار — حائضہ سے صحبت ازار کے اوپر سے ہے

ب ۔ دوسری حدیث شریف ہے ؛۔

اصنعوا کل شیئ الا النکاح — وطی کے علاوہ حالت حیض میں ہر چیز حلال ہے

ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے اس کے تحت چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں ۔

۱ ۔ اگر کسی کتے نے بکری سے وطی کر لی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو اسکا کھانا حرام ہے

۲ ۔ اگر شکار میں دو کتے چھوڑے ایک سدھایا ہوا تھا اور ایک غیر سدھایا ہوا تھا اور دونوں نے شکار کر لیا تو وہ حرام ہے

۳ ۔ اسی طرح سے مشترکہ جاریہ (باندی) سے وطی حرام ہے

۴ ۔ اگر دو عورتوں کا دودھ مل گیا تو پینے والے بچہ کے لئے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی

۵ ۔ اگر عورت اور بکری کا دودھ مل گیا تو غلبہ کا اعتبار ہوگا ۔

قاعدہ ۳۶ جب مانع میں اور محرک میں تعارض ہو تو منع کو ترجیح حاصل ہوگی

یعنی بعض اعتبار سے تو کسی چیز کی ممانعت ہے اور بعض اعتبار سے اسی کی طلب اور تقاضا ہے تو منع کو اختیار کیا جائیگا مثلاً مسلمان اور کافروں کی چند لاشیں ہیں لیکن کسی طرح یہ ثابت نہیں کہ کونسی لاش کافر کی ہے اور کونسی مسلمان کی تو ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی بلکہ غسل دیکر اور کفنا کر مشرکین کے قبرستان میں دفن کر دیا جائیگا ۔

قاعدہ ۳۷ حضرات شوافع نے فرمایا ہے کہ عبادات اور تقرب کے کاموں میں ایثار مکروہ ہے اور عبادات کے علاوہ میں محبوب ہے اور یہی شیخ عزالدین نے بھی فرمایا ہے ۔

اس قاعدہ کی تائید اس آیت مبارکہ سے بھی ہو رہی ہے ؛۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ — وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ انتہائی تنگی میں ہوں

لہذا ضروریات اور احتیاج انسانی کے علاوہ ثواب اور عبادات کے کاموں میں ایثار جائز نہیں ہے مثلاً

ا ۔ وضو کا پانی، ستر عورت کے لئے کپڑا، صفِ اول وغیرہ امور میں ایثار مکروہ ہے کیونکہ عبادات میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتی ہے اور ترک تعظیم جائز نہیں ہے یہ تو ہر ایک ہی کے لئے لازم ہے بخلاف اس کے کہ ایک بھوکا دوسرے بھوکے کو ایک پیاسا دوسرے پیاسے کو ترجیح دے سکتا ہے

ب ۔ ایسے ہی کسی آدمی کو صف اول کے لئے جگہ دے اور خود پیچھے آجائے جائز نہیں ہے

ج ۔ ایسے ہی قرأتِ علم (جسطرح درسگاہوں میں ہوتا ہے) میں ایثار مکروہ ہے

قاعدہ ۳۸ تابع ۔ تابع ہی ہوتا ہے اس لئے وہ حکم میں تنہا نہیں ہوتا۔

ا ۔ مثلاً حاملہ باندی کی بیع میں حمل داخل ہوتا ہے وہ بیع سے الگ نہیں ہوتا۔

ب ۔ " زمین کی بیع میں راستہ تبعاً داخل رہتا ہے

قاعدہ ۳۹ تابع کا حکم متبوع کے حکم کے ساقط ہونے سے خود بخود ختم ہوجاتا ہے ۔

ا ۔ مثلاً ۔ ایام جنون میں چند نمازیں فوت ہوگئیں تو فرائض کے ساتھ سنن بھی فوت ہوجاتی ہیں ۔

ب ۔ جس کا حج فوت ہوجائے وہ افعال عمرہ ادا کر کے احرام سے باہر آجائے اس پر سے وقوف عرفات کے ساتھ رمی اور وقوف مزدلفہ ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ یہ وقوف عرفات کے تابع ہیں ۔

اس قاعدہ کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے جب اصل ساقط ہوجاتی ہے تو فرع

بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

قاعدہ ۴۰ "تابع متبوع پر مقدم نہیں ہو سکتا۔"
جیسے مقتدی امام سے آگے نہیں ہو سکتا

قاعدہ ۴۱ جو چیزیں تابع کے لئے لازم ہوتی ہیں وہ دوسرے کے لئے لازم نہیں ہوتیں۔
اس کی شرح اس طرح بھی کی گئی ہے۔

قاعدہ ۴۲ جو چیز ضمناً اور حکماً ثابت ہوتی ہے وہ قصداً ثابت نہیں ہوتی

قاعدہ ۴۳ ابتدار میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے بقار میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی اور جن چیزوں کی بقا میں ضرورت ہوتی ہے ان کی ابتدار میں ضرورت نہیں ہوتی

ان قواعد کو علامہ ابن نجیم نے اور علامہ قرافی نے قواعد ہی کے نام سے تحریر فرمایا ہے اگرچہ یہ اکثری قاعدے ہیں قاعدہ کلی نہیں ہیں تفصیل ملاحظہ فرمائیں الاشباہ[۹]

سیاست اور حکومت

قاعدہ ۴۴ ہر شعبہ حکومت میں ان ہی لوگوں کو مقدم کیا جائے جو اس کے حقوق اور مفادات کا زیادہ خیال رکھ سکتے ہوں[۱]

چنانچہ قوم کی قیادت اور سیادت کا ان ہی کو حق حاصل ہے جو قوم کی سیاست اور شریعت سے زیادہ واقف کار ہوں حکومت اور قیادت کے لئے یہ نہایت جامع قاعدہ ہے اس قاعدہ نے حکام اور سیاستدانوں کی رہنمائی کی ہے۔ جو حاکم یا سیاستداں قومی مفادات اور حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے وہ انجام کار ناکام ہوتے ہیں۔

قاعدہ ۴۵ رعایا کے معاملات میں حاکم کو مصلحت بینی سے کام لینا چاہیئے

اس اصول میں حاکم وقت کو مکمل ہدایات دی گئی ہیں اس کی بنیاد حضرت عمر رضؓ کا وہ ارشاد گرامی ہے جس کو سعید بن منصور نے براء بن عازب رضؓ سے روایت کیا ہے حضرت عمر رضؓ نے ارشاد فرمایا

میں اللہ تعالیٰ کے اس مال و دولت کا اپنے کو ایسا ہی ذمہ دار سمجھتا ہوں
جس طرح یتیم کا سرپرست ہوتا ہے جب مجھے ضرورت ہوتی ہے تو اسی
قدر لے لیتا ہوں اور جب خوش حالی ہوتی ہے تو اس کو واپس
کر دیتا ہوں اور جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے پرہیز کرتا ہوں۔

اور امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں حضرت عمر رضؓ کے بارے میں روایت کیا کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو مختلف اعلیٰ مناصب پر مقرر فرمایا تھا۔

حضرت عمار بن یاسر رضؓ کو سپہ سالاری کے لئے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ کو عدالت اور خزانہ کے لئے اور حضرت عثمان بن حنیف رضؓ کو زمین کے بندوبست کے لئے مقرر فرمایا تھا اور ان کے روزانہ کا وظیفہ ایک بکری مقرر فرمایا اور فرمایا:۔

میں اللہ کے مال میں ایسا ہی ہوں جیسا کہ یتیم کا سرپرست ہوتا ہے
خبردار اس مال سے پرہیز کرتے رہنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ — جو غنی ہو وہ پرہیز کرے اور
وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ [1] — جو فقیر ہو وہ دستور کے مطابق کھائے۔

علامہ زیلعی نے مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں حاکم وقت کے فرائض کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

---

[1] الاشباہ ص ۹۰

د ۔ بیت المال کی چار قسمیں ہیں حاکم کو چاہیئے کہ ہر قسم کو جدا جدا رکھے ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملا دے

ب ۔ حاکم وقت کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے ڈرے اور مستحق کو اس کی ضرورت کے مطابق اس کا حق دے نہ اس میں اضافہ کرے اور نہ کمی ۔

ج ۔ حاکم وقت کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ بیت المال کی آراضی کو صرف عام لوگوں کی بھلائی کے لئے صرف کرے [۱]

قاعدہ ۴۶ حاکم کا فعل جب مصلحت عام کے خلاف ہوتا ہے تو شرعاً اس کا حکم نافذ نہیں ہوتا ہے

علامہ قرافی نے اشباہ کے مذکورہ قاعدہ کو دوسرے الفاظ میں اسطرح بیان کیا ہے ۔

ہر وہ شخص جو خلافت یا اس سے کم درجہ کے منصب پر قائم ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی کام ایسا کرے جس میں عوام کی بھلائی مدنظر نہ ہو یا ان کی خرابیوں کو دور نہ کیا گیا ہو [۲]

اس قاعدہ کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے :۔

لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ ۔الآیۃ تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔

جو میری امت کے کاموں کا نگراں ہو اور پھر اس نے ان کی بھلائی کے لئے کوشش نہ کی ہو تو جنت اس پر حرام ہے ۔

قاعدہ ۴۷ جب حقوق میں تصادم ہو تو تنگدست کو خوش حال پر اور فوری چیز کو تاخیر والی چیز پر اور فرض عین کو فرض کفایہ پر مقدم رکھا جاتا ہے [۳]

ا ۔ عبادات میں اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآن شریف

---

[۱] شرح اشباہ از حموی ج ۱ ص ۱۵۰ [۲] الفروق از قرافی [۳] از قرافی

تلاوت کررہا ہے اور اذان ہونے لگی تو اب اس کے جواب کیطرف متوجہ ہوجائے کیونکہ اذان کا جواب، اذان ختم ہونے کے بعد نہیں ہوسکتا۔ تلاوت قرآن پھر بھی کرسکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہے یا نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے اور اسی وقت کوئی آدمی یا اندھا کنویں میں گرنے والا ہے یا آگ میں جل جائیگا تو نماز کو چھوڑ کر اس کو بچائے۔

۳۔ اسی قبیل سے فرض نماز کو جنازہ کی نماز سے مقدم کیا جاتا ہے۔

قانون جرم وسزا

قاعدہ ۴۸ حدود شرعی شک وشبہ واقع ہو جانے سے ختم ہوجاتی ہیں۔

اس قاعدہ کو ہمارے فقہاء نے بہت جگہ جاری کیا ہے اس کی اصل مندرجہ ذیل احادیث ہیں۔

ادفعوا الحدود ما استطعتم	حدود کو جہاں تک ممکن ہو دور کرو

اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ اور ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے

ادرؤا الحدود عن المسلمین	حدود کو مسلمانوں سے جہاں تک
ما استطعتم فان وجدتم	ممکن ہو دفع کرو اگر مسلمانوں کے
للمسلمین مخرجا فخلوا سبیلھم	لئے کوئی راہ نکل سکتی ہو تو ان کا
فان الامام لان یخطی فی	راستہ چھوڑ دو اسلئے کہ امام کا معافی
العفو خیر من ان یخطی	میں خطا کرنا عقوبت میں خطا
فی العقوبۃ	کرنے سے بہتر ہے

اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے

ادرؤا الحدود والقتل عن عباد اللہ ما استطعتم — اللہ کے بندوں سے حدود اور قتل کو جہاں تک ممکن ہو ٹالو

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان فرمایا ہے کہ فقہاء امصار کا اس پر اجماع ہے کہ حدود شبہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں اور اس بارے میں حدیث متفق علیہ مروی ہے جس کو امت نے قبول کیا ہے اور شبہ وہ ہے جو ثابت شدہ میں شبہ پیدا کر دے اور خود ثابت نہ ہو[1] امام شافعی رح نے یہ اختلاف کیا ہے کہ شبہ قوی معتبر ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر شبہ کو قوت ہو تو کس چیز سے ؟ اگر شبہ کو قوت حاصل ہو گئی تو وہ ثابت کے درجہ میں آگیا حالانکہ شبہ ثابت کے مقابل میں آتا ہے، شبہ کی چند قسمیں ہیں جنکو یہاں ذکر کیا جاتا ہے

۱۔ فعل میں شبہ ۔ اسکا نام شبۃ الاشتباہ ہے ۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو کسی چیز کے حلال وحرام میں شبہ ہو اور وہ غیر دلیل کو دلیل سمجھنے لگے مثلاً وہ سمجھنے لگے طلاق مغلظہ والی عورت کے پاس عدت کی حالت میں بھی جایا جا سکتا ہے جیسا کہ طلاق رجعی کی عدت میں۔ یا وہ یہ سمجھنے لگے کہ اس کی بیوی یا باپ دادا کی باندی اس کے لئے حلال ہے اور وہ اس باندی سے وطی کرلے تو حد جاری نہ ہوگی

۲ ۔ موقع اور محل میں شبہ ۔ یہ چھ مقامات میں ہوتا ہے مثلاً جس عورت کو الفاظ کنائی میں طلاق بائنہ دی ہو یا اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے زنا کیا ہو تو حد جاری نہ ہوگی۔

۳ ۔ عقد میں شبہ ۔ اگر کوئی محرم عورت سے عقد کرے اور اس سے وطی بھی کرلے امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں اگرچہ اس کو حرمت کا علم تھا پھر بھی وطی کرلی اس پر حد جاری نہ ہوگی اور صاحبین نے فرمایا اگر اسکو حرمت کا علم تھا تو حد جاری ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الحدود ۔ الاشباہ ص۔ [2] الاشباہ ص۔

چونکہ شرعی حدود شبہ سے ختم ہو جاتی ہیں اس لئے انکار کی صورت میں مجرم سے قسم نہ لی جائے گی انکار پر ہی چھوڑ دیا جائیگا

ف ۔ مقدمات فوجداری میں عدالتیں ثبوت میں ادنیٰ درجہ کی کمزوری سے مقدمات کو خارج کر دیتی ہیں یہ حنفی فقہ ہی کا احسان ہے

قاعدہ نمبر ۴۸/ا حدود میں ترجمان کا قول قبول کر لیا جائیگا ــــ ا

یعنی مجرم کسی دوسری زبان کا ہے اور عدالت اس زبان کو نہیں جانتی تو اس بارے میں ترجمان کا قول قابل قبول ہے معلوم رہے ترجمان بدل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے قابل قبول نہ ہو کیونکہ زبان کو نہ جاننے کی وجہ سے ترجمان مقرر کیا جاتا ہے اس لئے اصل ہی کے درجہ میں ہے جیساکہ شہادت اقرار نہ کرنے کی صورت میں ہوتی ہے

قاعدہ نمبر ۴۹/ب شبہ سے دفع ہونے میں قصاص بھی حدود کی طرح ہے ۔ ــــــــــــ ۲

یعنی معاملاتِ قتل بھی شبہات سے دور ہو جاتے ہیں (عدالت فوجداری آج کل بھی کرتی ہیں) مثلاً کسی نے سوتے ہوئے کو ذبح کر دیا اور یہ کہدیا کہ میں نے تو مردہ سمجھا تھا، اس پر قصاص نہ ہوگا، دیت واجب ہوگی بہرحال قصاص مثل حدود کے ہے مگر سات صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں

۱ ـ اگر عدالت کو ذاتی طور پر معلوم ہو ۔ تو یہ علم قصاص میں معتبر ہے حدود میں نہیں

۲ ـ حدود میں وراثت نہیں قصاص میں وراثت ہے

۳ ـ حدود میں معافی نہیں قصاص میں معافی ہے ۔

۴ ـ زمانہ ماضیہ کا قتل شہادت قتل کو مانع نہیں حدود میں شہادت ماضیہ معتبر نہیں ۔

۵ ـ قصاص گونگے کے اشارہ اور کتابت سے ثابت ہو جائیگا حدود اشارہ سے ثابت نہ ہونگی ۔

۶۔ حدود میں شفاعت جائز نہیں قصاص میں جائز ہے
۷۔ حد قذف کے علاوہ دیگر حدود دعوی پر موقوف نہیں [1]
نوٹ:۔ تعزیرات شبہ کے باوجود ثابت ہو جاتی ہیں لہذا جس طرح مال ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح تعزیرات بھی ثابت ہو جاتی ہیں اور اس میں قسم بھی آتی ہے اور وہ انکار کے باوجود بھی ثابت ہو جاتی ہیں۔

انسانوں کے حقوق و اختیارات

قاعدہ نمبر ۵۰ آزاد آدمی کسی کے قبضہ سے بالاتر ہے اس لئے آزاد آدمی کی بلیک میل سے ضمان بھی نہ آئے گا اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

بالفرض اگر کوئی آدمی فرار کر لیا گیا اور کسی خطرناک جگہ مقید کر دیا کہ وہاں اس کا انتقال ہو گیا تو غصب کا ضمان نہیں بلکہ اس کے ہلاک کا باعث بننے کا ضمان ہوگا اور اگر کسی غلام کے ساتھ ایسا ہو جائے تو دونوں صورتوں میں اس کا ضمان غاصب کو دینا ہوگا اور اگر غاصب بھی ہاتھ نہ آئے تو اس کے وارثوں کو ضمان دینا ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد آدمی کو خواہ مخواہ محبوس نہ کیا جائیگا یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح آزاد بیوقوف کو زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال کی مدت تک مجور قرار دیتے ہیں اس سے زیادہ وہ بھی پابندی عائد نہیں کرتے ہیں لیکن آزاد عورت اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ شوہر کا قبضہ اس پر تسلیم کیا گیا ہے اور وہ بھی اس کی عزت اور حرمت اور عصمت کی حفاظت کی خاطر ہے۔

قاعدہ نمبر ۵۱ جب دو چیزیں ایک ہی جنس کی جمع ہو جائیں کہ مقصود دونوں سے ایک ہی ہو تو تداخل ہو جائیگا یعنی ایک دوسرے میں داخل شمار ہوگی

۱۔ کسی آدمی کو حدث (ناقض وضو) بھی ہے اور جنابت (جس سے غسل

واجب ہوتا ہے) یا حیض اور حدث ہے تو ایک ہی غسل کافی ہے

ب۔ کوئی آدمی مسجد میں آیا اور اس نے فرض نماز ادا کی یا سنتیں ادا کیں تو وہی تحیۃ المسجد کے لئے کافی ہیں

ج۔ کسی نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور تین آیات پڑھنے سے پہلے نماز کا سجدہ کرلیا تو سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوجائے گا یا سجدۂ تلاوت پڑھنے کے فوراً ہی بعد رکوع کرلیا تو بھی رکوع کافی ہوجائیگا۔

د۔ اگر کسی سے نماز میں کئی مرتبہ سہو ہوا تو صرف ایک ہی سجدہ کافی ہو گا

ف:۔ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے اپنے خالہ زاد بھائی امام کسائیؒ سے دریافت کیا اپنی نحو کے ذریعہ بتلائیے! اگر کسی سے سجدۂ سہو میں بھی سہو ہوگیا تو کیا کرے؟ فرمایا "المصغر لا یصغر" تصغیر کی مزید تصغیر نہیں ہوسکتی [1]

س۔ کسی نے پہلے باکرہ سے زنا کیا اور پھر ثیبہ (شادی شدہ) سے زنا کیا تو صرف رجم ہی کافی ہوجائیگا یہ نہیں کہ کوڑوں کی سزا بھی دی جائے۔

قاعدہ ۵۲ کلام کو بامعنی قرار دینا اسکو مہمل اور بے معنی قرار دینے سے بہتر ہے۔

اس قاعدہ میں عاقل بالغ کو جہاں بامعنی اور باسلیقہ بولنے کی ترغیب ہے ضمناً اس کو بیہودہ اور لغو کلام بولنے کی بھی ہدایت ہے گویا انسان کی شرافتِ نفس کی حفاظت ہے اسی وجہ سے ہمارے فقہاء کرام نے فرمایا ہے:۔

"حقیقت اگر متعذر ہو تو معنی مجازی مراد لئے جائیں"

مثلاً کسی نے قسم کھائی میں اس پیڑ کو نہیں کھاؤنگا تو اس جملہ کے معنی حقیقی مراد لینا تو دشوار ہیں اسلئے جو چیز پیڑ سے حاصل ہوگی خواہ پھل ہوں یا قیمت ہو وہ مراد ہوگی کیونکہ معنی حقیقی مراد لینا تو دشوار تر ہیں اس لئے معنی مجازی مراد ہونگے۔

---

[1] البحر الرائق از ابن نجیم مصری

اس طرح اس قاعدہ کے تحت فقہ کے تمام ابواب میں ہزارہا مثالیں موجود ہیں

قاعدہ ۵۳ کلام میں تاسیس تاکید سے بہتر ہے

یہ قاعدہ بھی گذشتہ قاعدہ میں داخل ہے یعنی جب ایسا کلام بولا جائے کہ اس میں دو احتمال موجود ہوں تو اس صورت میں تاکید کے مقابلہ میں تاسیس (نیا مفہوم) مراد لینا بہتر ہے۔ اسی قاعدہ کے تحت فقہاء نے بیان کیا ہے اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا تجھے طلاق، طلاق طلاق۔ یا کہا میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی (وغیرہ) تو اس صورت میں تاکید اور تاسیس دونوں کا احتمال ہے اس لئے تاسیس مراد لینا زیادہ بہتر ہے صاحب درمختار وغیرہ نے بیان کیا ہے

کرر لفظ الطلاق وقع الکل	اگر کسی نے لفظ طلاق مکرر کہا
وان نوی التاکید دین	تو (قضاءً) کل طلاق ہونگی لیکن
	اگر اس نے تاکید کی نیت کرلی تو
(درمختار)	یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی۔

آج کل ہندوستان کے قصبات اور دیہات میں جہلا مسلمان بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں علماء کرام کو چاہیئے کہ جواب میں احتیاط سے کام لیں اور جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو بگاڑ اور فساد سے روکیں اور ایک طلاق کا حکم صادر فرمائیں۔ واللہ اعلم

قاعدہ ۵۴ الخراج بالضمان پیداوار کا نفع ذمہ داری پر ہے

دراصل الخراج سے مراد کسی چیز کی پیداوار اور منافع ہیں اور ضمان سے مراد حق ملکیت ہے جانور کا منافع پیداوار (خراج) اس کا دودھ اور نسل، درخت کا خراج (پیداوار) اس کے پھل ہیں غرض کہ ہر چیز سے حاصل شدہ شے خراج ہے۔

کلماخرج من شی فھو خراجہ ہر چیز سے جو کچھ نکلے وہ اسکا خراج ہے

یہ قاعدہ دراصل ایک حدیث ہے جسکو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ابن حبان نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، ایک آدمی نے غلام خریدا وہ کافی عرصہ اس کے پاس رہا پھر اس کو غلام کا پہلا مالک مل گیا اس آدمی نے حضورؐ سے عرض کیا تب آپ نے اس غلام کو لوٹا دیا اس نے عرض کیا حضور اس نے میرے غلام کو استعمال کیا ہے تب آپ نے یہ ارشاد فرمایا "الخراج بالضمان" فخرالاسلام نے اپنے اصول میں بیان فرمایا ہے یہ حدیث جامع الکلم ہے اسکو بالمعنی روایت کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ وہ منافع یا پیداوار جو اصل سے جدا ہیں اور اصل سے پیدا نہیں ہیں داخل نہ ہونگے اور ایسے ہی بیع فاسد کو جب ختم کیا جائے تو ایسی آمدنی بائع کے لئے واپس لینا جائز ہے وہ مشتری کا حق نہیں ہے

قاعدہ ۵۴

سوال جواب میں ضمناً داخل ہوتا ہے۔

ا۔ مثلاً کسی عورت نے اپنے خاوند سے کہا "مجھے طلاق"۔ شوہر نے کہا ہاں! تو اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی

ب۔ کسی آدمی نے دوسرے سے کہا، میرے اوپر تیرے ایک ہزار ہیں اس نے جواب میں کہا ہاں! تو یہ اقرار شمار کیا جائیگا اور اس سے ایک ہزار کا مطالبہ کیا جائیگا۔

قاعدہ ۵۵

خاموش کیطرف بات منسوب نہیں کی جاسکتی

ا۔ ایک آدمی نے دیکھا کہ زید اس کا سامان بیچ رہا ہے وہ یہ دیکھ کر خاموش رہا تو اس خاموشی سے زید کو اس کا وکیل نہ سمجھا جائیگا۔

ب۔ اگر حاکم وقت نے دیکھا کہ فلاں آدمی کوئی چیز بیچ رہا ہے یہ دیکھ کر اس نے اسکو کچھ نہیں کہا تو خاموشی سے بیٹھنے والا لائسنس دار نہیں سمجھا جائیگا۔

ج۔ ایسے ہی کوئی عورت اپنے نامرد خاوند کے ساتھ برسوں رہی لیکن ابھی

رضا کو ظاہر نہ کیا تو اسکا یہ سکوت رضامندی قرار نہ دیا جائیگا۔ لیکن اس قاعدہ کے باوجود بہت سے مسائل ایسے ہیں جہاں سکوت قائمقام رضامندی کے قرار دیا جاتا ہے مثلاً

ا۔ اجازت نکاح کے لئے باکرہ کا سکوت قائمقام رضامندی کے ہے۔

ب۔ ایسے ہی باکرہ کا مہر پر قبضہ کرنے پر سکوت۔

ج۔ ایسے ہی باکرہ کا نکاح کی خبر معلوم ہونے پر سکوت

د۔ عدالت جب کسی سے گواہ کے چال چلن کی تصدیق چاہے اور وہ اس پر خاموش رہے تو یہ بھی قائمقام رضامندی کے ہے علامہ ابن نجیم نے تقریباً ۳۷ مقامات مذکورہ قاعدہ سے مستثنیٰ کیئے ہیں۔

قاعدہ ۵۶ "چند مسائل کے علاوہ فرض نفل سے افضل ہیں۔"
وہ چند مسائل یہ ہیں:۔

ا۔ تنگدست کو معاف کر دینا مستحب ہے لیکن مہلت دینا واجب ہے اس جگہ بھی مستحب واجب سے افضل ہے۔

۲۔ ابتدار سلام مسنون ہے لیکن جواب واجب ہے۔ اس جگہ بھی یہ سنت واجب سے افضل ہے

۳۔ وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے اور بعد وقت کے وضو واجب ہے یہاں بھی یہ مستحب واجب سے افضل ہے

قاعدہ ۵۷ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے
اس قاعدہ کے تحت ہزاروں مثالیں آتی ہیں مثلاً :۔

رشوت، سود، زنا کی اجرت اور بہت سی حرام اجرتیں اور حرام منافع سب اسی قاعدہ کے تحت آتے ہیں۔

قاعدہ ۵۸ "جو کام کرنا حرام ہے وہ طلب کرنا بھی حرام ہے"
یہ بھی پہلے قاعدہ کی شرح ہے۔

قاعدہ ۵۹

جو کوئی وقت سے پہلے کسی چیز کو لینا چاہے تو اس کی سزا اس سے محرومی ہے۔

اس قاعدہ کی تشریح میں علماء کا یہ مقولہ بھی ہے جو کوئی حرام مقصد سے کوئی کام کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا مقصد پورا نہ کیا جائے۔ اس قاعدہ کے تحت بہت سے مسائل ہیں :۔

ا۔ اگر کوئی مرد مرضِ وفات میں عورت کو میراث سے محروم کرنے کے لئے طلاق دیدے تو وہ عورت محروم نہ ہوگی بلکہ اسکو ترکہ دیا جائیگا۔

ب۔ اگر کوئی اپنے مورث کو دولت پر قبضہ کرنیکے لئے قتل کردے وہ میراث سے محروم رہیگا۔ لیکن اس کے باوجود علامہ ابن نجیم نے اسکے چند مستثنیات ذکر کئے ہیں

۱۔ اگر کوئی ام ولد اپنے آقا کو آزاد ہونے کی غرض سے قتل کردے تو وہ آزادی سے محروم نہ ہوگی۔

۲۔ اگر کوئی قرضدار، قرضخواہ کو قتل کردے تو اس کا قرضہ ساقط نہ ہوگا۔

۳۔ اگر کسی عورت نے حیض آور دوا پی لی اور اسکو حیض آگیا تو وہ نماز قضا نہ کریگی۔

قاعدہ ۶۰

جو کوئی اپنی طرف سے کسی تکمیل شدہ کام کو خراب کرنے کی کوشش کرے تو اس کی کوشش قابل قبول نہ ہوگی۔

اس قاعدے کی مثالیں معاملات اور دعووں میں بہت ہیں

قاعدہ ۶۱

ولایت خاصہ، ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے

اس کی مثال یہ ہے کہ حاکم وقت ولی کی موجودگی میں یتیم بچہ یا بچی کا نکاح کا ولی نہیں بن سکتا

۲۔ ایسے ہی ولی اقرب کی موجودگی میں ولی بعید یعنی قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار نابالغہ کا نکاح نہیں کرسکتا۔

قاعدہ ۶۲

جس خیال کی غلطی ظاہر ہوگئی اس کا اعتبار نہیں۔

ا ۔ کسی آدمی نے یہ خیال کر کے صبح کی نماز پڑھ لی کہ وقت ہو گیا ہے مگر ابھی رات تھی تو اسکو دوبارہ نماز فجر ادا کرنی ہوگی ۔

ب ۔ اگر کسی آدمی نے پانی کو ناپاک جانتے ہوئے وضو کر لیا پھر ظاہر ہو گیا کہ وہ پانی پاک تھا تو دوبارہ وضو نہیں کرنا چاہیئے ۔

ج ۔ اگر کسی نے کسی کو مالدار جانتے ہوئے زکوۃ دیدی پھر ظاہر ہوا کہ وہ غریب تھا اسکی زکوٰۃ ادا ہو گئی ۔ صاحب اشباہ نے اس کے کچھ مستثنیات بھی ذکر کئے ہیں ۔ مثلاً

ا ۔ کسی آدمی نے صبح کو رات جانتے ہوئے کچھ کھا لیا وہ روزہ کی قضا کرے اس پر کفارہ نہیں ہے ۔

ب ۔ کسی سپاہی نے سپاہی کو دشمن کی فوج سمجھتے ہوئے صلوۃ خوف ادا کر لی پھر ظاہر ہوا کہ وہ فوج نہیں ہے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا وغیر ذلک ۔

قاعدہ ۶۳ ناقابل اجزاء چیزوں کا ذکر کل کے ذکر کے مترادف ہے

۱ ۔ اگر کسی نے آدھی طلاق دی تو اس سے پوری طلاق ہو گی

۲ ۔ قصاص سے بعض شرکاء قتل کو معاف کر دیا تو اس سے کل شرکاء معاف ہو جائیں گے

۳ ۔ اگر کسی نے آدھے حج کا احرام باندھا یہ پورے حج کا احرام قرار دیا جائیگا ۔

قاعدہ ۶۴ جب کسی کام کا مرتکب اور اس کا مددگار دونوں جمع ہو جائیں تو وہ فعل مرتکب کیطرف منسوب ہوگا

۱ ۔ مثلاً کسی آدمی نے کنواں کھودا اور دوسرے نے اس میں کسی کو گرا دیا تو کنواں کھودنے والا مجرم ہے

۲ ۔ کسی نے چور کو چوری کا پتہ بتلا دیا تو چور مجرم ہوگا اور اس کے ہی ہاتھ کاٹے جائینگے ۔ (اس قاعدہ میں ذرا تفصیل ہے) ۔

قاعدہ ۶۵ اگر ناجائز کمائی ہو اور وہ حقدار کو واپس نہ کیجا سکتی ہو تو اسے خیرات کر دیا جائے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ظلم یا رشوت سے مال جمع کیا اور وہ مر جائے تو اس کے وارث اس کا مال میراث میں تقسیم نہ کریں (گو قانوناً وہ اس کے وارث اور حقدار ہیں مگر اخلاقاً ان پر حرام ہے) بلکہ اس مال کو اگر ممکن ہو تو حقداروں کو واپس کر دیں ورنہ خیرات کر دیں [۱]

قاعدہ ۶۶ ہر وہ فعل جس کی نیکی اس کے بار بار کرنے سے بڑھتی رہتی ہو وہ حکم عین ہوتا ہے اور جس کی نیکی بار بار نہ بڑھتی ہو وہ حکم کفایہ ہوتا ہے۔

حکم عین کی مثال پنجوقتہ نمازیں ہیں اور یہی فرض عین ہیں اور عینی مستحب کی مثال صدقات ہیں اور حکم کفایہ کی مثال ڈوبتے ہوئے کو بچانا ہے اس کے بعد اگر کوئی خواہ مخواہ تیرتا رہے تو اسے کوئی بھلائی نہیں ملے گی۔ اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑے پہنانا بھی حکم کفایہ ہے [۲]

قاعدہ ۶۷ حرمت سے جواز کی طرف منتقل ہونے کے لئے اعلیٰ اسباب و مراتب کی شرط ہے مگر جواز سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کے لئے معمولی سبب بھی کافی ہے [۳]

مثلاً مسلمان کے خون کی حرمت مسلم ہے حدیث شریف میں اس کو "قتالہ کفر" اس کا عمداً قتل کرنا کفر کے قریب قرار دیا ہے۔ مگر یہ حرمت شادی شدہ سے زنا کرنے کے جرم میں جب رجم کیا جائے یا جب مرتد ہو جائے تو قتل کر دیا جائے تو حرمت جواز کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور یہ بہت بڑے اسباب ہیں لیکن قصاص میں جب معاف کر دیا جائے تو یہ جواز حرمت کیطرف آجاتا ہے اور معاف کرنا بہت معمولی سبب ہے ایسے ہی قزاق اور لٹیرے گرفتار ہونے سے

---

[۱] رد المحتار ج۵ ص۲۵۵ [۲] الفروق از علامہ قرافی [۳] ایضاً

پہلے اگر توبہ کریں توان کا مباح القتل ہونا ختم ہوجاتا ہے اور ان پر حد جاری نہ ہوگی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ عورت نکاح سے پہلے حرام ہے لیکن جب دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوجاتا ہے تو وہ حلال ہوجاتی ہے لیکن معمولی سے الفاظ طلاق مغلظ کے بولنے سے پھر حرام ہوجاتی ہے

قاعدہ ۶۸ میراث کے اسباب تین ہیں زوجیت، قرابت آزاد کرنے کا حق (جس کو ولا کہا جاتا ہے) ؎

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ سبب یا تو ایسا ہو جسے ختم کیا جاسکتا ہو جیسے زوجیت، یا ختم نہ کیا جاسکتا ہو یہ دو طرح پر ہے یا تو جانبین سے میراث کا سلسلہ جاری ہوتا ہو یا ایک جانب سے پہلا سبب قرابت داری ہے اور دوسرا حقِ وِلا ہے

قاعدہ ۶۹ حقوق دو طرح کے ہیں وارث کی طرف منتقل ہونے والے اور نہ منتقل ہونے والے ؎

پہلے کی مثال مال ہے اور دوسرے کی مثال مورث کا علم، عقل تقویٰ خیالات وغیرہ صفات ہیں اور کسی ذات کی صفات میں تقسیم جاری نہیں ہوسکتی اسی طرح وارث مورث کے فرائض منصبی کے بھی وارث نہیں بن سکتے مثلاً خطابت، امامت، وکالت۔ اسی طرح حق شفعہ بھی منتقل نہیں ہوسکتا ہمارے یہاں ہندوستان میں سجادہ نشینی، پیر کی جانشینی، شہر قاضی وغیرہ چیزیں اسی قبیل سے ہیں مگر برا ہو جہالت کا یہ چیزیں اتنی بڑی وراثت سمجھی جاتی ہیں اور اس پر اتنے بڑے فسادات کھڑے ہوجاتے ہیں کہ جن کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا ہے اگر پیر کے انتقال کے بعد بیٹے کو کوئی جانشین یا سجادہ نشین نہیں مانتا تو بیٹا دنیا بھر کے مریدوں کی نسبت کے سلب کرنیکا

؎ الفروق از علامہ قرافی ؎ ایضاً

مجاز ہو جاتا ہے ۔لاحول ولا قوۃ ۔ اس طریقہ جاہلیت پر لعنت ۔

قاعدہ ۷ وکیل ان ہی امور میں بنایا جا سکتا ہے کہ جو امور موکل کے بغیر بھی انجام پا سکتے ہوں لیکن جو امور موکل کے بغیر انجام نہ پا سکتے ہوں ان میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے ۔

مثلاً نکاح ۔ یہ بغیر موکل کے بھی ہو سکتا ہے عورت اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دے تو نکاح ہو جائیگا ۔

ب ۔ اسی طرح تمام معاہدے اور دعوے بغیر موکل کے بھی ہو سکتے ہیں ان میں وکیل بنانا جائز ہے ۔

ج ۔ نماز روزہ میں وکیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ ان کا مقصد عبادت ہے اس لئے یہ موکل ہی کیلئے لازم ہیں

د ۔ قسم کھانا ۔ اگر کوئی وکیل قسم کھا کر دوسرے کی صداقت ثابت کرے تو یہ جائز نہیں اس لئے قسموں میں وکالت جائز نہیں ہے ۔

س ۔ اصل شہادت کے لئے بھی وکیل نہیں بنایا جا سکتا ۔

ص ۔ گناہوں اور معاصی میں بھی وکالت درست نہیں ہے [۱]

قاعدہ ۱۷ اکثر وقوع پذیر واقعات اور حالات کو معتبر جانا جائے [۲] مثلاً سفر چونکہ کثیر الوقوع ہے اور اس میں اکثر مشقت ہوتی ہے اسوجہ سے قصر صلوٰۃ ، روزے میں تاخیر کا حکم ہے

ب ۔ حریفوں اور دشمنوں کی شہادت کو نہ قبول کرنا کیونکہ اکثریت سے ناانصافی کا اندیشہ ہے لیکن اس قاعدہ میں استثنا بھی ہے مثلاً

ا ۔ اقل مدت (چھ مہینہ) میں بچہ کی پیدائش کا نسب موجودہ شوہر کی طرف ہونا ورنہ غالب حالات میں ۹ مہینہ میں بچہ پیدا ہوتا ہے مگر لوگوں کی عزت

---

[۱] الفروق از قرافی [۲] الفروق ۔ از قرافی

اور آبرو کی حفاظت کے لئے یہ حکم ہے۔

قاعدہ ۷۲ شہادت اسی وقت جائز ہے جب وہ ایسے طریقہ سے ہو جس سے علم یا غلبۂ ظن حاصل ہو سکے[1]

علم حاصل ہونے کے ذریعہ چار ہیں عقل۔ حواس پنجگانہ۔ نقل متواتر استدلال۔ ان ذرائع سے اگر یقین ہو جائے تو شہادت جائز ہے۔

قاعدہ ۷۳ وہ مفہوم جو عقل میں آسکے اس مفہوم سے افضل ہے جو منقول ہے (یعنی تعبدی)

نصوص شرعیہ دو قسم کی ہیں معقولی یعنی وہ احکامات جن میں کوئی نہ کوئی علت اور سبب ضرور ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو کسی حکمت کے تحت مقرر فرمایا ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی علت اور وجہ اور حکمت الہی سمجھ سے باہر ہے وہ امر تعبدی کہلاتی ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کون افضل ہے ایک جماعت قسم اول کو افضل قرار دیتی ہے اور ایک جماعت قسم ثانی کو[2]

قاعدہ ۷۴ معاہدہ کی اصل یہ ہے کہ وہ لازم ہوتا ہے[3]

معاہدوں کی دو قسم ہیں لازم معاہدات جیسے نکاح بیع اجارہ۔ دوسرے معاہدات جیسے وکیل بنانا، ثالث بنانا۔ یہ معاہدات لازم نہیں ہیں غیر لازم ہیں اس لئے غیر لازم معاہدوں کیلئے یہ مفہوم بہتر ہے غیر لازم معاہدے حصول مقصد کے لئے کسی ضابطہ کے پابند نہیں ان معاہدوں کو وجہ اور بلا وجہ ہر وقت توڑنا جائز ہے۔

میزان عدل وانصاف

قاعدہ ۷۵ کسی حکم کو ترجیح کثرت دلائل پر نہیں بلکہ قوت دلائل پر

[1] الفروق از قرافی [2] رد المحتار ص۳۱۴ ج۱ [3] الفروق

دی جائیگی ؎۱

یہ ترجیح کا ایک قاعدہ ہے چنانچہ ایک قیاس کو دوسرے قیاس پر۔ مثلاً کسی جانب ایک قیاس ہو اور دوسری جانب دو قیاس ہوں تو دو قیاس کو ایک قیاس پر ترجیح حاصل نہ ہوگی۔

ب - ایک آیت کو دوسری آیت پر ترجیح حاصل نہ ہوگی کیونکہ وحی ہونے میں دونوں برابر ہیں

ج - ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح حاصل نہ ہوگی کیونکہ حدیث ہونے میں دونوں برابر ہیں

د - ایسے ہی دو شہادتوں پر چار شہادتوں کو ترجیح حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ ترجیح قوت کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ مثلاً

۱ - وہ استحسان جو صحیح اثر کی وجہ سے ہے وہ قیاس جلی اور فاسد اثر والے پر مقدم ہوگا۔

۲ - وہ آیت جس کا حکم محکم اور قطعی ہے وہ اس آیت پر مقدم ہوگی جس کا حکم ظنی ہے۔

۳ - وہ حدیث جو متواتر ہے خبر واحد پر مقدم ہوگی اگرچہ وہ بہت ہوں

۴ - ایسے ہی ایک زخم والے پر بہت سے زخم والے کو ترجیح نہ ہوگی اسطرح کہ اس کی دیت زائد اور کامل ہو اور دوسرے کی کم اور ناقص ہو کیونکہ ہر زخم کی علت ایک ہی ہے اور یہ کوئی ایسا وصف نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ترجیح دی جا سکے۔ لیکن اگر ایک زخم دوسرے سے قوی ہے مثلاً کسی کے ہاتھ پر زخم آیا اور کسی کی گردن پر زخم آیا تو گردن والے زخم کو ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ اس زخم سے موت کے امکانات زیادہ روشن ہیں اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے بیان فرمایا ہے۔

؎۱ ماخوذ از حسامی و شرح الحسامی

کثرت دلائل کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی بلکہ قوت
دلائل پر ترجیح دی جائے گی [۱]

غور کرنا چاہیئے کہ آجکل کیا معیار بن گیا ہے اس لئے امن وسکون، عدل و انصاف کس طرح ہو سکتا ہے۔

قاعدہ ۷۵

"ساقط واپس نہیں ہوتا"۔

اس قاعدہ کے تحت بہت مسائل ہیں۔

۱۔ فائتہ نمازوں میں ترتیب دوبارہ واپس نہ ہوگی ہاں اگر بھول ہو گئی تو ترتیب ساقط نہ ہوگی یاد آنے پر پھر برقرار ہو جائے گی

۲۔ چمڑہ جو دھوپ سے دباغت دیا گیا ہے وہ پانی میں گرنے سے پھر ناپاک نہ ہوگا

۳۔ نجس زمین خشک ہو جانے کے بعد پاک ہو جاتی ہے وہ پھر پانی گرنے سے ناپاک نہ ہوگی۔

۴۔ پانی نکالنے کے بعد جب پانی کم رہ جائے تو کنواں زیادہ پانی ہو جانے پر نجس نہ ہوگا۔

قاعدہ ۷۶

"بہت سے مسائل میں سونے والا جاگنے والے کی طرح ہے۔"

یہ قاعدہ حدیث شریف کی ایک استثنائی صورت ہے اور اس میں ۲۵ مسائل ذکر کیئے گئے ہیں۔

۱۔ سوتے ہوئے کے منہ میں اگر پانی کی بوند جا پڑی تو روزہ ٹوٹ جائیگا

۲۔ سونے والی عورت سے اگر جماع کر لیا تو اسکا بھی روزہ ٹوٹ جائیگا

۳۔ سوتے ہوئے محرم کا اگر کسی نے سر مونڈ دیا تو جزا واجب ہوگی۔

---

[۱] نامی شرح الحسامی ص ۲۴۔ معارضہ اور ترجیح کا بیان اصول کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں

۴۔ سوتے ہوئے عرفات سے گذر جانے میں حج ادا ہو جائیگا

۵۔ چارپائی پر سوتا ہوا اگر کسی چیز پر گر پڑے اور وہ ٹوٹ جائے تو اس پر ضمان آئیگا۔

۶۔ اگر کوئی آدمی سوتا ہوا اور اسی حالت میں عورت سے خلوت ہو گئی تو یہ خلوت صحیح نہ ہوگی۔

۷۔ سوتے میں اگر کسی بچہ نے عورت کا دودھ پی لیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی۔

۸۔ اگر کسی نے سوتے ہوئے سے آیت سجدہ سن لی تو سجدہ تلاوت لازم ہوگا

۹۔ مطلقہ رجعیہ عورت سے اگر سوتے ہوئے میں وطی کر لی تو رجعت ہو جائیگی

۱۰۔ اگر کوئی آدمی ایک دو، دن یا اس سے زیادہ سوتا رہے تو نماز کی فرضیت اس سے ساقط نہ ہوگی۔

قاعدہ ۷۷ | واجب کی ادائگی کے بعد جو چیز اس پر زیادہ ہو جائیگی تو کل واجب ہوگی۔

اس قاعدہ میں اختلاف ہے ہمارے علماء نے فرمایا ہے اگر بقدر واجب قرأت پر جتنی زیادہ قرأت زیادہ ہو جائیگی وہ سب واجب شمار ہوگی، رکوع سجدہ تین تسبیحات سے زیادہ جتنا چاہے طویل ہو جائے وہ بھی فرض شمار ہوگا البتہ مسح راس میں اختلاف ہے چوتھائی سر کا مسح فرض اور پورے سر کا سنت قرار دیا جائیگا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ دھونا فرض اور تین تک تکرار غسل سنت ہے، اسی طرح قربانی، زکوۃ، فطرہ، وقوف عرفات نفقہ زوجہ، اور دیگر عنوانات کے تحت متعدد مثالیں موجود ہیں۔

دنیا سے برائیوں کا اخراج

قاعدہ ۷۸ | ہر وہ فعل جو خرابیوں سے پاک ہو مگر خود کسی خرابی

کا سبب بن سکتا ہو ممنوع ہے۔
اس قاعدہ میں دنیا سے بگاڑ اور فساد کو دور کرنے کی تعلیم ہے مثلاً
ا ۔ بلا محرم کے عورت کا سفر کرنا ناجائز ہے تاکہ عورت کی عزت اور آبرو محفوظ رہے۔
ب۔ اجنبی مرد کے ساتھ عورت کو تنہائی سے روکنا تاکہ زنا کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ غرضکہ برائیوں کے سدباب کیلئے یہ قاعدہ کلیہ ہے اس قاعدہ کی دوسرے الفاظ میں اس طرح شرح کی گئی ہے :۔

جب اصل مقصد کا اعتبار جاتا رہے تو وسیلہ کا بھی اعتبار ختم ہو جاتا ہے [۱]

بالفاظ دیگر اسباب مقاصد کے تابع ہوتے ہیں (جیسا کہ گذر چکا ہے) اگر مقصد محمود ہے تو ذرائع بھی محمود اور پسندیدہ اور مقصد مذموم ہیں تو ذرائع بھی مذموم اور ناجائز شمار ہونگے۔ مثلاً شراب پینا حرام ہے اس لئے شراب کو وجود میں لانے کی نیت سے جتنے ذرائع بھی ہونگے سب ناجائز ہونگے
ج ۔ بیع بذات خود جائز اور مباح ہے لیکن جب وہ ادائیگی جمعہ میں رکاوٹ بنے تو وہی صاف ستھری بیع ناجائز ہو جائیگی۔ اسی وجہ سے شریعت نے اذان جمعہ کے بعد بیع کو بیع فاسد اور قابل فسخ قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور اعلام الموقعین میں اس قاعدہ کے تحت بہت عمدہ کلام کیا ہے چنانچہ تحریر فرمایا ہے :۔
ا ۔ ایسا ذریعہ جو خود بھی حرام اور بہت بڑے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہو مثلاً زنا حرام ہے اور نتائج کے اعتبار سے بے انتہا بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے لہذا شریعت نے زنا کے تمام وسائل اور ذرائع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

---

[۱] الفروق از قرافی ص۳۲ ج ۲

۲ - ایسا ذریعہ جو بذات خود مباح ہے مگر اسے کسی بری بات کا ذریعہ بنالیا جائے مثلاً نکاح مباح ہے لیکن حلالہ کی نیت سے کیا جائے جو کرو ہ تحریمی اور گناہ ہے

۳ - کوئی ذریعہ بذات خود مباح ہے لیکن اسکا نتیجہ لامحالہ برائی کو پیدا کرتا ہے جیسے بیوہ عورت کا عدت کے دنوں میں زیب و زینت کرنا۔ اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنا وغیرہ۔

۴ - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہ کو تحفہ قبول کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ انجام کار اس میں سود کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے

۵ - حاکم وقت کو ہدایا اور تحائف قبول کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ انجام کار اس میں ناانصافی پیدا ہو جائے گی یا بیجا قسم کے منافع کا حصول لازم آئیگا۔

۶ - حضرت عثمان غنی رضی نے قرآن پاک کی صرف لغت قریش پر جمع و ترتیب کو باقی رکھا اور باقی طرق کو منسوخ کر دیا تاکہ آئندہ چل کر شدید اختلاف اور تحریف نہ ہو جائے

۷ - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس کو ان برتنوں کے استعمال سے بھی روکدیا تھا جن میں شراب تیار ہوتی تھی تاکہ شراب خوری کی بری عادت پھر عود نہ کر آئے [۱] ملخصاً

---

[۱] اعلام الموقعین حصہ سوم تحت عنوان الوسیلہ

بابُ الاستحسان[1]

عوام وخواص کی سہولت اور راحت کی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کر دینا اور امر مستحسن کو اختیار کر لینے کا نام استحسان[2] ہے کتب اصول میں قیاس خفی کا دوسرا نام استحسان[3] ہے۔ ابو الحسن الکرخی کہتے ہیں کہ کسی وجہ قوی یا ضرورت شدیدہ کی بنا پر مجتہد کسی مسئلہ میں اس کے نظائر کے مثل حکم کرنے سے باز رہے[4]" یعنی قیاس چاہتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں حکم یہ ہونا چاہئے لیکن کسی اثر (آیت یا حدیث یا اثر صحابی) یا اجماع یا ضرورت (کہ جس کو نظر انداز کرنے کی صورت میں انسان حرجِ شدید میں مبتلا ہو جائیں) کے معارض ہونے کی وجہ سے مجتہد وہ حکم دے[5]۔ مثلاً

۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی سونے کے ظروف کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے[6]

ھی لھم فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ[7] — یہ برتن کافروں کے لئے صرف دنیا ہی میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں

---

[1] فقہ کی کتابوں میں اس باب کو مختلف ناموں سے ذکر کیا ہے مثلاً جامع صغیر، شرح طحاوی، ہدایہ میں کتاب الکراہیۃ اور قدوری، ایضاح تحفہ، فتاوی قاضی خاں میں "الحظر والاباحۃ" اور محیط، ذخیرہ، مغنی، کافی وغیرہ میں کتاب الاستحسان کے نام سے ذکر کیا گیا ہے الخ البنایہ ص ۱۹۵ ج ۴۔ [2] فتح القدیر ص ۸۱ ج ۳ [3] الجواہر ص ۱۱۳ ج ۲ [3] قمر الاقمار ص ۲۴۳ [4] ابو زہرہ ص ۲۴۲ [5] ایضاً ص ۲۴۶ ابن رشد کہتے ہیں کہ وہ دلیل کہ جس کا استعمال بکثرت ہو ابن عربی کہتے ہیں کہ استثناء یا رخصت کے طور پر دلیل کو ترک کر دینے کا نام استحسان ہے۔ شمس الائمہ کہتے ہیں کہ ضعیف الاثر کو قیاس اور قوی الاثر کو استحسان یا قیاس مستحسن کہتے ہیں ابو زہرہ [6] مسند امام اعظم ص ۲۰۱ [7] کتاب الآثار محمد ص ۱۴۴

اسی طرح دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے :-

نهی عن الاکل والشرب	آپ نے چاندی سونے کے برتنوں
فی آنیةِ الذهب والفضةِ [۱]	میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے

ان آثار اور احادیث سے ظاہر ہے کہ چاندی سونے کے برتن میں کھانا پینا اور ان کا استعمال مرد کے لئے جائز نہیں ہے لیکن فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ (مفضض) برتن میں پینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پینے والے کا منھ چاندی کی جگہ نہ لگے اور اس حصہ کو ہاتھ سے بھی نہ پکڑے جس جگہ چاندی کا کام ہو رہا ہے امام ابو یوسف اسکو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ امام محمد صاحب ایک روایت میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں وہ امام صاحب کے ساتھ ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح بچ کر استعمال کرنا حقیقةً چاندی کا استعمال نہیں کہلاتا بلکہ اس وقت تو چاندی والا حصہ تابع ہے اور دوسرا حصہ استعمال میں اصل ہے اور اصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ تابع کا۔

۲- یہ کہ بائع اور مشتری میں مقدار ثمن کے متعلق اختلاف ہے لیکن ابھی تک مشتری نے مبیع پر اور بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا بائع زیادتی ثمن کا مدعی ہے لہٰذا بموجب حدیث شریف۔

البینة للمدعی والیمین	گواہ مدعی پر اور قسم منکر
لمن انکر	پر ہے

چنانچہ مشتری سے قسم لی جائے گی کیونکہ وہی زیادتی کا منکر ہے لیکن دلیل استحسان سے یہاں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی کیونکہ ہر ایک ان میں سے مدعی اور مدعا علیہ ہے اس لئے قیاس جلی کو بدلیل استحسان بوجہ حدیث ذیل ترک کرنا پڑے گا۔

---

[۱] الجواہر ص ۱۱۲ ج ۲

اذا اختلف المتبائعان	جبکہ سامان موجود ہو اور بائع و مشتری
والسلعة قائمة تحالفا	میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دونوں کو قسم دی جائے گی۔

۳۔ یہ کہ نسیاناً روزہ کی حالت میں کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا قیاس مقتضی ہے کہ روزہ ٹوٹ جانا چاہیئے لیکن مندرجہ ذیل حدیث کی وجہ سے استحساناً عدم فساد صوم کا حکم دیدیا

من نسئی وھو صائم	جس نے روزہ میں بھول کر کھا پی
فاکل او شرب فلیتم صومہ	لیا وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ
فانما اطعمہ اللہ وسقاہ	اسکو اللہ تعالےٰ نے کھلایا اور پلایا ہے

۴۔ یہ کہ کوئی چیز کاریگر سے بنوائی اور قیمت پیشگی طے کر لی جیسا کہ آج کل بکثرت ہوتا ہے اس میں قیاس تو یہ کہتا ہے کہ یہ معاملہ ناجائز ہونا چاہیئے کیونکہ مبیع معدوم ہے لیکن استحساناً اجماع کی وجہ سے اسکو جائز قرار دیا گیا ہے

۵۔ یہ کہ ناپاک کنویں یا حوض کی دیواریں اور پانی نکالنے والوں کی رسی ڈول، ہاتھ، کنویں میں سے ناپاک پانی کے آخری ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتے ہیں مثلاً جس کنویں کو سینچا جا رہا ہے اور کنواں معین ہونے کی وجہ سے ڈولوں کی تعداد ۳۰۰ مقرر ہے تو جب تک ۲۹۹ ڈول نکلیں گے اس وقت تک سب چیزیں ناپاک، لیکن جب آخری ڈول نکال کر باہر ڈال دیا تو اب کنوئیں کی دیواریں بھی پاک ہو گئیں حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ دیواروں کو پاک نہ ہونا چاہیئے لیکن استحساناً ضرورت شدیدہ اور حرج کیوجہ سے پاک قرار دیا جاتا ہے۔

یہ اور اسی طرح کی بہت مثالیں ہیں جنمیں امام ابو حنیفہؒ نے قیاس استحسانی سے کام لیا ہے اور قیاس جلی کو ترک کر دیا ہے وجہ اور اہمیت قارئین کے سامنے ہے۔ امام صاحب کے استحسان کو یہ اہمیت حاصل تھی: امام محمد فرماتے ہیں آپکے

اصحاب قیاسات میں برابر بحث کرتے رہتے تھے لیکن جب امام صاحب فرماتے "استحسن" تو سب خاموش ہو جاتے [1]۔

الاستحسان تسعة اعشار العلم [2] — استحسان ۹/۱۰ علم ہے۔

امام شافعی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

من استحسن فقد شرع [3] — جس نے استحسان کو اختیار کیا اس نے شرع کو اختیار کیا۔

لیکن اس کے باوجود آج کل کے بعض نام نہاد محدث امام صاحب کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:۔

دلائل شرع کتاب، سنت، اجماع، قیاس ہیں یہ پانچویں حجت استحسان کہاں سے آگئی بلکہ یہ تو امام صاحب کی ہوائے نفس کا نتیجہ [4] ہے (نعوذ باللہ)

اس اعتراض کی حقیقت مذکورہ چند مثالوں سے بخوبی واضح ہے لہٰذا اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب کوئی سوئے فہمی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ایسے ہی کہا کرتا ہے۔

---

[1] ابو زہرہ ص۳۴۲ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

عرفِ عام

جیسا کہ استحسان کے اقسام میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ "استحسانی صورت کبھی ضرورت کی وجہ سے بھی اختیار کی جاتی ہے"۔ اس سے اگرچہ ایک حد تک حنفی دستور کی انسانی ضروریات اور معاملات میں دور اندیشی اور خیر اندیشی کی طرف اشارہ ہو گیا ہے مگر اس جگہ مزید وضاحت کیلئے ہم یہ بات اور صاف کر دینا چاہتے ہیں کہ حنفی دستور انسانیت کی بہت بڑی خدمت کرتا ہے اس کا دامن انسانی کمزوریوں کو دیکھ کر تنگ نہیں ہوتا بلکہ وہ مجبوریوں اور ضرورتوں کے پیش نظر دراز تر ہو جاتا ہے اور رب العالمین کی ربوبیت اور رحمۃ للعالمین کی رحمت کا جس قدر اس سے مظاہرہ ہو سکتا ہے کرتا ہے۔

عرف (شہری یا ملکی رسم و رواج) یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے یکلخت علیحدہ بھی نہیں ہوا جا سکتا اس لئے اسلام نے اس کی مناسب اصلاح کر کے (اگر ضرورت ہوتی ہے) تو لوگوں کو اس سے نہیں روکتا اسلام تو ان ہی معاملات اور رسم و رواج سے روکتا ہے جس کے ڈانڈے کفر یا شرک بدعت سے جا ملتے ہیں یا جا ملنے کا امکان ہو یا جس سے آئندہ کے لئے انسانیت کی کوئی تخریب نظر آتی ہو لیکن جہاں ایسا نہیں ہے وہاں شارع علیہ السلام نے صاف کہدیا ہے۔

انتم اعلم بامور دنیاکم — تم اپنے دنیوی معاملات میں زیادہ واقف ہو۔

لہذا ایک سیرت اور فقہ کا مطالعہ کرنے والا طالب علم "بیع السلم" (بدھنی) کو دیکھے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے باوجود زمانہ جاہلیت کی بیع ہونے کے اسکو

جائز ہی رکھا جب کہ اس کے مقابل بیع منابذہ، مخابرہ، ملامسہ کو ناجائز قرار دیدیا کیونکہ اس میں انسانی سوسائٹی کی عیاناً تخریب نظر آتی ہے لیکن جہاں ایسا نہیں ہے وہاں ارشاد ربانی ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ الآیۃ	تمہارے اوپر دین میں تنگی نہیں ہے

حدیث شریف میں وارد ہے

وما راٰہ المسلمون[1] حسناً فھو عند اللہ حسن۔	جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی چیز ہے۔

اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رح نے شہروں اور ملکوں کے رسم ورواج کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ یہ کہدیا:۔

الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی[2]	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ گویا دلیل شرعی ہی سے ثابت ہے۔

مبسوط سرخسی میں ہے

الثابت بالعرف کالثابت بالنص	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ مثل نص کے ہے۔

لیکن امام صاحب نے اس کے مراتب مقرر فرما دئے ہیں سہیل بن مزاحم کہتے ہیں

کلام ابی حنیفۃ اخذ بالثقۃ وفرار من القبح والنظر فی معاملات الناس وما استقاموا علیہ وصلحت علیہ امورھم یمضی الامور علی القیاس فاذا قبح القیاس یمضیھا	امام صاحب کا کلام ثقہ کو اختیار قبیح کو ترک لوگوں کے معاملات میں غور کرنا ہے جب تک امور کی اصلاح اور استقامت رہے گی تو امور کو قیاس پر پیش کیا جائیگا اس کے بعد استحسان پر اور جب کوئی بھی چارۂ کار نہ رہے گا تو تعامل کی

---

[1] لفظ مسلم کے معنی پیش نظر رہنا ضروری ہیں [2] ابوزہرہ ط ۳۵

علی استحسان مادام یفضی لہ فاذا لمریفض رجع الی ما یتعامل المسلمون[1] | طرف رجوع کیا جائے گا۔

اس تشریح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب معاملات میں کوئی دلیل نصوص شرعیہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس، استحسان سے نہ مل سکے تو عرف کو دلیل مان لیا جائیگا گویا کہ منجملہ طرق استنباط کے عرف بھی مصدر استنباط اور استدلال ہے چنانچہ علماء کا ارشاد ہے۔

انہ دلیل حیث لایوجد دلیل شرعی[2] | جہاں کوئی دلیل شرعی نہ ہو وہاں عرف دلیل ہے

عرف کیا ہے

ان تمہیدی کلمات کے بعد عرف کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں عرف کی دو قسم ہیں عرف عام اور عرف خاص. عرف عام تو وہ ہے جو تمام شہروں یا پورے ملک میں رائج ہو اور عرف خاص وہ ہے جو بعض شہروں میں ہو بعض میں نہ ہو چنانچہ اس تقسیم کے تحت عرف کے احکام میں فرق ہے فقہاء نے عرف عام کا اعتبار کیا ہے لیکن عرف خاص کے بارے میں اختلاف ہے علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں

فان العرف العام یصلح مخصصا ویترک بہ القیاس[3] | عرف عام مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا جائیگا۔

چنانچہ فقہ کی کتابوں میں استصناع (کوئی چیز بنوانا) کے جواز کا مدار اسی عرف پر ہے ورنہ قیاس تو اس کے ناجائز ہونے کو کہتا ہے۔

اور عرف خاص وہ ہے جو کسی خاص طبقہ یا شہر کا ہو عمومیت اس میں موجود نہ ہو اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

---

[1] ابوزہرہ ص۳۵ [2] ابوزہرہ ص ۔ [3] رد المختار

والخاص یترک بہ القیاس | عرف خاص کے مقابلے میں قیاس
الظنی [1] | ظنی کو ترک کر دیا جائیگا

اس مختصر تعارف کے بعد عرف کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں

۱۔ اگر کسی شہر میں مختلف قسم کے سکے رائج ہوں مثلاً روپیہ ہی کو لے لیجئے کہ ہمارے یہاں اس وقت روپیہ کی صورت میں مخصوص دھات کا سکہ بھی رائج ہے اور روپیہ کا نوٹ بھی جاری ہے یا نئے پیسے اور پرانے پیسے دونوں جاری ہیں اگر کوئی آدمی پیسوں کے عوض کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور یہ متعین نہیں کرتا کہ کون سے پیسے مراد ہونگے تو اغلب کو دیکھا جائیگا اور اغلب میں نئے پیسے رائج ہیں لہذا نئے پیسے مقرر ہو جائیں گے صاحب ہدایہ نے اس کے متعلق فرمایا ہے :۔

لانہ ھو المتعارف | اس لئے کہ یہی متعارف ہیں۔

۲۔ اگر کسی شہر میں اشیاء زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کے ادھار پر فروخت ہوتی ہوں اور کوئی آدمی کوئی چیز ادھار خرید لے اور تشریح نہ کرے تو یہی ایک ہفتہ مراد ہوگا اس لئے کہ :۔

المعروف کالمشروط | معروف مشروط کے برابر ہے

۳۔ ہمارے یہاں اسلامیہ مدارس میں مدرسین کو ملازم رکھا جاتا ہے لیکن بعض دفعہ ایام تعطیل کی وضاحت نہیں کی جاتی، لیکن عرف یہ ہے کہ جمعہ عیدین، عاشورہ اور رمضان کی چھٹی ہوتی ہے تو مدرس کی یہ چھٹیاں بلا ذکر کئے اسی عرف کی بناء پر متعین ہو جائیں گی [3]

۴۔ اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا لیکن اس نے مچھلی کا گوشت کھا لیا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اگرچہ قرآن پاک میں مچھلی کے گوشت کو لحماً طریا فرمایا گیا ہے لیکن عرفاً اسکو گوشت نہیں کہا جاتا [4]

---

[1] ابوزہرہ ص ۲۵۵ [2] الاشباہ ص ۳۹ [3] ایضاً ۳۸ [4] ایضاً

۵۔ ہمارا عرف یہ ہے کہ شادی میں لڑکی کو جو جہیز دیا جاتا ہے وہ عاریۃً نہیں دیا جاتا بلکہ لڑکی کو مالک بنا دیا جاتا ہے لہذا لڑکی کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی۔

۶۔ اسی طرح علامہ ابن عابدین نے وقف پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

لانہ یتکلم فی عرفہ	واقف کلام عرفی میں بات کرتا ہے

اس لئے وہ جو کچھ کہہ دے اس کا اعتبار کیا جائیگا اور اسی درجہ میں اعتبار ہوگا جس درجہ میں شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی نص کا ہوتا ہے [۱]

غرضکہ ان چند مثالوں سے عرف کی حیثیت بخوبی واضح ہوگئی مزید مثالوں کے لئے الاشباہ اور دوسری کتابوں کیطرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

عرف کی اسی اہمیت کے پیش نظر ایک مفتی کے لئے لازم قرار دیدیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے عرف سے پورے طور پر واقف ہو اگر ایسا نہیں ہے تو اسکو فتویٰ دینے کا حق نہیں [۲] ہے کیونکہ فقہاء کے اقوال اختلاف زمان وعرف کی وجہ سے بدلتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ معاملات میں حضرت امام اعظم اور انکے شاگردوں کا بہت کافی اختلاف موجود ہے کیونکہ امام صاحب کے زمانے میں جو عرف تھا صاحبین کے زمانے میں وہ باقی نہیں رہا بلکہ دوسرا ہوگیا، فقہاء نے بیان فرمایا ہے

لابد من معرفۃ عادات	مجتہد کے لئے لوگوں کی عادات
الناس فکثیر من الاحکام	سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ
تختلف باختلاف الزمان	بہت سے احکام اختلاف زمان
لتغیر عرف اھلہ [۳]	کی وجہ سے مختلف ہوجاتے ہیں کیونکہ
	عرف بدل جاتا ہے

---

[۱] رد المحتار ص ۴۲۹ ج ۲ [۲] ابوزہرہ ص ۲۵۵ [۳] ایضاً

اسی وجہ سے فقہاء کے اقوال کو بھی نص شارع کا درجہ حاصل ہوتا ہے

اقوال الفقہاء نصوص	فہم و دلالت میں اقوال فقہاء
کنص الشارع یعنی فی الفہم	شارع علیہ السلام کی نص کیطرح
والدلالۃ ولا فی وجوب	ہوتے ہیں نہ کہ وجوب عمل میں
العمل [1]	

کیونکہ ان کے اقوال میں شریعت کے ساتھ اپنے زمانے کا عرف بھی موجود ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک فقیہ جب تاریخ اور سیرت کو مدوّن کریگا یا احادیث نبویہ کی شرح لکھے گا تو وہ زیادہ باوقعت ہوگی بہ نسبت غیر کے کیونکہ فقیہ کا اخذ و ترتیت اور تدوین شریعت کے مالہ و ماعلیہ پر تو مشتمل ہوگی ساتھ ہی اپنے دامن میں اس زمانہ کی معاشرت اور عادات الناس کو بھی سمیٹے ہوگی

فقہاء احناف نے عرف کو دلیل شرعی مان کر اپنی اعلیٰ ترین بالغ النظری کا ثبوت دیا ہے اور عالم انسانیت کی عظیم ترین خدمت انجام دی ہے

گر مدعی داد حسد سے نہ دے، نہ دے

غالباً یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ معترضین جب ان حقائق پر مطلع نہ ہو سکے تو انہوں نے فقہائے احناف کو اہل الرائے کے خطاب سے نوازا اور ان کے فقہ کو قیاسات کا مجموعہ قرار دیا لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے جیساکہ اس سوانح حیات کے مختلف ابواب سے ثابت ہو چکا ہے

لوگوں کے عادات اور عرف کا لحاظ رکھنا اگر اس پر وسعت نظر سے کام لیا جائے اور سیرت پاک کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر لوگوں کی معاشرت اور عادات کا خیال رکھا ہے وفود کے ابواب میں اس قسم کی سینکڑوں

---

[1] رد المحتار صفحہ ۲۴۹ ج ۲

مثالیں نظر سے گذرتی ہیں۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے قواعد کلیہ کو اسی وجہ سے ذکر کیا ہے ان کے ذریعہ سے مسائل کا استنباط اگرچہ بظاہر قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن وہ ایسا قیاس ہے کہ اس کی بنیاد کسی نص پر قائم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

مرجوعاتِ ابی حنیفہ رح

مآخذ و حوالہ جات

۱	البدائع	از علامہ کاشانی
۲	فتح القدیر	از امام ابن ہمام
۳	ہدایہ	از امام کمال الدین
۴	در مختار	از علامہ علاؤ الدین
۵	الاشباہ	از ابن نجیم

مرجوعاتِ ابی حنیفہ

یہ امر مسلم ہے کہ انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے چنانچہ سائنس دانوں نے زمین و آسمان اور خلا، عدم خلا نیز اجرام فلکیہ کے متعلق جو رائے اب سے چند سال پہلے ظاہر کی تھی وہ اب نہیں ہے اسی طرح مسند افتار پر کام کرنے والوں کے متعلق عوارضات پیش آتے رہتے ہیں جنکی وجہ سے انہیں اپنے آراء اور فتاوی کو بدلنا پڑتا ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اب سے چند سال پیشتر فرنگیوں کے ابتدائے دور حکومت میں انکی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انگریزی تعلیم حاصل کرنا حرام تھا لیکن بعد میں جائز قرار دیدیا گیا ایسے ہی تحریک آزادی اور ترک موالات کے ایام میں سرکاری ملازمتوں کو حرام قرار دیدیا گیا تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کرلیا گیا ایسے ہی شاہی دور حکومت میں اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ کرنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کرلیا گیا۔ ایسے ہی پہلے لاؤڈ اسپیکر پر اذان، نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کرلیا۔ پہلے ریڈیو کی خبر پر رویت ہلال تسلیم نہیں کیجاتی تھی مگر اب تسلیم کرنے لگے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کیا کیا تبدیلیاں ہوں۔

ان تمام چیزوں کا پس منظر اگر ملاحظہ فرمایا جائیگا تو چند چیزیں سامنے آئینگی (۱) بدلتے ہوئے حالات (۲) بدلتے ہوئے عادات (عرف) (۳) علوم نبوت کی معلومات میں اضافہ (۴) ضروریات انسانیہ دحوائج اور عموم بلوی وغیرذلک

ان ہی چیزوں سے امام صاحب کو بھی واسطہ پڑا، پھر تدوین فقہ کا کام ایک دن کا تو تھا نہیں کہ جس کا نزول یکبارگی ہوجاتا بلکہ برسوں جاری رہا

اور اسی کام کے ساتھ تتبع و تلاش جدوجہد کی وجہ سے معلومات روایات واصول شرعیہ میں بھی اضافہ ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ حالات اور عادات انسانیہ میں بھی تبدیلی ہوئی جس کی وجہ سے امام صاحب سے مختلف مسائل میں متعدد اقوال مروی ہیں اور امام شافعی صاحب کا تو یہ عالم ہے کہ ان کا پورا فقہ دو قول (قول جدید اور قول قدیم) سے بھرا پڑا ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے

سطور ذیل میں ایک نقشہ کے ذریعہ حضرت امام اعظم کے مرجوعات کے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ تمام مرجوعات کا احصا میرے حد امکان سے باہر رہا ہے تاہم جو کچھ بھی ہے حاضر ہے ان مرجوعات سے جہاں امام صاحب کے ارتقائے حیات، زہد و تقویٰ اور محتاط روی کا اندازہ ہوگا وہاں میرے معاصرین اور آنے والے اہل افتاء کے لئے بھی راہ کھلے گی اور اس سے روشنی پائیں گے اور روایت مرجوع پر فتویٰ دینے سے محفوظ رہیں گے. انشاء اللہ

وما توفیقی الا باللہ والیہ انیب

فہرست مرجوعاتِ ابی حنیفہ

نمبر شمار	عنوان	اقوال قدیم	ما رجع الیہ	کس کے قول کیطرف رجوع کیا	الماخذ
	طہارت	ربع داڑھی کا مسح واجب	کل داڑھی کا غسل واجب	امام محمد صاحب	البدائع و فتح القدیر
۱		جراب پر مسح جائز نہیں	جائز ہے	صاحبین	؍؍ ؍؍
۲	؍؍	جبیرہ پر مسح مستحب	واجب	چنانچہ مرض وفات میں خود بھی مسح کیا	الدر المختار و خلاصہ
۳ ۴	؍؍ ؍؍	نبیذ تمر سے وضو جائز ہے	جائز نہیں تیمم کرنا چاہیئے	صاحبین	فتح القدیر، البدائع و فتح القدیر
۵	صلوٰۃ	فارسی میں قرأۃ جائز ہے	جائز نہیں ہے	صاحبین	ہدایہ
۶	؍؍	میت کی ام ولد اس کو غسل دے سکتی ہے	نہیں دے سکتی	امام زفر	البدائع
۷	زکوٰۃ	مضارب سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے	نہیں لے سکتا	صاحبین	ہدایہ
۸	؍؍	عبد ماذون سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے	؍؍ ؍؍	؍؍	فتح القدیر
۹	صوم	مکرہ علی الجماع پر قضا اور کفارہ ہے	صرف قضا ہے	صاحبین	فتح القدیر
۱۰	؍؍	صوم یوم نحر کی نذر منعقد ہوجائیگی لیکن کفارہ نہیں ہوگا	کفارہ ہوگا	وفات سے ۷ دن پیشتر رجوع کیا	؍؍
۱۱	طلاق	انکار حمل سے لعان نہیں	لعان ہے بشرطیکہ مدت وضع حمل ۶ مہینے سے کم ہو	امام محمد صاحب	فتح القدیر
۱۲	یمین	کسی نے قسم کھائی کہ سری نہ کھائیگا تو اسکا اطلاق گائے اور بکری کی سری پر ہوگا	صرف بکری کے سر پر ہوگا. یہ اختلاف زمان کیوجہ سے ہوا اب بھی عرف کو دیکھا جائے گا	صاحبین	فتح القدیر

نمبر شمار	عنوان	اقوال قدیم	ما رجع الیہ	کس کے قول کی طرف رجوع کیا	ماخذ
۱۳	عتق	اگر اس باپ نے (غلام) کو خریدا اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ادا نہ ہوگا	کفارہ ادا ہو جائیگا	صاحبین	ہدایہ
۱۴	حد	مکرہ پر حد زنا جاری ہوگی	جاری نہ ہوگی	صاحبین	البدائع
۱۵	"	اگر کسی پر چار گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے فلاں غائبہ سے زنا کیا ہے تو حد زنا جاری نہ ہوگی۔	جاری ہوگی	"	فتح القدیر
۱۶	"	حربی جو امن لیکر دار الاسلام میں آیا اور اسنے کسی مسلمان پر قذف کیا تو اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی	"	"	ہدایہ
۱۷	"	دو آدمیوں نے چوری کی اور اس پر شہادت قائم ہو گئی لیکن ایک غائب تھا تو دوسرے آدمی پر حد سرقہ جاری نہ ہوگی۔	"	"	فتح القدیر
۱۸	حج	صدقہ نفلی حج سے افضل ہے	حج افضل ہے	"	الاشباہ
۱۹	مضاربت	اگر راس المال میں اختلاف ہو تو قول رب المال کا معتبر ہے	مضارب کا معتبر ہے	"	ہدایہ
۲۰	اجارہ	اجرت کا مستحق منزل مقصود پر پہنچانے کے بعد ہوگا۔	ہر منزل پر ہوگا	"	"
۲۱	بیع	بیع مالم یرہ میں بائع کا اختیار باقی رہتا ہے	ختم ہو جاتا ہے	"	"

تلاش بسیار کے بعد یہ چند مرجوعات پیش ہیں کل کا احصار میری قدرت سے باہر ہے اگر اور بھی ہوں تو اس سے انکار نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نہم

افکار ــــــ اور ــــــ آرا

مآخذ و حوالہ جات

۱	فقہ الاسلام	از ڈاکٹر سید حسین احمد الخطیب
۲	صدق جدید	از مولانا عبدالماجد دریا آبادی
۳	چٹان لاہور	از شورش کاشمیری
۴	مکتوبات	از حضرت مجدد الف ثانی
۵	اوشعہ	از علامہ شوق نیموی
۶	مرقاۃ	از ملا علی قاری
۷	فیوض الحرمین	از شاہ ولی اللہ صاحب

کیا ـــــــ کہتے ہیں؟

خراج عقیدت کے باب کے تحت ہم نے چند آرار کو بیان کیا ہے اس جگہ صرف مستشرقین اور جدید علمار کے افکار اور آرار کو پیش کیا جارہا ہے۔ ان حضرات نے شریعت اسلامیہ اور دستور اسلامی کے مطالعہ کے بعد کیا تاثر لیا ہے اور اس کا اظہار کس طرح کیا ہے اس کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

ان افکار و آرار کے دریافت کرنے کے لئے مجھے بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑی ہے اور بڑی تلاش اور جستجو کو کام میں لانا پڑا ہے تاہم میرا یہ کام ایک مصری عالم کی جدید تالیف نے بہت زیادہ سہل کردیا جس کے لئے میں مصنف اور اس کتاب کے ناشر کا شکریہ ادا کرتا ہوں

آج کل مغربی علمار اور مستشرقین مشرقی علوم و فنون خصوصًا اسلامیات کے بارے میں بہت توجہ دے رہے ہیں خصوصًا میکگل یونیورسٹی کے پرنسپل ڈاکٹر اسمتھ کو اس سے بہت زیادہ دلچسپی ہے حال ہی میں ۱۹ فروری ۶۴ء کو نئی دلی میں مستشرقین کی کانفرنس بھی ہوئی تھی جن میں سے بیشتر حضرات نے اسلامیات کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا، اس جگہ ہم انصاف پسند مغربی اور مشرقی اہل قانون کے تاثرات کو ذکر کرتے ہیں۔

پروفیسر لامبیر مشہور فرانسیسی محقق پروفیسر لامبیر کہتا ہے

(۱) جو کتابیں اسلامی شریعت کے بارے میں لکھی گئی ہیں، وہ غیر فانی خزانہ اور لازوال سرچشمہ ہیں۔

(۲) قرون وسطیٰ میں اسلامی شریعت سے مسیحی تمدن نے مدد حاصل کی ہے اور اس کے عام اصولوں کو اخذ کیا ہے لہٰذا موجودہ تہذیب و تمدن کی نشوونما میں

یونانی اور رومی تمدن کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت اور اس کے تمدن نے بھی بہت حصہ لیا ہے ۱؎

ڈاکٹر اتریکو انسابا اسلامی شریعت کو اپنے بہت سے مسائل میں مغربی قوانین پر فوقیت حاصل ہے بلکہ وہ دنیا کو سب سے زیادہ مستحکم اور پائیدار اصول عطا کرتی ہے ۲؎

پروفیسر ہیوار کاز آپ نے مشورہ دیا ہے کہ اسلامی شریعت کے اصول اور مبادیات کو اختیار کیا جائے ۳؎

ان کے علاوہ جرمنی کے ایک مشہور پروفیسر نے ہدایہ کا ترجمہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ جس کا ترجمہ اتنا اعلیٰ ہے وہ اصل کتاب اور اس کے مصنف کتنے بلند پائے کے ہونگے۔

ڈاکٹر سانتیلانا ایک مشہور مستشرق فرماتے ہیں کہ اگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلامی فقہ تمام انسانیت کے لئے کافی ہے تو کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اسلامی مسلمانوں کے دیوانی قانون کے لئے بہت کافی ہے

ڈاکٹر سلیم باز جو آپ لبنان کے عیسائی عالم ہیں اور احکام الشرعیہ کے شارح بھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلامی فقہ کے ذریعہ انسان کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں خواہ وہ کاروباری معاملات ہوں یا دوسرے مقدمات ہوں سب کا حل اسی میں موجود ہے۔ فقہ اسلامی کی کتب کا ذخیرہ نہ صرف مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے بلکہ ہالینڈ کے شہر لیڈن، روم، برلن، پیرس، برٹش میوزیم نیز ویٹیکن محل میں بھی پایۂ اعظم کے کتب خانہ میں فقہ اسلامی کی کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ موجود ہے ان کتب خانوں میں جو کتابیں ہیں وہ ہزاروں علمائے اسلام کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہیں کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ اس بات کا زبردست ثبوت

۱؎ فقہ الاسلام ماخوذ مجلہ الازہر ص۶۹ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً صدق جدید

ہے کہ اسلامی شریعت میں انسان کی تمام ضروریات اور مسائل واحکام کا حل موجود ہے اور ہر معاملہ میں کسی نہ کسی فقیہہ اور عالم کا قول ان کتابوں میں مل جاتا ہے[1]

پروفیسر دمبری ایک ترک ادیب کو مخاطب کرتے ہوئے پروفیسر دمبری نے کہا کہ تمہارا فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے کیوں نہیں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانونی نظام، فقہ اسلامی سے اخذ کیا[2]

پروفیسر ہوکنگ آپ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں فرماتے ہیں میں اپنے آپ کو حق وصداقت پر محسوس کرتا ہوں جب میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول اور مبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہیں

ڈاکٹر عبدالرزاق آپ سابق پرنسپل قانونی کالج مصر ہیں۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ہم جدید انداز کے مطابق اسلامی شریعت کے بارے میں تحقیقات کریں اور اس کا مغربی قوانین سے موازنہ کریں میں آپ سے یہ بات دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو اسلامی شریعت میں ایسے اصول مل جائیں گے جو اپنی وضع و ترتیب میں مغربی قوانین کے جدید ترین اصول اور نظریات سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام ذہبی مصر کے مشہور قانون داں اور مصر کی مخلوط اپیل کورٹ کے سابق مشیر فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں معاملات کے بارے میں نہایت مہذب اور دقیق اصول موجود ہیں۔ معاملات پر اس کے احکامات اس قدر زوردار ہیں اور اعلیٰ درجے کے ہیں کہ وہ علم قانون کے سنگ بنیاد کی حیثیت سے جدید قوانین کے معیار پر پورے اترتے ہیں[3]

یہ چند رائیں اپنے اور پرائے جدید مفکرین کی پیش ہیں ان کے پڑھنے کے

---

[1] فقہ الاسلام ص۶۹ [2] ایضاً [3] ایضاً

بعد آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں، وہ حضرات (مثلاً ڈاکٹر محمد علی کریم چھاگلہ) جو اسلامی پرسنل لا میں ترمیم کے قائل ہیں اور اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں کہاں تک حق بجانب ہیں [۱]

وان کریمر ایک جرمنی قانون داں کہتا ہے۔ "امام ابوحنیفہ ہر آنیوالے زمانے کے عظیم ترین قانون سازوں میں سے ایک ہیں [۲]

چند اپنے حضرات

جدید مسلمان مفکرین اور غیر مسلم مستشرقین کے افکار و آرا پیش کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اپنے حضرات کے افکار و خیالات سے آگاہ کر دیا جائے کیونکہ اس صورت میں اپنے حضرات کے افکار و تاثرات کی قیمت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور بات عقیدے کے دائرے سے نکل کر حقیقت بنجاتی ہے

علامہ کرمانی آپ بخاری شریف کے شارح ہیں۔ آپ نے بخاری شریف کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس کے مقلد نہ ہوئے ہوتے۔ ہمارے زمانے تک جس کو امام صاحب سے تقریباً چار سو سال ہوتے ہیں ان کے فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے اس میں اس کی صحت کی دلیل ہے [۳]

دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی تعداد ظاہر کرتے ہوئے ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے :-

---

[۱] نقد الاسلام ص۵۶۷ [۲] چٹان دسمبر ۶۳ء ص۱۳ [۳] ایضاً

"کل مسلمانوں میں حنفیہ کی تعداد دو ثلث ہے [1]"

مذہب حنفی کی اس مقبولیت اور اشاعت کے متعلق مضمون کی مناسبت سے اس جگہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے:

کتاب مسالک الممالک میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ واثق باللہ عباسی نے چاہا کہ سد سکندری کا حال معلوم کرے چنانچہ اس نے اس کے لئے ۲۲۸ھ میں سلام نامی کو جو چند زبانوں کا ماہر تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان رسد دیکر روانہ کیا یہ لوگ بلاد آرمینیہ، سامرہ، ترخان سے گزر کر ایسی سرزمین میں پہونچے جہاں سخت بدبو نکلتی تھی پھر دو روز چل کر ایسی سرزمین میں پہونچے جہاں ان کو ایک پہاڑ نظر آیا وہاں ایک قلعہ بھی تھا اور کچھ لوگ اس میں تھے مگر آس پاس آبادکاری کے نشانات نہ تھے ۲۷ منزل وہاں سے آگے اور طے کیں اور ایک قلعہ پر پہونچے جہاں سے ایک پہاڑ قریب تھا اور اس کی گھاٹیوں میں سد یاجوج ماجوج تھی اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم تھیں مگر صحرا اور متفرق مکانات بہت تھے۔ سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے وہ سب مسلمان تھے ان کا مذہب حنفی تھا زبان عربی اور فارسی بولتے تھے [2]

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت مجدد صاحب حنفی المسلک ہیں آپ جابجا اپنے مکتوبات میں حنفی مسلک کی توصیف کرتے ہیں آپ کا ایک مکتوب ہم گذشتہ ابواب میں نقل کر چکے ہیں یہاں ایک دوسرے مکتوب کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے

"مسئلہ توحید میں سراج الامۃ رئیس الموحدین امام ابوحنیفہ کا نظریہ نہایت بلند اور روشن سلجھا ہوا ہے، ان کا ہر مسئلہ شرک کی رگِ جاں پر ایک کاری ضرب کا کام دیتا ہے الخ حنفی مذہب نے شرک کے تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے

---

[1] مرقاۃ صفحہ ۲۱ ج ۲ [2] انوار الباری صفحہ ۱۵۷ ج ۱

امام صاحب نے توحید کے مسائل جن کا ذکر کتب فقہ میں موجود ہے نہایت وضاحت اور صفائی سے بیان کیا ہے بلکہ شرک کے تمام چور دروازے بند کردیئے ہیں [1]

حضرت شاہ ولی اللہؒ شاہ صاحب فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدوّن کیا گیا بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانہ میں [2]

---

[1] چٹان جنوری ۱۹۶۳ء [2] فیوض الحرمین ص ۱۳۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؏

باب دہم

امام ابوحنیفہ اور علم الکلام

مآخذ اور حوالہ جات

۱۔ معجم المصنفین — از علامہ ابن ابی الوفاء
۲۔ ابو حنیفہ — از ابو زہرہ مصری
۳۔ مہر انور — از مولانا وکیل احمد صاحب بلند شہری
۴۔ فتح الباری — از علامہ ابن حجر

امام صاحبؒ اور علم الکلام

علم کلام کو علم عقائد، اصول دین، فقہ اکبر، علم التوحید والصفات، علم الاستدلال وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے۱؎۔ اسماء کے اعتبار سے تعریف لفظی میں اگرچہ کچھ تغیر ہو تو ہو لیکن تعریف معنوی میں سب کا اتفاق ہے۔

وھو علم یقتدر معہ علی	وہ ایک علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے
اثبات العقائد الدینیہ	دوسروں پر عقائد دینیہ کو مدلل طور
علی الغیر بایراد الحجج و	پر ثابت کیا جاتا ہے اور شبہات کا
دفعہ الشبہ ۲؎	ازالہ کیا جاتا ہے

جہاں تک اصول دین وایمان کے اثبات اور کفر وشرک کے رد کا تعلق ہے قرآن پاک اور احادیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہے اس میں ہر چیز کو مدلل ثابت کیا ہے، کیونکہ کوئی دعوت دلیل سے خالی نہیں ہوتی۔ داعی جب کسی چیز کی طرف بلاتا ہے تو اپنی دعوت اور پیغام کے محاسن کو پیش کرتا ہے اور اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

حضرات صحابہؓ کا زمانہ وہ مقدس زمانہ ہے کہ جس میں جزوی چیزوں میں اختلاف اقوال کے باوجود اصول دین اور عقائد دین میں فنی باریکیاں پیدا نہیں ہوئیں تھیں لیکن جب حضرات تابعینؒ کا زمانہ شروع ہوا اور بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی اس وقت اس علم کو ایک فن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اور حضرت امام اعظمؒ کے انتقال کے بعد تو یہ فن معراج کمال پر پہونچ گیا اور فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کا مجموعہ بن گیا کیونکہ خلیفہ منصور کے زمانہ میں فلسفہ یونان کو عربی زبان میں منتقل

۱؎ معجم المصنفین ص ۱۱ ج ۱ ۲؎ ایضاً ص ۱۷ ج ۱ ۳؎ مثلاً سماع موتی، معراج منامی وجسدی وغیرہ

کر دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ تبع تابعین کے زمانہ کے مولفات علم کلام میں فلسفیوں کے اصطلات بالذات بالعرض وغیرہ بکثرت ملتے ہیں "

الحاصل علم کلام عہد تابعین میں ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا تھا چنانچہ اس زمانے میں اس علم شریف کے ماہرین موجود تھے جنہوں نے اس علم کی بڑی خدمت کی اور کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ مورخین کی تحقیق کے مطابق شیخ اشعری اسکے مؤلف اور مدون اول ہیں ویسے اس فن کا وجود مذہبی گروہ بندی کی وجہ سے عمل میں آیا ہے [1]

اس جگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ فروعات دین میں تو اختلاف کچھ بعید از قیاس نہیں ہے لیکن اصول دین خصوصاً ایمان اور لوازمات ایمان میں اسلام میں بہت زیادہ فرقے پیدا ہو گئے آخر ایسا کیوں ہوا؟ اسکا جواب علماء نے دیا ہے کہ گروہ بندی اور فرقہ سازی کی بنیادیں، خواہشات اور اتباع نفس پر قائم ہوتی ہیں ورنہ اختلاف آراء مذموم نہیں، لیکن اگر اختلاف رائے کو بغض وحسد اور شقاق ونفاق اور ضد وعناد کا سہارا مل جائے گا تو یہیں سے تفریق کی راہیں پیدا ہو جائیں گی اور فرقوں اور جتھوں کا وجود عمل میں آنے لگے گا۔ اسی سے قرآن پاک نے روکا ہے

اقیموا الصلوٰۃ ولا تتفرقوا دین کو قائم کرو اور تفریق پیدا نہ کرو

تاریخ اسلام میں حضرات شیخین کے زمانہ خلافت کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ ایسا سانحہ تھا جہاں سے اختلافات شروع ہو گئے، اور مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ جنگ صفین اور جنگ جمل جیسے سنگین واقعات نے جنم لے لیا، اسی سیاسی اختلاف نے بڑھتے بڑھتے فرقہ بندی کا روپ اختیار کر لیا، چنانچہ فرقہ شیعہ وہ سب سے پہلا فرقہ ہے جس نے اہل حق سے کٹ کر اپنا جدا دین بنا لیا اور اس کے اصول اپنی مرضی سے گھڑے۔ بسطور ذیل

---

[1] مثلاً سماع موتیٰ، معراج منامی وجسدی وغیرہ ص ۱۱۱ ج ۱

میں ہم ان باطل فرقوں کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں۔ جو حضرت امام اعظم رح کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے اور جن کے متبعین سے امام صاحب کا واسطہ پڑتا رہا اور بسا اوقات مناظرہ تک کی نوبت آگئی۔

فرق باطلہ

(۱) شیعہ ان کی بائیس شاخیں ہیں۔ ابتدا میں انکو سیاسی اختلاف تھا جس کے بعد میں مذہبی صورت اختیار کرلی تھی حضرت علی رض کی امامت کو نصًا اور وصیتہً کہتے ہیں عام ازیں کہ جلی ہو یا خفی۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت حضرت علی رض کی اولاد میں رہے گی اور اگر ان سے نکلی تو کسی کے ظلم سے یا انکے تقیہ سے نکلے گی یہ لوگ امامت کو قضیہ اصولیہ جانتے ہیں جو رکن دین ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی (نعوذ باللہ) اس کا ترک جائز نہیں ہے[1] یہ اپنے امام کو صغیرہ وکبیرہ سے معصوم مانتے ہیں[2] ان میں ایک فرقہ غالیہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حقیقتہً نبوت حضرت علی رض کے لئے تھی، غلطی سے حضرت جبرئیل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتار دی ان میں سے بعض حضرت علی رض کو اِلٰہ یعنی خدا مانتے ہیں[3]

شیعوں کے چند فرقے یہ ہیں (۱) سبئیہ۔ عبداللہ بن سبا کے متبعین (۲) کیسانیہ۔ مختار بن عبید ثقفی کے مقلد، یہ شخص پہلے خارجی تھا بعد میں شیعہ بن گیا۔ (۳) زیدیہ۔ اس فرقہ کے امام زید بن علی حسین رض ہیں اس فرقہ میں نسبتًا دوسرے فرقوں کے اعتدال ہے یہ فرقہ ائمہ کو اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے مرتبہ تک نہیں پہونچاتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر خالص توبہ نہ کرے تو مخلد فی النار ہوتا ہے (۴) امامیہ۔ یہ فرقہ کہتا ہے کہ حضرت علی رض کی امامت بالنص ثابت ہے

---

[1] ابوزہرہ ص۱۰۰ [2] مہر انور ص۳۹ [3] ابوزہرہ ص۱۰۲ [4] ایضاً ص۱۱۰

بعض حضرات نے ان کے ستر فرقے بتلائے ہیں ان میں سب سے بڑے فرقے دو ہیں اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ

(۲) خوارج اس کی سات شاخیں ہیں یہ مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں اور حضرت علی رض، حضرت عثمان رض اور اکثر صحابہ رض کی تکفیر کرتے ہیں یہ فرقہ حضرت علی رض، حضرت عثمان رض، حضرت طلحہ رض، حضرت ابن زبیر رض پر طعن کرتا ہے اور جو بھی ان حضرات پر طعن کرتا ہے اس کو یہ اپنی جماعت میں داخل کر لیتے ہیں۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کا وجود محض ان خارجیوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ہوا جو لوگ قرن صحابہ میں خارجیوں کی تحریک اور ان کے محرکات کو نہیں سمجھ پائے ان لوگوں نے نزاعات صحابہ کو نہیں سمجھا۔ انہوں ہی نے حضرت علی رض کے مقابلہ میں یہ کلمہ بلند کیا تھا اَلْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہ چنانچہ جب کبھی بھی حضرت علی رض کو دیکھتے تھے یہی فقرہ کہہ کر طعن کرتے تھے حضرت علی رض ہی نے یہ فقرہ سنکر فرمایا تھا

کلمۃ الحق یرید بہا الباطل[۱] بات سچ ہے مگر منشا باطل ہے

ان کا عقیدہ ہے کہ جب امام سنت کے خلاف کرے تو اس پر خروج واجب ہے ان کے مقتداء وہ لوگ ہیں جنہوں نے تحکیم کے وقت خروج کیا تھا یہ لوگ کوفہ میں محلہ حروراء میں آباد تھے۔ حضرت علی رض کے ہاتھوں انہوں نے مقام نہروان پر شکست کھائی تھی۔ بارہ ہزار خوارج میں صرف دس پانچ آدمی بچ رہے تھے ان کا سردار عبداللہ بن کوا[۲] تھا۔ ان کے چند فرقے یہ ہیں[۳]

۱۔	ازارقہ	متبعین نافع بن ازرق
۲۔	نجدات	" نجدہ بن عویمر
۳۔	صفریہ	" زیاد بن اصفر
۴۔	عجاردہ	" عبدالکریم بن عجرد

---

[۱] ابوزہرہ ص۱۲ [۲] مہر انور ص۲۹ [۳] ابوزہرہ ص۱۳۳

۵- اباضیہ متبعین عبداللہ بن اباض

۶- یزیدیہ " یزید بن انیسہ

۷- میمونیہ " میمون عجردی

(۳) مرجیہ ان میں پانچ فرقے ہیں یہ فرقہ حضرت عثمان رض کے آخری دور خلافت میں پیدا ہوا اور ابتدا اس کی اس طرح ہوئی کہ جب شیعہ نے اہل بیت کی فضیلت میں غلو کی راہ اختیار کی اور حضرت ابوبکر صدیق رض تک کی تکفیر کردی اور خوارج نے تمام مسلمانوں کو کافر کہنا شروع کر دیا کیونکہ انکے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر ہوتا ہے تو اس فرقہ نے اس زمانے میں تمام پیدا شدہ مسائل میں نفی کی راہ اختیار کی یعنی تمام فرقوں کے مقابلے میں منفی صورت اختیار کرلی۔

چنانچہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان اقرار، تصدیق اور معرفت واعتقاد کا نام ہے ان کے نزدیک ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت مضر نہیں ہے جیسا کہ کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ہے ان میں سے بعض کا کہنا یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کو نہ دوزخی کہا جا سکتا ہے اور نہ جنتی۔

چونکہ یہ لوگ ایمان سے عمل کو جدا مانتے ہیں اس لئے ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی کے دل میں ایمان ہے یعنی تصدیق واعتقاد ہے تو اس کے لئے بتوں کی پوجا عملاً یہودی ہوجانا یا نصرانی مضر نہیں ہے

یہ فرقہ چونکہ خوارج اور معتزلہ وشیعہ کے مدمقابل پیدا ہوا تھا، اس لئے یہ فرقہ ہر اس شخص کو مرجیہ قرار دیدیتا تھا جو ان کے مسلک کے خلاف ہوتا تھا اسی بنا پر ان فرق باطلہ نے حضرت امام اعظم اور ان کے شاگردوں کو مرجیہ کہنا شروع کر دیا تھا کیونکہ امام صاحب کا مسلک ہے کہ نفس ایمان میں کمی، زیادتی نہیں ہوتی اور مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہے بلکہ بقدر معصیت عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوجائے گا۔

اسی پروپیگنڈہ کے تحت امام صاحب کے ساتھ ان حضرات کو بھی مرجیہ

مشہور کر دیا گیا تھا۔ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب رضؓ، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب عمرو بن ابی مرۃ، محارب بن دثار، مقاتل بن سلیمان، قدید بن جعفر، یہ سب حضرات ائمہ حدیث اور فقہ ہیں اور مرتکب کبیرہ کو نہ کافر کہتے ہیں اور نہ مخلد فی النار قرار دیتے ہیں۔

افسوس کہ امام بخاری جیسے امام الحدیث اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے بزرگ انسان نے غالباً اسی پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر امام ابوحنیفہ کو اپنی اپنی کتابوں میں مرجیہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ امام بخاری نے تو اتنی شدت اختیار کی کہ اپنی پوری کتاب صحیح بخاری شریف میں "قال بعض الناس" کہہ کر امام صاحب کو ہدف بنایا ہے رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۴) جبریہ | اس کی چار شاخیں ہیں ان کا مسلک ہے کہ بندہ مجبور محض ہے

انما هو مجبور فی	انسان مجبور محض ہے نہ اس کو
افعاله لاقدرة له ولا	کوئی قدرت ہے اور نہ ارادہ اور
ارادة ولا اختیار وانما	نہ اختیار، اللہ تعالیٰ اسمیں افعال
یخلق الله تعالیٰ الافعال	اسی طرح پیدا کرتا ہے جس طرح
فیه علی حسب ما یخلق فی	جمادات کے افعال ہوتے ہیں۔
سائر الجمادات	

یعنی جس طرح جمادات ہوتے ہیں اگر کسی نے حرکت دیدی تو متحرک ہو گئے ورنہ نہیں مورخین کا بیان ہے کہ اولاً یہ عقیدہ یہود میں پیدا ہوا انہیں سے ان لوگوں نے اس عقیدہ کو حاصل کیا ہے [۲]

(۵) جہمیہ | یہ فرقہ جبریہ خالصہ کی ایک شاخ ہے جو جہم بن صفوان کیطرف منسوب ہے یہ شخص خراسان کا رہنے والا تھا اور بنی راسب کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا۔ عقیدہ کے اعتبار سے یہ فرقہ معتزلہ کے بہت

---

[۱] ابوزہرہ ص۱۳۶ [۲] ایضاً ص۱۴۱

قریب ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات ازلی نہیں ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کو حی، عالم کہنا جائز نہیں ہے یہ لوگ خلق قرآن کے بھی قائل ہیں ان کا کہنا ہے[1]

(۱) دوزخ اور جنت، دوزخیوں اور جنتیوں کے داخلہ کے بعد فنا ہو جائینگی

(۲) خلود فی النار یا خلود فی الجنۃ سے مراد طول مکث ہے۔

(۳) ایمان معرفت کا نام ہے اور کفر جہل کو کہتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا علم اور کلام حادث ہے

(۵) انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے۔

(۶) کرامیہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی ہی صفات ثابت کرتے ہیں جیسی کہ انسانوں کیلئے ثابت کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان کا معبود عرش پر مستقر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانتے ہیں جو تحول اور نزول سے متصف ہوتا ہے[2]

(۷) معتزلہ یہ فرقہ زمانہ خلافت بنی امیہ میں پیدا ہوا اور خلافت عباسیہ میں پروان چڑھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت حسن رضؓ نے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی اور امور خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کئے تو یہ لوگ ان دونوں حضرات سے یہ کہہ کر کہ

نشتغل بالعلم والعبادۃ   اب ہم تحصیل علم اور عبادت میں مشغول ہونگے

علیحدہ ہو گئے۔ اسی (اعتزال) کی وجہ سے ان کو معتزلہ کہتے ہیں لیکن ان لوگوں نے اپنے لئے اہل توحید اور قدریہ کا لقب منتخب کیا۔ یہ لوگ مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج مانتے ہیں اور قرآن پاک کو مخلوق کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رویت کا انکار کرتے ہیں۔ آیات متشابہات کی تاویل کرنا واجب سمجھتے ہیں اور انسان کو اپنے تمام افعال کا خالق مانتے ہیں وغیرہ ذلک۔ امام محمدؒ نے ان کی اقتدا میں نماز

---

[1] ابوزہرہ ص۱۳۲ [2] ایضاً

واجب الاعادہ ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔ امام ابو یوسف نے ان کو زندیق کہا اور امام مالک نے ان کی شہادت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا[۱]

حق اور باطل

فرقہ ناجیہ امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تفترق امتی علی ثلاث	میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ
وسبعین ملة کلهم فی النار	جائے گی ان میں سے ایک فرقہ
الا ملة واحدة قالوا من	کے علاوہ سب دوزخی ہیں عرض
هی یا رسول الله قال ما	کیا وہ کون ہیں فرمایا جس طریقہ
انا علیه واصحابی[۲]	پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں

گذشتہ سطور میں اہل سنت والجماعت اور ان کے عقائد کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے لیکن اس جگہ مزید اضافہ ہے، ایک روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس میں مذکور ہے کہ اہل سنت والجماعت کے خصائل میں دس چیزیں داخل ہیں

۱۔ حضرات شیخین کو افضل جاننا یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ

۲۔ بزرگ جاننا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں داماد کو یعنی حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کو یعنی فضیلت بترتیب خلافت۔

۳۔ بزرگ جاننا دونوں قبلوں کو یعنی کعبۃ اللہ اور قبلہ اول بیت المقدس

---

[۱] ابو زہرہ۔ [۲] اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے باطل فرقوں کی تعداد ۷۲ اسطرح تحریر فرمائی ہے معتزلہ کے ۲۰، رافضیوں کے ۲۲، مرجیہ ۵، خوارج کے ۲۰ بنجاریہ ۳، جبریہ ۱، مشبہ ۱۔ مرقاۃ ج۱ ص۲۴۸ لیکن ان فرقوں کے نام بنام تعیین میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق تفصیل آئندہ سطور میں ہے

۴۔ موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا، روافض کے نزدیک یہ نہیں ہے۔

۵۔ دو گواہی سے باز رہنا یعنی کسی پر گواہی نہ دے کہ وہ دوزخی ہے یا وہ جنتی ہے

۶۔ ہر دو امام کے پیچھے نماز کو جائز جاننا یعنی صالح اور فاسق۔

۷۔ ہر دو تقدیر پر ایمان لانا

۸۔ ہر دو جنازہ پر نماز پڑھنا یعنی نیک اور بد

۹۔ ہر دو فرض یعنی نماز اور زکوٰۃ کو برابر جاننا اور ادا کرنا۔

۱۰۔ امیر کی فرماں برداری کرنا اور ایمان لائے اللہ اور اسکے رسول تمام فرشتوں، تمام رسولوں اور تمام کتابوں پر اور پانچ وقت کی نماز ادا کرے، زکوٰۃ دے، روزے رکھے، حج ادا کرے اور شریعت محمدی کے علاوہ کسی کی اتباع نہ کرے۔

اور باطل فرقے چھ ہیں یعنی رافضیہ۔ خارجیہ۔ قدریہ۔ جبریہ۔ جہمیہ۔ مرجیہ ان میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ فرقے ہیں اس طرح ۶ × ۱۲ = ۷۲ فرقے ہوئے۔ سطور ذیل میں ہر فرقہ اور اس کا عقیدہ اور اسی کے ساتھ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا جاتا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان تمام فرقوں کا اصل بانی عبداللہ بن سبا یمنی صنعانی یہودی ہے جو مسلمان ہو گیا تھا لیکن زمانہ صحابہ میں نہایت شدید منافق رہا۔ حضرات صحابہ رض کے زمانہ میں تمام جھگڑوں کی اصل اور اسلام میں کتر بیونت کرنے والا یہی ہے اور اس کے بعد جو ہوئے ہیں وہ سب اسی کی ذریت اور اسی کا فیض خبث ہے۔۔۔۔ حضرات صحابہ رض پر بعض لکھنے والوں نے اس تاریخی پس منظر کو نظر انداز کیا ہے۔ یاد رکھیئے! یہود اور مشرکین کی عداوت پر یہ نص قطعی ہے

لتجدن اشد الناس	مومنین کی عداوت میں سب
عداوۃً للذین اٰمنوا	سے زیادہ شدید آپ ضرور پائینگے

الیھود والذین اشرکوا یہودیوں کو اور مشرکین کو

مسلمان کتنے بھولے بھالے ہیں کہ ان سے سیاسی معاملات میں ہمیشہ سہو ہوتا رہا ہے اور آج بھی وہ اسی سہو میں مبتلا ہیں۔

(۱)- رافضیہ

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
۱- علویہ	حضرت علی رضؓ کو نبی کہتے ہیں۔	حضرت علیؓ نبی نہیں ہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبی ہیں " محمد رسول اللہ "
۲- ابدیہ	حضرت علی رضؓ کو خدا کی خدائی میں اور رسول کی رسالت میں شریک مانتے ہیں ان کا نام ابر تشیہ بھی ہے	اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں سبحانہ تعالےٰ عما یشرکون اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں بھی کوئی شریک نہیں۔
۳- شیعہ	جو حضرت علی رضؓ کو تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ دوست نہ رکھے وہ کافر ہے	ہم تمام صحابہؓ سے دوستی اور محبت کرتے ہیں والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔
۴- اسحاقیہ	کہتے ہیں کہ نبوت ختم نہیں ہوئی اور ہر زمانہ میں نبی ہوتا ہے	محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں اور آپ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔
۵- زیدیہ	امامت کی نماز بجز اولاد علی کے کسی کے پیچھے جائز نہیں ہے	یہ غلط ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وارکعوا مع الراکعین
۶- عباسیہ	بجز حضرت عباس بن مطلب کے کسی کو امام نہیں جانتے	یہ غلط ہے ہر مسلمان عاقل بالغ کے پیچھے نماز جائز ہے بشرطیکہ اس میں صلاحیت ہو۔

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
۷۔ نادسیہ	کہتے ہیں جو دوسروں سے اپنے کو فاضل تر جانے وہ کافر ہے	یہ غلط ہے بلکہ ایمان لانے کے بعد اپنے کو کافر سے افضل جانے اسلئے کہ کفر نجس ہے اور اسلام طیب ہے۔
۸۔ امامیہ	زمین امام غیب سے خالی نہیں انکی نماز بنو ہاشم کے علاوہ کسی کے پیچھے جائز نہیں ہے	غلط ہے ایضاً
۹۔ تناسخیہ	تناسخ آواگون کو درست کہتے ہیں۔	یہ غلط ہے جو مرتا ہے وہ کسی کے قالب میں نہیں آتا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون
۱۰۔ لاعنہ	طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ رض پر لعنت کرنے والے ہیں	ان پر لعنت کرنیوالا کافر ہے حضرت طلحہ رض حضرت زبیر رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور حضرت عائشہ رض کی فضیلت میں نص موجود ہے۔
۱۱۔ راجعیہ	کہتے ہیں کہ حضرت علی رض دنیا میں پھر آوینگے اب ابر میں ہیں	یہ خیال شیطانی ہے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پھر دوبارہ کوئی دنیا میں نہ آئیگا۔
۱۲۔ مرتفیسہ	مسلمان بادشاہ سے خروج کرنا درست ہے	مسلمان آپس میں نہ لڑیں اور صلح سے رہیں خلافت عباسیہ اور بنو امیہ میں جسقدر لڑائیاں ہوئی ہیں وہ انہوں نے کرائی ہیں

۲۔ خارجیہ

یہ لوگ بھی جماعت کو حق نہیں جانتے اور اہل قبلہ کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر کافر کہتے ہیں اور بادشاہ کی اطاعت کو لازم نہیں جانتے اور حضرت علی رض اور حضرت معاویہ رض میں سے حضرت علی رض کو برا کہتے ہیں اور نعوذ باللہ کافر تک کہتے ہیں ان کے بارہ فرقے ہیں۔

۱۔ ازرقیہ	خواب میں کوئی خوبی نہیں ہے اسلئے کہ وحی منقطع ہوچکی ہے	یہ غلط ہے بخاری شریف میں ہے مبشرات کے علاوہ نبوت میں سے کوئی باقی نہ رہیگا عرض کیا مبشرات کیا ہیں فرمایا رویا صالحہ اور حدیث متفق علیہ میں اسکو نبوت کا ۴۶ واں حصہ قرار دیا ہے

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
۲- ریاضیہ	قول صالح اور عمل صالح اور نیت ایمان ہے	یہ ایمان نہیں ہیں بلکہ فروع ایمان ہیں اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان تصدیق اور اقرار ہے
۳- تعابیہ	ہمارے کام ہماری قدرت اور اختیار سے ہیں خدا کا اسمیں کوئی دخل نہیں	یہ بکواس ہے اور وسوسہ شیطانی ہے بلکہ کوئی چیز خدا کی قدرت سے باہر نہیں۔ ان اللہ علی کل شئی قدیر
۴- حازمیہ	فرائض پہچاننا ضروری نہیں ہے	یہ غلط ہے فرائض سب ظاہر ہیں مثلاً روزہ، نماز، حج زکوٰۃ اور شہادتین انکا منکر کافر ہے۔
۵- خلفیہ	اگر کافر دو چند ہوں تو بھی ان کے مقابلہ سے بھاگنا کفر ہے۔	غلط ہے اگر مصلحت اور تدبیر جنگ سے بھاگے تو کفر نہیں ہے۔
۶- نوریہ	اسکا نام کوزیہ بھی ہے یہ کہتے ہیں غسل میں جسم کا ملنا فرض ہے۔	غلط ہے بلکہ ملنا سنت ہے جسم صرف پانی بہا لینے سے پاک ہو جائیگا۔
۷- کنزیہ	زکوٰۃ دینا فرض نہیں ہے	زکوٰۃ دینا فرض ہے " اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ "
۸- معتزلہ	شر خدا کی طرف سے نہیں ہے اور نماز فاسق کے پیچھے جائز نہیں ہے، ایمان بندہ کا کسب ہے، قرآن مخلوق ہے، مُردوں کو دعا اور صدقہ سے نفع نہیں، معراج بیت المقدس سے آگے نہیں ہوئی حساب، کتاب، میزان کچھ نہیں فرشتے مومنین سے افضل ہیں قیامت میں دیدار خدا نہ ہوگا کرامت اولیاء کچھ نہیں اور اہل جنت کو کبھی سونا اور مرنا ہوگا۔ اور مقتول	خیر اور شر سب خدا کی طرف سے ہے لیکن بندہ کو ادب لازم ہے اور نماز فاسق امام کے پیچھے جائز ہے صلوا خلف کل بر و فاجر۔ ایمان کسب بندہ کا نہیں ہے ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ قرآن پاک مخلوق نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے عَلَّمَ الْقُرْآن فرمایا ہے خَلَقَ الْقُرْآن نہیں فرمایا مُردوں کو دعا اور صدقہ سے فائدہ ہوتا ہے۔ معراج .... بیت المقدس کے بعد بھی ہے قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ۔ حساب و کتاب و میزان سب برحق ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ الخ اور وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ اور وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ۔ فرشتے مومنین سے افضل نہیں ہیں بلکہ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔ اور قیامت میں خدا کا دیدار

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
	اپنی موت سے نہیں مرتا ہے اور علاماتِ قیامت مثلاً دجال وغیرہ کچھ نہیں اور اس کے علاوہ اور بہت باتیں کہتے ہیں۔ یمین طلاق والی بغیر حلالہ کے جائز ہے حضور معراج سے پہلے نبی نہیں تھے یہ لوگ پیغمبروں کو معصوم نہیں جانتے	ہوگا وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ۔ کراماتِ اولیاء حق ہیں اور اہل جنت کو سونا اور مرنا نہیں خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا مقتول اپنی موت ہی سے مرتا ہے۔ علاماتِ قیامت دجال وغیرہ سب حق ہیں مطلقہ ثلاث بغیر حلالہ کے حلال نہیں حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔ یہ غلط ہے حضور معراج سے پہلے بھی نبی تھے ہمارے نزدیک پیغمبر معصوم ہیں
۹۔ میمونیہ	ایمان بالغیب باطل ہے	ایمان بالغیب صحیح ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ
۱۰۔ محکمیہ	اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حکم نہیں ہے	اللہ تعالیٰ کا ذرہ ذرہ پر بلکہ پوری کائنات پر حکم ہے۔
۱۱۔ سراجیہ	عمل کی جزا اور سزا کچھ نہیں	یہ غلط ہے بلکہ اعمال کی جزا اور سزا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ
۱۲۔ جنبیہ	گذشتہ لوگوں کے حالات حجت نہیں بلکہ انکار لازم ہے	احوال گذشتہ لوگوں کا بحث قوی ہیں اور اقرار لازم ہے۔ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ۔
۱۳۔ شمراخیہ	عورتیں مانند پھول کے ہیں کسی کی ملک نہیں جس سے چاہے صحبت کرو	یہ فرقہ بھی فرقہ جنبیہ سے ہے ان کا یہ خیال غلط ہے بلکہ صرف منکوحہ سے صحبت حلال ہے۔

۳۔ قدریہ

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
۱۔ احدیہ	کہتے ہیں ہم کو فرض کا اقرار ہے سنت کا نہیں	دونوں کا اقرار ضروری ہے۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ۔
۲۔ ثنویہ	نیکی خدا ہے اور بدی شیطان سے ہے	نیکی اور بدی سب خدا کی طرف سے لیکن ادب لازم ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے شیطان کے حوالہ کرے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ۔

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
۳۔ کیسانیہ	ہمارے افعال ہماری مخلوق ہیں	افعال ہماری مخلوق نہیں ہمارے ارادہ پر اللہ تعالیٰ کی گرفت ہے
۴۔ شیطانیہ	شیطان کا وجود نہیں	یہ غلط ہے شیطان کا وجود ہے۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْن
۵۔ شریکیہ	ایمان غیر مخلوق ہے کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں	یہ اعتقاد منافقین کا ہے ایمان ہمیشہ رہتا ہے
۶۔ وہمیہ	انسان کے افعال کا بدلہ نہیں	سب افعال کا بدلہ ہے جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ
۷۔ بتریہ	دنیا فانی نہیں ہے	سب چیز فانی ہے بجز ذات باری تعالیٰ کے
۸۔ ناکسیہ	امام پر خروج جائز ہے	امام پر خروج جائز نہیں ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔
۹۔ متبرّیہ	گنہگار کی توبہ قبول نہیں ہے	گنہگار کی توبہ قبول ہے چاہے ہزارہا گناہ کئے ہوں۔
۱۰۔ قاسطیہ	کسب علم، مال، حکمت، ریاضت فرض ہے	سب چیزیں فرض نہیں ہیں علم بقدر ادائگی فرض، فرض ہے کسب سنت ہے۔ مال اور حکمت مباح۔ اور تزکیہ نفس کے لئے ریاضت اگر شاق نہ ہو تو واجب ہے۔
۱۱۔ نظامیہ	اللہ تعالیٰ بھی ایک شے ہے	یہ جائز نہیں ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اسکے مثل کوئی شے نہیں ہے
۱۲۔ منزلیہ	ہم نہیں جانتے کہ شر مقدر ہے یا نہیں	اللہ تعالیٰ خالق ہر شے کا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے

۴۔ جبریہ

یہ لوگ ہر بات میں جبر کو داخل کرتے ہیں۔ امام شافعی رح سے کسی نے جبر کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا تو ایک پیر اٹھا او رچل۔ اس نے کہا میں نہیں چل سکتا فرمایا یہی جبر اور اختیار ہے۔

۱۔ مضطریہ	خیر اور شر سب خدا کی طرف سے ہیں بندہ کا کچھ اختیار نہیں ہے	گذر چکا ہے لیکن بندہ کے ارادہ پر خدا کی گرفت ہے
۲۔ فعالیہ	بندہ کا عمل ہے لیکن قدرت اور اختیار نہیں۔	فعل ہے لیکن دل کا ارادہ شرط ہے۔

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت۔
۳۔ معیہ	بندہ کا عمل بھی ہے اور اس کی قدرت بھی مگر اختیار نہیں ہے	قدرت اور طاقت ہر چیز پر اللہ ہی کی ہے
۴۔ تارکیہ	ایمان کے بعد کوئی چیز فرض نہیں	ایمان کے بعد اور بھی فرض ہیں۔
۵۔ بختیہ	ہر آدمی اپنے نصیب سے کھاتا ہے پس کسی کو دینا ضروری نہیں ہے	قرآن پاک نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے بلکہ خرچ کرنا اور دینا بھی ضروری ہے
۶۔ متمنیہ	خیر وہ ہے جس سے نفس کو تسلی ہو	یہ شر ہے بلکہ خیر وہ ہے جس سے روح کو سکون ہو اور نفس گھبراوے۔ حضرت لقمان نے بیٹے کو نصیحت کی تھی: یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ الخ
۷۔ کسبیۃ	عمل سے زیادہ عذاب اور ثواب نہیں ہوتا	یہ غلط ہے بلکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور بڑا رحیم و کریم یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ
۸۔ حبیبیہ	دوست اپنے دوست کو عذاب نہ کریگا	دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو جو تکلیف دیتا ہے وہ اسکا امتحان ہے دوست دوست کو ضرور جانچتا ہے
۹۔ خوفیہ	دوست اپنے دوست کو ڈراتا ہے	اللہ تعالیٰ عبرت کیلئے ڈراتا ہے ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی
۱۰۔ فکریہ	خدا کی معرفت میں فکر کرنا عبادت ہے	فکر معرفت فرمانبرداری کرنا ہے جو ادائگی کی چیزیں ہیں انکو ادا کیا جائیگا۔ انہیں فکر سے کام نہ چلے گا
۱۱۔ حسبیہ	عالم میں تقسیم کوئی چیز نہیں	تقسیم ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔ وَخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا، اَلَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا
۱۲۔ حجتیہ	جو کام تقدیر الٰہی سے ہے اس کی حجت بندہ پر نہیں	کام اگرچہ تقدیر الٰہی سے ہیں لیکن بندہ پر حجت ہے۔ کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

۵۔ جہمیہ

ان کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے زبان سے نہیں ہمارے یہاں اقرار زبان سے تصدیق قلب سے ہے یہ لوگ عذاب قبر، سوالِ نکیرین، کلام موسیٰ سب کا انکار کرتے ہیں

۱۔معطلیہ	اسمار اور صفات باری سب خدا کی مخلوق ہیں	یہ بات غلط ہے اسمار اور صفات خدا کی مخلوق نہیں ہیں۔ جو مخلوق ہے وہ ایک حد اور اندازہ میں آچکی ہے اسمار اور صفات خالق تعالےٰ اندازہ سے باہر ہیں۔
۲۔متر الفبیہ	علم اور قدرت اور مشیت مخلوق ہیں	یہ غلط ہے بلکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْد
۳۔مراقبیہ	اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور وہ ایسی جگہ ہے جو معلوم نہیں	اللہ تعالےٰ مکانیت سے پاک ہے وہ حاضر وناظر ہے۔
۴۔واردیہ	جو دوزخ میں جائیگا پھر باہر نہ آئیگا۔ اور مومن دوزخ میں نہ جائیگا	یہ غلط ہے بلکہ کافر کے لئے ہمیشہ دوزخ ہے مومن شامت اعمال سے دوزخ میں جائیگا پھر اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے نجات پائیگا
۵۔حرقیہ	اہل دوزخ دوزخ میں جلنے کے بعد اثر محسوس نہ کرینگے	یہ غلط ہے اللہ تعالےٰ نے جا بجا اَشَدَّ الْعَذَابِ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فرمایا اس سے ثابت ہے کہ موت نہ ہوگی کہ ایکدم میں مٹ جائیں اور پھر بعد میں الم محسوس نہ ہو۔
۶۔مخلوقیہ	قرآن، توریت، انجیل، زبور مخلوق ہیں۔	یہ چاروں کتابیں کلام ربانی ہیں اور مخلوق نہیں ہیں کیونکہ خالق کا کلام مخلوق نہیں ہوتا ہے۔

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
۷۔ عبریہ	کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکیم نہ تھے نہ رسول تھے	یہ غلط ہے وہ رسول ہیں اور حکیم بھی ہیں آپ کی رسالت کا ذکر قرآن میں ہے۔
۸۔ فانیہ	دوزخ اور جنت دونوں فنا ہو جائیں گی	تمہارا خیال غلط ہے اگر دوزخ اور جنت فنا ہو جائیں گے تو اس کے اہل کہاں جائینگے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انکی فنا آن واحد کے لئے ہوگی۔ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام
۹۔ زنادقیہ	حضورؐ کو معراج جسمانی نہیں ہوئی عالم قدیم ہے اور قیامت کوئی چیز نہیں۔	یہ خیال غلط ہے بلکہ معراج جسمانی روح کے ساتھ ہوئی یہ نص سے ثابت ہے، عالم حادث ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ۔ اور قیامت ضرور ہوگی اس کا منکر کافر ہے۔
۱۰۔ لفظیہ	قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ قاری کا کلام ہے معنی الٰہی ہیں	الفاظ اور معنی دونوں ہی کلام الٰہی ہیں قرآن پاک الفاظ اور معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔
۱۱۔ قبریہ	عذاب قبر کوئی چیز نہیں	عذاب قبر حق ہے۔
۱۲۔ واقفیہ	قرآن کے مخلوق ہونے میں توقف کرتے ہیں۔	ہم یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق نہیں ہے۔

۶۔ مرجیہ

ان کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان کے بعد کوئی چیز فرض نہیں ہے یہ کفر ہے ہمارے نزدیک "قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ"

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
۱۔ تارکیہ	کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد کچھ فرض نہیں	یہ عقیدہ غلط ہے ہمارا عقیدہ اس باب میں گذر چکا ہے۔
۲۔ شائیہ	اس کا نام شارکیہ بھی ہے	یہ عقیدہ غلط ہے اگر یہ درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ

نام فرقہ	عقائد	اہل سنت والجماعت
	کہتے ہیں ایمان کے بعد جو چاہے کرو مضر نہیں	یہ نہ فرماتا۔ مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ
۳۔ راجیہ	بندہ طاعت سے مقبول اور معصیت سے گنہگار نہیں ہوتا	یہ عقیدہ غلط ہے بلکہ دوزخ اور جنت اور اسکے مستحق کون ہونگے اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے
۴۔ شاکیہ	اپنے ایمان میں شک رکھتے ہیں اور کہتے ہیں روح ایمان ہے	یہ غلط ہے ایمان اور شک دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے
۵۔ تبنیہ	ایمان عمل ہے جو تمام اوامر اور نواہی کو نہ جانے وہ کافر ہے	یہ غلط ہے یہ ایمان کے اجزاء میں سے نہیں ہے ایمان یہ ہے: آمَنْتُ بِاللّٰہِ الخ
۶۔ عملیہ	ایمان عمل ہے	یہ غلط ہے ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا نام ہے
۷۔ منقوصیہ	ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے	یہ منافق کا ایمان ہے بلکہ مومن کا ایمان روز بروز ترقی کرتا ہے۔
۸۔ مشیئیہ	کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں انشاء اللہ	یہ بات غلط ہے یہ اسوقت کہا جاتا ہے جو معلوم ہو اور واقع نہ ہوئی ہو جب خدا کو دل سے مان لیا تو اب انشاء اللہ کیسا
۹۔ شمریہ	قیاس باطل ہے	قیاس دلائل شرعیہ میں سے ہے اور اس کے شرائط ہیں
۱۰۔ بدعیہ	یہ کہتے ہیں اطاعت امیر کی واجب ہے اگرچہ وہ گناہ کا حکم کرے	یہ غلط ہے اطاعت معصیت میں نہیں ہے
۱۱۔ مشبہیہ	کہتے ہیں اللہ تعالٰی نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا	یہ جھوٹ ہے اللہ تعالٰی کی کوئی صورت نہیں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اور نص میں جو مذکور ہے اس کی تاویل کیجاتی ہے
۱۲۔ حشویہ	واجب سنت مستحب سب ایک ہیں	یہ غلط ہے بلکہ فرق ہے

یہ مختصر طور پر عرض کیا ہے ورنہ تفصیل ہماری کتاب تاریخ اہل سنت والجماعت میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام صاحب پر اعتراضات

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی ہے کہ امام صاحب نے جو زمانہ پایا وہ اتفاق سے وہ زمانہ تھا کہ بہت سے فرقے جنم لے چکے تھے چنانچہ تاریخ کے طالب علم پر یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ دولت عباسیہ کا زمانہ مناظروں کا زمانہ تھا

کان عصر العباسی عصر	دولت عباسیہ کا زمانہ مناظروں
المناظرات	کا زمانہ ہے۔

بازاروں کے چوک سے لیکر امراء اور رؤساء کی مجالس تک اور درسگاہوں سے لیکر محراب و ممبر تک مناظروں ہی کا بازار گرم رہتا تھا کوئی مجلس ان تذکروں سے خالی نہیں تھی ایسے ماحول اور زمانہ میں جہاں بعض شخصیتیں اپنی فہم و فراست کی بناء پر اوپر ابھر کر آتی ہیں تو دوسری طرف اہل ہوا کی غنڈہ گردی سے غبار آلود بھی ہو جاتی ہیں ایسے وقت میں قابل اور لائق شخصیتوں کو فراموش نہ کرنا یہ اہل حق اور اہل انصاف ہی کا کام ہوتا ہے۔

میری یہ گذارش اس وقت بہت اچھے طریقہ پر سمجھ میں آجائے گی جب آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی توجہات کو ہندوستان میں ۱۸۵۷ء لغایۃ ۱۹۲۰ء کے بعد کے ماحول کی طرف مرکوز کر دیں گے یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں مناظروں کا بہت شیوع رہا ہے۔ عیسائی، آریہ، قادیانی غیر مقلد، بریلوی، دیوبندی غرضکہ بہت سے فرقے مناظروں کا بازار گرم کیئے ہوئے تھے چنانچہ ہندوستان کی تاریخ کا طالب علم اچھی طرح جانتا ہے کہ اہل ہوا نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہم اللہ کے خلاف کیسے کیسے فتوے صادر فرمائے اور کس کس طرح انکو بدنام کیا۔ بایں ہمہ اہل خرد برابر ان حضرات کی قابلیت اور کاملیت کے معترف رہے۔

بالکل اسی طرح سے امام صاحب کے ساتھ حادثہ پیش آیا اللہ تعالٰی نے فہم رسا اور دماغ اکمل درجہ کا عطا فرمایا تھا اپنے مخالفوں کو ان ہی کے الفاظ میں خاموش کر دینا امام صاحب کے نزدیک ایک معمولی کام تھا لہٰذا طرح طرح کے اتہام لگا کر ان کو بدنام کرنا شروع کیا کسی نے مرجی کہا تو کسی نے قیاس اور اہل الرائے ان کا نام رکھ دیا دوسری طرف بعض معاصرین کو بھی ان کی ابھرتی ہوئی شخصیت سے حسد اور تعصب پیدا ہوا غرضکہ اسی طرح رطب ویابس باتیں ایک دور سے لیکر دوسرے دور کی طرف منقول ہوتی رہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ اس گروہ میں بہت سے اہل عدل اور اہل انصاف بھی ہوئے جنہوں نے حالات اور واقعات کا تجزیہ کیا اور دودھ پانی کو علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دیا جس کی وجہ سے وہ علماء جو گروہی تعصب میں گرفتار نہیں ہوئے روشنی میں ضرور آ گئے لیکن کچھ حضرات ایسے بھی ضرور رہے جو امام صاحب کی طرف سے اپنے دل و دماغ کو صاف نہ کر سکے اور یکطرفہ فیصلہ کرتے رہے۔

اس کے علاوہ عراق، شام، بخارہ، سمرقند، مصر اور دوسرے ممالک وہ تھے جہاں اسلامی قانون میں فقہ حنفی ریاستی دستور قرار دیا جا چکا تھا، عدالتی نظام اسی فقہ کے علماء کے ہاتھ میں تھا، جنہوں نے اپنے ہی فقہ کی روشنی میں مقدمات فیصل کئے لہٰذا وہ لوگ جو کسی دوسرے فقہ کے مقلد تھے یا صرف حدیث ہی پر اکتفا کئے ہوئے تھے، ان کے نزدیک یہ عدالتی فیصلے سراسر ظلم اور قرآن و حدیث کے خلاف ٹھہرے جس کی بناء پر حنفیہ پر سخت اور کافی تنقیدیں ہوئیں اور زبان سے قلم اور سینہ سے سفینہ کیطرف منتقل ہو گئیں، جس کی وجہ سے متاخرین علماء اور محدثین نے حنفیہ پر ضرورت سے زیادہ ہاتھ صاف کیا

امام بخاری اور امام ذہلی

امام صاحب پر بعض اعتراضات غلط فہمی اور قلت تحقیق کی بناء پر بھی ہوئے چنانچہ

امام بخاری اور ان کے استاذ امام ذہلی کے درمیان رنجش محض غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوئی جس کو ہم اس جگہ نقل کرتے ہیں جو ہماری گذارشات کے لئے موید ثابت ہوگی۔

امام بخاری ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لائے اور یہاں مدت تک قیام کیا اس اثنار میں وہ روزانہ درس دیتے تھے امام محمد بن یحییٰ الذہلی کو جب امام بخاری کے نیشاپور تشریف لانے کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے شاگردوں اور دوستوں سے کہا کہ تم لوگ اس عالم مرد صالح کے پاس جاؤ اور ان سے احادیث کا سماع کرو لوگ ان کے ارشاد کے مطابق امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے امام کے درس حدیث میں شرکت شروع کردی لیکن بعد میں ان کی مجلس میں خلل پیدا ہوگیا۔ حاتم بن احمد محمود نے امام مسلم کے حوالہ سے جو روایت کی ہے وہ اس سے زیادہ تفصیلی ہے۔ فرماتے ہیں امام بخاری نیشاپور آئے تو ان کا استقبال اس قدر شاندار ہوا کہ ایسا استقبال نہ میں نے کسی گورنر کا دیکھا اور نہ کسی اور حاکم کا، اہل نیشاپور شہر سے نکل کر دو تین منزل تک گئے۔ امام ذہلی نے اپنی مجلس میں فرمایا جو شخص امام بخاری کے استقبال کا ارادہ رکھتا ہو اسے ضرور جانا چاہیئے اور میں خود بھی ان کے استقبال کے لئے جاؤں گا چنانچہ نیشاپور میں چھوٹا بڑا کوئی ایسا عالم نہ تھا جو امام بخاری کے استقبال میں شریک نہ ہوا ہو ان لوگوں کے علاوہ امام بخاری کے مشتاقانِ زیارت کا اتنا ہجوم تھا کہ مکانوں کی دیواریں اور چھتیں آدمیوں سے پٹی پڑی تھیں آپ نے یہاں آکر دارالنجارین میں قیام فرمایا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال میں شرکت کی دعوت دینے اور اس میں خود شریک ہونے کے باوجود اپنے تلامذہ کو اس بات کی تاکید کردی کہ وہ امام ہمام

سے کسی مسئلہ میں استفسار نہ کریں کیونکہ اگر انہوں نے اس کا جواب
ان کے مسلک کے خلاف دیدیا تو فرق باطلہ کو شماتت کا بہانہ
ہاتھ آجائے گا، لیکن لوگ کب بعض آنے والے تھے امام بخاری نے
دوسرے دن درس شروع کیا تو وہیں ایک شخص نے کھڑے ہو کر
دریافت کیا۔ حضرت! الفاظ قرآن کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟
آپ نے جواب دیا کہ ہمارے تمام افعال مخلوق اور حادث ہیں اور
ہمارے الفاظ ہمارے افعال ہی ہیں امام کا یہ فرمانا تھا کہ مجلس
میں سخت اضطراب اور شور وغل پیدا ہوا، کسی نے کچھ کہا کسی نے
کچھ، نوبت بایں جا رسید کہ گھر والوں کو مجبور ہو کر ان غل مچانے
والوں کو گھر سے باہر نکالنا پڑا الخ[1]

یہ ہے وجہ اختلاف امام بخاری اور امام ذہلی کے درمیان جس کو یار
لوگوں نے خوب اچھالا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ امام ذہلی کو حسد پیدا
ہوا اور نہ ہی امام بخاری قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں ایک غلط فہمی
پیدا ہوئی اور اس نے خلیج پیدا کر دی۔

اسی طرح امام صاحب کی طرف سے بعض علماء مثلاً امام بخاری کو غلط
فہمی ہوئی یا ان کو یکطرفہ معلومات پہونچی ورنہ ہم امام بخاری کو (باوجودیکہ انکی
تنقیدات نہایت سخت ہیں)، پاک باطن ہی خیال کرتے ہیں اور اسی میں ہماری
فلاح ہے۔ انہوں نے اگر امام صاحب پر تنقید کی وہ جانیں اور ان کا خدا، میرا
اور میرے قلم کا ہرگز یہ مقام نہیں ہے کہ میں امام صاحب پر تنقید کروں۔ یا
انکی تغلیط و تکذیب۔ انہوں نے امام صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس
میں وہ پاک باطن ہیں ہاں یہ بات دیگر ہے کہ میں ان کی تنقید یا دیگر حضرات
کی تنقید کو پسند نہ کروں اور تحقیقات کے معیار پر صحیح قرار نہ دوں، اسی کے

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۳ ج۲

ساتھ میں یہ بات بھی صفائی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ جن حضرات نے امام صاحب پر جو اعتراضات کئے ہیں ان سے امام صاحب کا مقام اور بلند ہو گیا، کیونکہ

رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

امام صاحب پر اس اعتراف کے بعد کہ وہ ائمہ مجتہدین میں صاحب مسلک واجتہاد اور تابعی ہیں" اعتراضات خواہ وہ کسی بھی قسم کے ہیں تار عنکبوت ہو جاتے ہیں، اس لئے مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں گڑے ہوئے مردے اکھاڑوں، حق یہ ہے کہ امام صاحب پر اعتراضات ہی ان کے امام اعظم ہونے کی دلیل ہیں۔

امام صاحب نے علم کلام میں کون سی راہ اختیار کی عقائد میں ان کا کیا مسلک ہے اور اس پر بعض نے کیا اعتراضات کئے ہیں اس تفصیل میں جانے کے بجائے امام صاحب کا ایک خط جو انہوں نے اپنے زمانے کے مشہور محدث عثمان بتی کے نام تحریر فرمایا تھا پیش کرتا ہوں اس خط سے جہاں امام صاحب کا مسلک خود ان کے قلم سے واضح ہوگا وہاں اس زمانے کے بعض علماء کی غلط فہمیوں کی طرف اشارہ ہوتے ہوئے امام صاحب پر اعتراضات کی تاریخی نوعیت بھی واضح ہو جائے گی۔

عثمان بتی امام صاحب کے زمانے کے ایک مشہور محدث تھے، انکے پاس جب امام صاحب کے متعلق غلط خبریں پہونچیں تو انہوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ مرجیہ ہیں اور آپ کے نزدیک مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز ہے اس کی کیا حقیقت ہے۔ امام صاحب نے جو تفصیلی جواب دیا وہ حطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

مکتوب امام صاحب

ابو حنیفہ کی طرف سے عثمان بتی کو سلام علیک

میں آپ کی طرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد بھیجتا ہوں۔ بعد ازیں میں آپ کو تقویٰ و اطاعت خداوند تعالیٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ حساب لینے والا اور جزا دینے والا کافی ہے۔ میری طرف جناب کا گرامی نامہ آیا، جو کچھ نصیحت آپ نے اس میں تحریر فرمائی تھی میں نے اس کو سمجھا، جناب نے اپنے والا نامہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ میری خیر اور بھلائی کی وجہ سے ہے لیکن میرا خیال ہے کہ غالباً آپ کو میرے متعلق کہیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ "میں مرجیہ ہوں" اور میں مومن کو گمراہ کہنے کا قائل ہوں، اور یہ بات آپ کو بار خاطر ہے لہذا میں قسمیہ عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ حالانکہ میرا عقیدہ قرآن کریم اور دعوت رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب پر ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ میرے نزدیک بدعت ہے لہذا میرے اس عریضہ پر غور فرمائیے۔

اگر مجھے آپ کے متعلق یہ امید نہ ہوتی کہ آپ کو میرے اس عریضہ سے اللہ تعالٰے کچھ نفع نہیں پہونچائے گا تو میں یہ عریضہ ہرگز نہ تحریر کرتا لہذا آپ نے جو رائے قائم کرلی ہے اس کو ترک کیجئے اور شیطانی وساوس سے بچئے (اللہ تعالٰے ہماری اور آپ کی حفاظت فرمائے اور میں اسی سے اپنے لئے اور آپ کے لئے حسن توفیق اور رحمت خداوندی کو مانگتا ہوں۔

میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پیشتر انسان مشرک تھا، چنانچہ اللہ تعالٰے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اس کا اقرار کرنے والے اسلام میں داخل ہو گئے اور مومن ہو گئے اور شرک سے بری ہو گئے اور ان کا مال، جان دوسروں پر حرام ہو گیا، اور مسلمانوں میں ان کا حق قرار دیدیا گیا۔ حالانکہ اس اقرار سے قبل اس معاہدے (اقرار) کے تارک کے لئے یہ حکم نہیں تھا اور اللہ کو اس کا

اسلام میں داخل ہونا مقبول تھا یا قتل یا جزیہ (یعنی اسلام کی طرف بلوانے کے لئے یہ تین شرط تھیں)

اس کے بعد یعنی اسلام لانے کے بعد مومنین پر فرائض نازل ہوئے جن پر ایمان کی حالت میں عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے

الذین آمنوا و عملوا الصٰلحت — جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔

اور اس کے علاوہ مثل اس کے دوسری آیات قرآنیہ موجود ہیں جن سے ظاہر ہے کہ عمل کا ضائع کرنے والا ایمان ضائع کرنے والا (غیر مومن یا بالفاظ دیگر کافر) نہیں ہے، اور اگر ایسا قرار دیا جائے گا تو بجائے ایمان کے اس کا کوئی دوسرا نام تجویز کرنا ہوگا لہذا ایسے لوگ حرمت و حقوق ایمان سے خارج ہوکر اپنی حالت قدیم (شرک) کی طرف لوٹ جائیں گے، اور آپ اس کے فرق سے بخوبی واقف ہیں کہ لوگ ایمان میں تو مختلف المراتب نہیں، ہاں عمل میں مختلف المراتب ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شرع لکم من الدین ما	تمہارے لئے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس
وصی بہ نوحاً والذی	کی وصیت حضرت نوح ؑ کو کی تھی اور
اوحینا الیک وما وصینا	جو کچھ آپ کی طرف ہم نے وحی کیا اور جس کی حضرت
بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ	ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ کو وصیت
ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ	کی تھی کہ دین کو قائم رکھو اور اسمیں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ ایمان باللہ و رسول کی ہدایت مثل فرائض اعمال کے نہیں ہے یعنی یہ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں معلوم نہیں آپکو یہ اشکال کہاں سے پیدا ہوگیا، آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں بس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے

اعتبار سے مومن ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ اطلاقات کئے ہیں کیا آپ اس شخص کو جو خدا اور اس کے رسول کے پہچاننے میں گمراہ ہو اس شخص کے برابر قرار دینگے جو مومن ہو، لیکن اعمال سے ناواقف ہو، اللہ تعالیٰ نے فرائض کی تعلیم کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ان تضل احدٰ ھما فتذکر — اگر ایک گمراہ ہو (بھول گئی ہو) تو

احدٰھما الاخریٰ الآیۃ — دوسری یاد دلادے

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ارشاد فرمایا

فعلتھا اذاً وانا من الضالین — جب میں نے یہ کام کیا تھا تو میں گمراہ

(الآیۃ) — (ناواقف تھا)

اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعوے کے لئے دلیل قاطعہ ہیں اور احادیث تو اور بھی زیادہ واضح ہیں۔ کیا آپ گفتگو کرتے ہوئے کہتے نہیں ہیں " مومن ظالم " مومن مخطی " مومن عاصی " مومن جاہل " مومن مذنب "! یہ ہوتا ہے کہ مومن ناواقف ہے لیکن گنہگار ہے (یعنی ناواقفیت کیوجہ سے لیکن باایں ہمہ عاصی ہے) اور خطا کار ہو لیکن ایمان کی وجہ سے باہدایت ہو۔ خطا کار بھی اور گمراہ بھی ہو جبھی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے زعم باطل میں فرض کر کے) اپنے والد محترم کو کہہ دیا تھا

اِنَّ ابانا لفی ضلال مبین — ہمارا باپ کھلی گمراہی میں ہے

یعنی اس معاملہ میں بھی وہ گمراہی میں مبتلا ہیں، نعوذ باللہ، یہ آپ پر اعتراض نہیں ہے حاشا اللہ آپ خود قرآن کے بڑے عالم ہیں یعنی اس تقریر سے مقصود آپ پر اعتراض نہیں بلکہ الفاظ اور معنی اور حقائق کے فرق کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

(اور ملاحظہ فرمائیے) حضرت عمرؓ حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور

اعمال کے پابند تھے۔ حضرت علی رضؓ نے اہل شام کو (جو ان سے لڑے تھے) مومن کہا، کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے، کیا آپ قاتلین مقتولین دونوں کو برسر حق قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ اور طرفداران علیؓ کو) برسر حق تسلیم کرینگے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اسکو خوب سمجھ لیجئے اور غور کر لیجئے کہ میرا یہ قول ہے (اھل القبلة مومنون) اہل قبلہ مومن ہیں۔ میں کسی فرض کے ترک کیوجہ سے کسی کو ایمان سے خارج نہیں کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں جس نے تمام فرائض کو ادا کیا وہ اہل جنت ہے اور جس نے ایمان و عمل دونوں کو ترک کر دیا وہ کافر اور دوزخی ہوا اور اگر کسی مومن نے کوئی فرض ترک کر دیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے اس کی مغفرت کر دے اور چاہے اس کو عذاب دے۔

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا آپس کا اختلاف اللہ تعالیٰ اس سے بہتر واقف ہے اس بارے میں مجھے آپ کی رائے نہیں معلوم کہ کیا ہے اور آپ اہل قبلہ کو ترک فرائض کی وجہ سے کیا کہتے ہیں۔ میں نے جو کچھ عرض کیا وہی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلک ہے اور وہی سنت ہے اور وہی فقہ ہے حضرت نافع نے بھی فرمایا ہے کہ یہی قول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے اور عبدالکریم نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہی حضرت علی رضؓ کا ارشاد ہے اور انہوں نے اپنی کتاب القضاء میں دونوں جماعتوں کو مومن کہا ہے اور یہی عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ہے۔ اسی قول کو میں نے اہل عدل سے اخذ کیا ہے۔

اگر مجھے کلام کے طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں آپکی تسلی خاطر کے لئے اور زیادہ بسط سے تحریر کرتا پھر اگر آپکو شک ہے اور اہل بدع میری طرف سے آپکو اور کوئی چیز منسوب کر کے بتلائیں تو آپ اس کی اطلاع مجھے ضرور دیں میں انشاء اللہ اسکا جواب دونگا

واللہ المستعان رزقنا اللہ منقلباً کریماً وحیاۃً طیبۃً والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والحمد للہ رب العالمین والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین [1]

---

[1] معجم المصنفین ص۱۹۲ تا ۱۹۶ ج ۱

فقہ اکبر اور امام ابوحنیفہؒ

فقہ اکبر امام ابوحنیفہ ہی کی کتاب ہے لیکن افسوس کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے سیرت النعمان میں اسی راہ کو اختیار کیا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ وجہ انکار کیا ہے۔ ہاں راقم الحروف کے نزدیک فقہ اکبر امام صاحب ہی کی تصنیف ہے جس سے انکار مشکل ہے۔

فقہ اکبر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب ہے یا نہیں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر دو فریق (منکرین اور مثبتین) نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی تالیف سیرت نعمان میں فرمایا ہے کہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں ہے اور آخر میں فرمایا ہے:-

ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے، لیکن تمام واقعات بھی لکھ دئیے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں بلکہ اہل تحقیق کے لئے دعوت ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی تحقیق کا سلسلہ جاری رکھیں۔ یہ رائے غلط ہے یا صحیح اس کا تجزیہ تو ہم ذیل میں کرینگے۔ لیکن اسی رائے کے مقابلہ میں دو رائیں اور پیش کر دیں۔

(۱) مولانا فقیر محمد صاحب لاہوری نے صاحب اتحاف النبلا کا رد کرتے ہوئے اپنی کتاب "حدائق الحنفیہ" میں تحریر فرمایا ہے۔

متعصب صاحب کا یہ قول کہ (امام ابوحنیفہ سے کوئی تالیف بھی بسند صحیح ماثور نہیں اور ایک جماعت علماء نے اس سے انکار کیا ہے) پایۂ اعتبار سے بالکل عاری ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ان کی تالیف سے منکر نہیں ہوا، صرف بعض معتزلہ لوگوں نے انکار کیا ہے سو ان کا قول قابل اعتبار نہیں

امام ابو حنیفہ کی تالیف میں سے کتاب فقہ اکبر، کتاب العالم والمتعلم وکتاب الاوسط
کتاب الوصیۃ، کتاب المقصود السیٰ مشہور و معروف ہیں کہ محتاج سند نہیں
اوران کی سند ہی دیکھنی ہو تو قاضی ابو زید کی کتاب الزکوۃ النحارزح اور ابو سہل الزجاجی
کی کتاب طہارت کے باب الحیض اور ابو علی الدقاق کی کتاب النکاح کے باب العدۃ
اور ابو المنصور ماتریدی کی کتاب الزکوۃ کے باب زکوۃ السوائم اور کتاب الوکالت
البیع والشراء اور ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النکاح کے باب المہر کو دیکھو[۱]

(۲)، علامہ کردری نے مناقب کے ص۱۰۱ پر تحریر فرمایا ہے۔

فان قلت لیس لابی حنیفۃ	اگر تو یہ کہے کہ امام صاحب کی کوئی
کتاب مصنف قلت ھذا	تصنیف نہیں ہے تو میں کہتا ہوں
الکلام المعتزلۃ ودعواھم	یہ بات معتزلہ کی ہے کہ ان کا دعویٰ
انہ لیس لہ فی علم الکلام	ہے کہ امام صاحب کی علم کلام میں
تصنیف غرضھم بذلک	کوئی کتاب نہیں اس سے ان کی
نفی ان یکون الفقہ الاکبر	غرض فقہ اکبر اور العالم والمتعلم کا
وکتاب العالم والمتعلم	امام صاحب کی تصنیف ہونے سے
لہ لانہ صرح فیہ باکثر	انکار کرنا ہے، اس لئے کہ امام صاحب
قواعد اھل السنۃ والجماعۃ	نے اس کتاب میں اہل سنت و
ودعوھم انہ کان من المعتزلۃ	الجماعت کے بہت سے قواعد ذکر
وذلک الکتاب لابی حنیفۃ	کئے ہیں اور معتزلہ کا دعویٰ کہ امام
البخاری وھذا غلط صریح	صاحب معتزلی تھے، اور یہ کتاب
فانی رأیت بخط العلامۃ	ابو حنیفہ بخاری کی ہے غلط ہے
مولانا شمس الملۃ والدین	کیونکہ میں نے علامہ کردری براتیقی
الکردری البراتیقی العماری	العماری کے ہاتھ سے ان دونوں
ھذین الکتابین وکتب فیھما	کتاب پر لکھا دیکھا ہے کہ یہ کتاب

---

(۱) حدائق الحنفیہ

انهما لابی حنیفة وقد تواطاء علی ذلك جماعة کثیرة من المشائخ	ابوحنیفہ کی ہے اور اسی پر مشائخ کی ایک جماعت کثیرہ نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابوحنیفہ بخاری، اور فقہ اکبر از امام ابوحنیفہ) کو علامہ برانقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا تھا "الفقہ الاکبر لابی حنیفہ، علامہ برانقی عمادی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، سن وفات ۵۵۹ھ ہے ایک معتبر فقیہ اور محدث ہیں۔ ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لابی حنیفہ لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں بلکہ غرض انکی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ الکوفی ہیں اور اس بات پر کہ فقہ اکبر دو ہیں جس کے مصنف علیحدہ علیحدہ ہیں مذکورہ دونوں صاحب اور مشائخ کی ایک جماعت کثیر نے اتفاق کیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں اور فقہ اکبر کے متعلق اختلاف آراء کو دیکھنے کے بعد ایک خلجان پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور رائیں کیا ہیں۔ کوئی فقہ اکبر کو امام صاحب کی کتاب بتاتا ہے کوئی فقہ اکبر کو ابوحنیفہ بخاری کی کتاب بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ مصنفوں کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ایک فقہ اکبر ابوحنیفہ بن یوسف کی اور ایک ابو مطیع بلخی کی ہے اور ہر ایک کے پاس کچھ دلائل و قرائن ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے کلام کریں اور اصل حقیقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کریں (اس سے مقصود تحقیق ہے تنقید و تبصرہ نہیں ہے۔

فقہ اکبر کا تاریخی پس منظر

فقہ اکبر دو ہیں اور اتفاق سے دونوں کے

مصنف کا نام بھی ابو حنیفہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ایک ابو حنیفہ بن نعمان بن ثابت الکوفی المعروف بالامام الاعظم صاحب مسلک حنفیہ، اور دوسرے ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی فقہ اکبر ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے یعنی تمام مسائل اس کے حَدَّثَنَا کہہ کر بیان کئے گئے ہیں جس کے راوی ابو مطیع البلخی ہیں جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی ہے ابو مطیع بلخ کے رہنے والے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور احادیث ابن عون، ہشام بن حسان، ابراہیم بن طہمان سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے بھی ایک جماعت کثیر نے روایت کی ہے مثلاً احمد بن منیع و قلاد بن اسلم الصفار ابن مبارک ان کے علم اور فقہ کی قدر کرتے ہیں اور ان کے بہت زیادہ مداح ہیں۔ ۱۶ سال تک بلخ کے قاضی رہے ۱۹۷ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا، یہی فقہ اکبر کو امام صاحب سے روایت کرتے ہیں چنانچہ آئندہ سطور میں ہم ان کے فقہ اکبر کو فقہ اکبر مرویہ کے نام سے یاد کریں گے الحمد للہ کہ اصل نسخہ ہمارے پاس موجود ہے جس کی ابتدائی سند یہ ہے اخبرنا الشیخ الامام الزاهد الاستاذ سیف الحق والدین قامع البدعة والضلالة ابو المعین میمون بن المعتمد المکحولی النسفی انار اللہ برهانهٗ وانه قال الشیخ الامام ابو عبد اللہ الحسین ابی الحسین الکاشغری الملقب بالفضل قال ابو مالك نصر بن حم الختلی قال حدثنا ابو الحسن علی بن الحسین بن محمد الغزالی قال حدثنا نصیر ابن یحی الفقیه قال سمعت ابا مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی قال سالت ابا حنیفة النعمان بن ثابت۔ اور فقہ اکبر ابو حنیفہ بن یوسف بخاری کا طرز عبارت یہ نہیں ہے بلکہ اس کا طرز عبارت مابعد کے زمانہ کا ہے اس کے مصنف نے بہت سے

مسائل اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے اور جن مسائل کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے وہ اس کتاب میں اقتباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مرورِ ایام کی وجہ اور کاتبین و ناسخین کی غلطی سے بہت کچھ ردوبدل ہوگیا ہے الحمدللہ کہ اس کا صحیح نسخہ ہمارے پاس ہے جس کو ہم امام صاحب کیطرف منسوب کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب

فقہ اکبر اور علماء صاحب کشف الظنون نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ابو مطیع بلخی نے فقہ اکبر کو خاص امام ابو حنیفہ سے روایت کیا اور اسکے بہت شراح ہیں مثلاً محی الدین بن محمد سنہ ۶۵۶ھ مولی الیاس بن ابراہیم سینوبی مولی احمد بن محمد سنہ ۹۳۹ھ ابراہیم بن حسام الکرمانی سنہ ۱۰۱۶ھ ملا علی قاری، صاحب کشف الظنون نے جن شروحات فقہ اکبر کا انتساب امام سے کیا ہے وہ اگر غور سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر مشہور کی شروحات ہیں نہ کہ فقہ اکبر مرویہ کی۔ لوگ امام صاحب کی تصانیف کو پیاسوں کی طرح تلاش کر رہے تھے اسی کو نعمتِ باردہ سمجھا اور بخاری کی کتاب کو امام صاحب کی تصنیف سمجھ لیا

علامہ عبدالرسول برزنجی نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے ابو حنیفہ کا صحیح نسخہ ملا ہے جس کی روایت ابو مطیع تک پہونچتی ہے اور یہ فقہ اکبر سنہ ۶۵۱ھ کا کتابت کیا ہوا ہے علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ علامہ قاری نے جس فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے وہ ابو حنیفہ بخاری کا فقہ اکبر ہے ابو حنیفہ بخاری کے فقہ اکبر کی عبارت اس طرح ہے قال الامام قدوۃ الانام الکوفی لہٰذا اس کتاب میں وہ مسائل بھی اضافہ ہیں جو امام صاحب سے مروی نہیں ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے یہ خیال نہ فرمایا کہ فقہ اکبر کی جن شروحات کا حوالہ انہوں نے دیا ہے وہ سب کی سب سنہ ۹۰۰ھ کے بعد کی پیداوار ہیں اگر یہ شروحات اصل فقہ اکبر کی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ متقدمین مثلاً ابو اللیث سمرقندی امام طحاوی وغیرہ حضرات متقدمین نے کیوں نہ اس کی شروحات لکھیں لہٰذا فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے

(۲) علامہ کردری برانیقی عمادی نے ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔ علامہ برانیقی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں ۵۵۹ھ میں وفات پائی ایک ثقہ محدث و فقیہ ہیں ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے غلط لکھدیا ہے۔

(۳) فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع کی روایت سے مروی ہے نہ کہ فقہ اکبر مشہور

(۴) فقہ اکبر مشہور میں جہاں کہیں قال ابو حنیفہ قدوۃ الانام لکھا ہے وہ اقتباس ہے فقہ اکبر مرویہ کا اور بعض جگہ ناسخین کا تصرف ہے۔

(۵) جو جرح اور تنقید فقہ اکبر کی جاتی ہے وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق ہوتی ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر

(۶) ابن تیمیہ نے حمویہ میں فقہ اکبر مرویہ کے جو خصوصیات لکھے ہیں وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق نہیں ہوتے۔

(۷) فقہ اکبر مرویہ کو چند اصحاب ابی حنیفہ نے بھی ابو مطیع سے روایت کیا ہے جو مجروح نہیں ہیں [۱]

(۸) شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل انصاری ہروی نے فقہ اکبر مرویہ سے روایت کی ہے [۲]

(۹) حافظ ذہبی نے کتاب مسئلہ علو میں لکھا ہے روی ابو المطیع الحکم بن عبداللہ فی الفقہ الاکبر معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے [۳]

(۱۰) ابن قدامہ مقدسی اور ابن قیم نے بھی فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا ہے [۴]

(۱۱) علامہ قونوی کی روایات بھی اسی قسم کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

(۱۲) علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ فقہ اکبر مشہور ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے اور فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

---

[۱] مہر انور [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً

(۳) جو مسائل فقہ اکبر مشہور میں ہیں مثلاً کفر والدین رسول اللہ صلعم وہ مرویہ میں نہیں ہیں۔ امام صاحب کی طرف اس مسئلہ کو منسوب کرنا ان پر افترا ہے یہی حافظ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں لکھا ہے

شبہات کا ازالہ

(۱) فقہ اکبر پر کچھ شکوک اور شبہات قائم کیے جاتے ہیں مثلاً علامہ شبلی اور ابوزہرہ مصری کو اشکال ہے کہ فقہ اکبر میں جن اصطلاحات مثلاً بالکیف، بالعرض، بالذات کا ذکر ہے اور جن مسائل مثلاً کرامات اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے یہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔ امام صاحب کے زمانے میں ان کا وجود نہیں تھا، بیشک لیکن یہ شک فقہ اکبر مشہور پر کیا جاسکتا ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر۔ فقہ اکبر مرویہ میں نہ یہ اصطلاحیں ہیں اور نہ ان مسائل کا ذکر ہے۔

(۲) مولانا شبلی کو یہ شک ہے کہ اگر فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب ہے تو صاحبین نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ جواب اس کا ظاہر ہے عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں ہم ایسے مسائل بھی دکھلا سکتے ہیں کہ امام ابویوسف نے ان کو ذکر کیا ہے، لیکن امام محمد اس کی روایت قال بعض سے کرتے ہیں اور امام ابویوسف کا نام نہیں لیتے۔ کیوں؟ اس کی وجہ اگر دریافت کرنی ہو تو حاشیہ طحطاوی علی المراقی اور کبیری میں زیر مسئلہ فی الصلوٰۃ فسد سالم دریافت کرنی چاہیئے غرضکہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے اور یہی حق بھی ہے کیونکہ فقہ اکبر مرویہ کو اگر دیکھا جائے تو ابو مطیع کی حیثیت محض ایک سائل کی ہے انہوں نے امام صاحب سے سوال کیا ہے اور امام صاحب نے اس کا جواب مدلل قرآن و حدیث سے دیا نہایت سیدھی اور صاف عبارت ہے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جو مابعد کی پیداوار ہے (اگر مضمون کے طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس کے اقتباسات بھی پیش کردیتے) فقہ اکبر مرویہ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی مستفتی سوال کرے اور مفتی

اس کا جواب عنایت فرمائے بعد میں یہ مستفتی ان سب فتاویٰ کو ایک جگہ جمع کر کے شائع کردے تو اس سے وہ مستفتی کی کتاب نہیں ہوتی۔ مثلاً فتاویٰ امدادیہ کو حضرت تھانوی اور فتاویٰ رشیدیہ کو حضرت گنگوہی کی کتاب کہا جاتا ہے نہ کہ مستفتی صاحبان کی۔ اسی طرح مثال کے طور پر مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی کی کتاب ہے نہ کہ نجم الدین اصلاحی اور دیگر مکتوبات الیہم کی، بس بالکل یہی حال فقہ اکبر مرویہ کا ہے ابو مطیع کا ایک لفظ بھی اس میں موجود نہیں ہے تو پھر کیا معنیٰ ہیں کہ اس کتاب کو ابو مطیع کی کتاب قرار دیا جائے حق اور انصاف یہی ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے لیکن مجھے اس رائے کے اوپر اصرار نہیں ہے اور نہ اس کے قبول کرنے پر کوئی مجبور ہے میں اپنی رائے کو کسی کے سر نہیں تھوپنا چاہتا[1]

امام ابوحنیفہ رح کی تصانیف اور کتابوں کے بارے میں ہم نے یہاں تک جو کچھ تحریر کیا ہے وہ نہایت تحقیق کے بعد تحریر کیا ہے اور اس کے وجوہات اور دلائل پیش کئے ہیں۔ لیکن ہمارے بعض معاصرین نے تحریر فرمایا ہے کہ ہم نے محض زبردستی کی ہے لیکن اس کی وہ وجہ نہیں بیان کرسکے کہ زبردستی سے ان کی مراد کیا ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ ہم نے دوسروں کی کتابوں کو خواہ مخواہ امام صاحب کیطرف منسوب کیا ہے تو پھر اسکا کیا جواب ہوگا جو امام محمد رح نے کتاب الاوسط کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

انہ استعار منی کتاب الاوسط لابی حنیفۃ و حفظہ فی یوم ولیلۃ (مرقاۃ)	امام شافعی رح نے مجھ سے امام ابوحنیفہ رح کی کتاب الاوسط مانگی اور اسکو ایک دن رات میں یاد کرلیا۔

یہ ارشاد امام محمد رح نے امام شافعی صاحب رح کے محامد میں بیان فرمایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ امام محمد صاحب رح کے پاس امام ابوحنیفہ رح کی کتاب الاوسط موجود تھی جس کو

---

[1] علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ فقہ اکبر کا ایک نسخہ بروایت حماد بن ابی حنیفہ بھی مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں موجود ہے، اس نسخہ میں علامہ ابراہیم کورانی کی سند بھی موجود ہے (از مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی)

امام شافعی صاحبؒ نے طلب فرما کر یاد کیا۔ عربی زبان میں جب کسی کتاب پر کسی مصنف کا نام لکھا جاتا ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ " لفلانٍ " لام حرفِ جار کلمہ ہی فائدہ اور اسی نسبت کو ظاہر کرتا ہے عربی کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ لام اختصاص کے لئے بھی آتا ہے۔ مراد اس سے یہی ہے کہ "الاوسط" امام ابوحنیفہؒ کی کتاب ہے۔ اسی طرح اور دوسری کتابیں بھی ہیں خصوصاً فقہ اکبر کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے البتہ فقہ اکبر مروجہ کو امام صاحب کیطرف منسوب کرنا انتہائی نادانی اور لاعلمی کی بات ہے اور یہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ فقہ اکبر مروجہ امام ابوحنیفہؒ کی کتاب نہیں ہے یہ ابوحنیفہ بخاری کی کتاب ہے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب یازدہم

امام ابو حنیفہؒ کی عملی زندگی

تصوّف ، عبادات
اخلاقیات ، معاملات

مآخذ وحوالہ جات

۱ مناقب — از علامہ موفق
۲ سیرت النعمان — از علامہ شبلی
۳ مناقب — از علامہ کردری
۴ رسالہ چٹان — از شورش کاشمیری
۵ نفحات الانس — از مولانا عبدالرحمن جامی
۶ کشف المحجوب — از شیخ ہجویری
۷ مکتوبات — از حضرت مجدد الف ثانی
۸ مکتوب — از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
۹ الانتباہ — از شاہ ولی اللہ
۱۰ موضوعات کبیر — از ملا علی قاری
۱۱ تذکرۃ الخلیل — از مولانا عاشق الہٰی میرٹھی
۱۲ لغات القرآن — از مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی

حُلیہ شریف

یوں تو سب ہی انسان اپنی تخلیق و تقویم میں تمام مخلوقات سے اشرف ہیں کوئی دوسری مخلوق دلربائی اور دل آویزی میں اس کی ہمسر نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ الآیۃ — ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ — تمہاری صورتیں بنائیں تو خوب اچھی بنائیں

اس مشترک خوبی میں انسانوں کے مراتب ہیں، کوئی ان میں سے یوسف ہے تو کوئی نہایت کریہہ المنظر اور زشت رو۔ بایں تفاوت اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ ظاہری زیب و زینت قبولیت کا مدار نہیں ہے۔ بہت سے خوبرو نہایت بدخو ہوتے ہیں اور بہت سے بدرو خوش خو ہوتے ہیں اور اسی پر قبولیت اور شرافت کا مدار ہے حضرت بلال حبشی رضؓ، حضرت سعد الاسودؓ اور حضرت عطاء بن رباح (مشہور تابعی) ظاہراً کیسے تھے لیکن باطناً ان کو وہ مقام حاصل ہے جس سے شرمندہ آفتاب و ماہتاب ہے۔

"خاک کے پردے میں ہیرے کی کمی ہوتی ہے"

حضرت امام ابوحنیفہ انہیں خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو ظاہری و باطنی ہر قسم کی دلربائی حاصل ہے آپکا حلیہ بیان کرنے والے حضرات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب میانہ قد تھے یعنی نہ بہت پست

اور نہ بہت زیادہ دراز، حسین صورت اور شیریں کلام تھے

۲- حماد بن ابی حنیفہ کہتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش لباس تھے اور اس قدر خوشبو استعمال کرتے تھے کہ ہم لوگ محض خوشبو ہی سے پتہ لگا لیتے تھے [۱] کوئی اس راہ سے ہو کر گیا ہے۔

۳- ابونعیم کہتے ہیں کہ امام صاحب نہایت خوبصورت اور نہایت خوش لباس تھے آپ کی ریش مبارک نہایت خوبصورت تھی آپ جوتا اور کپڑا بہت عمدہ پہنتے تھے [۲]

۴- ابو مطیع بلخی کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کو نہایت قیمتی چادر پہنے دیکھا جس کی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی [۳]

۵- ایک دن نصر بن محمد امام صاحب سے ملاقات کے لئے گئے امام صاحب کہیں باہر جانے کی تیاری فرما رہے تھے، ان سے کہا ذرا دیر کے لئے مجھے اپنی چادر دیجئے۔ جب امام صاحب واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لیکر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ نصر کہتے ہیں کہ وہ چادر میں نے پانچ دینار کی خریدی تھی اور مجھ کو اس پر ناز تھا اسلئے امام صاحب کی شکایت پر تعجب ہوا۔ دوسرے موقعہ پر جب میں نے امام صاحب کو دیکھا تو آپ تیس دینار کی چادر اوڑھے تھے تو میرا تعجب جاتا رہا [۴]

۶- امام صاحب گو درباریوں سے کوسوں دور رہتے تھے لیکن خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے جو ٹوپی مقرر کی تھی (جس کا رنگ سیاہ تھا) یہ بھی آپ کے پاس بیک وقت سات سات ہوتی تھیں [۵]

امام صاحب کی یہ ظاہری لطافت اور طہارت ان کی نظافت طبع پر دلالت کر رہی ہے جس سے انسانی اخلاق و عادات کو معلوم کرنے میں کافی امداد ملتی ہے۔ امام صاحب کے اخلاق و عادات، معاملات وغیرہ تمام چیزوں کا تذکرہ کرنے کے لئے ہم نے ایک جامع لفظ "تصوف" کو اختیار

---

[۱] موفق ص۸ [۲] ایضاً [۳] سیرۃ النعمان ص۳ [۴] ایضاً [۵] البنایہ ص۲

کیا ہے اسی کے ضمن میں ہم تمام چیزوں کو بیان کرینگے کیونکہ ہمارے نزدیک تصوف تمام چیزوں پر حاوی ہے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جیسا کہ بعض جاہلوں نے خیال کر رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ علمائے دین وفقہائے شرح متین میں وہ تمام خصوصیات ہوتی ہیں جو ایک ولی میں ہونا ضروری ہیں امام صاحب فرماتے ہیں:-

ان لم تکن فی الدنیا والآخرۃ	اگر دنیا و آخرت میں علماء و فقہاء اولیاء اللہ
العلماء والفقہا اولیاء اللہ	نہیں ہیں تو اللہ کا کوئی ولی نہیں ہے
تعالیٰ فلیس للہ ولی قال اللہ	اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ
تعالیٰ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اٰمَنُوْا۔ اور علماء فقہا کو اللہ تعالیٰ کی
والعلماء والفقہاء اشد معرفۃ	سب سے زیادہ معرفت حاصل ہوتی
باللہ تعالیٰ [1]	ہے۔

اس نقطۂ نظر کے تحت امام صاحب کا مقام ظاہر ہے

---

[1] کردری ص۱۷

امام ابوحنیفہ اور تصوّف

تصوف متعارف اور اس کا نام قرن اول اور ثانی میں نہیں ملتا۔ اور حدیث و آثار صحابہؓ میں بھی اس کا ذکر نہیں پایا جاتا یہ زیادہ سے زیادہ دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

ان هذا التعبير من الزاهد	زاہد کو صوفی کہنا یہ دوسری صدی
بالصوفي حدث في اثناء	کے درمیان سے ہے اس لئے کہ
المائة الثانية لان لباس	موٹے کپڑے زاہدوں میں زیادہ
الصوف كان يكثر في الزهاد	مستعمل ہوتے تھے اور جس نے یہ
ومن قال انه نسبة الى	کہا کہ یہ صُفّہ کی طرف منسوب ہے
الصُفّة التي نُسب اليها كثير	جس کی طرف بہت سے صحابہ منسوب ہیں
من الصحابة ويقال فيهم	اور انکو اہل صفہ کہا جاتا ہے یا یہ صفا
اهل الصُفّة او نسبة الصفا	یا صف اول یا صوفہ بن مروان بن
او الصف الاول او صوفه	اد بن طانجہ یا صوفۃ القفا کی
بن مروان بن اد بن طابخه	طرف منسوب ہے تو یہ سب کے
او صوفة القفا فهي اقوال	سب اقوال ضعیف ہیں۔
ضعيفة [1]	

مولانا عبدالرحمٰن جامی تحریر فرماتے ہیں:۔

اول کسے کہ وے را صوفی	وہ سب سے پہلا شخص جس کو صوفی
خواندند ابوہاشم بود پیش	کہا گیا ہے ابوہاشم ہیں ان سے پہلے

---

[1] جلاء العینین ص ۶۲ از ہفت روزہ چٹان لاہور

ازوے کسے را بایں نام	کسی کو اس نام سے نہیں
نخوانده بودند[1]	پکارا گیا

حضرت ابوہاشم صوفی کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے ان ہی کو امام سفیان ثوری نے صوفی کے نام سے یاد کیا ہے فرمایا ہے اگر وہ نہ ہوتے تو ہم ریا کے دقائق سے واقف نہ ہوتے اسی طرح امام حسن بصری نے بھی پہلے پہل اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

رائیت صوفیاً فی الطواف	میں نے ایک صوفی کو طواف میں دیکھا

بہر حال یہ لفظ دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے اس سے قبل اس کی حقیقت ضرور تھی اگرچہ اس وقت اس کا یہ نام نہ تھا۔ شیخ ہجویری نے کشف المحجوب میں شیخ ابوالحسن فوشنجہ کا قول تحریر فرمایا ہے۔

التصوف الیوم اسم ولا حقیقة	تصوف آج کل ایک بے حقیقت شے
وقد کان حقیقة ولا اسم[2]	ہے اس سے قبل حقیقت تھا جس کا نام نہ تھا

شیخ ہجویری نے اس مقولہ کی شرح میں لکھا ہے صحابہ و سلف کے زمانے میں یہ نام (تصوف) نہ تھا لیکن اسکی روح اور حقیقت سب میں موجود تھی، کیونکہ تصوف مومن کی عملی زندگی کا نام ہے یعنی شریعت حقہ پر کامل طور سے محض رضائے باری کے عمل کرنے کو تصوف کہتے ہیں۔ لیکن اس لفظ کو اختیار کرنے کے دواعی کیا تھے۔

جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ان ہی میں زہاد پائے جاتے ہیں اسلئے خواص اہل سنت تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی ہجری میں ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی[3]

اس عبارت میں تقریباً وہی چیز موجود ہے جو علامہ ابن تیمیہ وغیرہ حضرات نے اس کی ابتدا کے بارے میں فرمائی ہے۔ مزید برآں یہ کہ سبب ایجاد بھی معلوم ہو گیا۔ نیز یہ کہ اہل سنت ہی حقیقی معنی میں صوفی ہوتے ہیں نہ کہ اہل بدع، بہر حال اس کی ابتدا ۱۵۰ھ یا ۱۶۰ھ ہے اس زمانے میں ابوہاشم کو صوفی کہا جاتا تھا اور

---

[1] نفحات الانس ص ۳ [2] کشف المحجوب ص ۳۱ [3] نفحات الانس

امام صاحب کا انتقال سنہ ۱۵۰ھ میں ہو چکا تھا میرے ایک مکتوب کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے تحریر فرمایا:۔

متعارف سلوک تو صحابہ اور تابعین کے دور میں نہ تھا، البتہ اصل ہر چیز کی وہاں ملتی ہے اس لئے امام صاحب کا سلوک بھی اسی نوع کا تھا جو نوع اس زمانے میں متعارف تھی۔ سلوک کے اہم اجزاء، ورع، خشوع انابۃ الی اللہ، تجرد عن الخلق، تبتل الی اللہ، کثرت عبادت، کثرت ریاضت یہ سب اجزاء امام صاحب کے سوانح میں بکثرت ملیں گے[1]

شریعت اور تصوف کے شہسوار اور ان دونوں چیزوں کے مسلم رہنما ہزارہ دوم کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی تحریر فرماتے ہیں

شریعت کے تین جزو ہیں علم و عمل، اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہو گئی تو رضائے باری تعالےٰ حاصل ہو گئی اور یہی دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے افضل ہے[2]

تصوف کی اصل یہ ہے جس کو آج کل کی اصطلاحات نے کیا سے کیا بنا دیا ہے میرے نزدیک ہندوستان میں تصوف سنیاسیت سے اتنا متاثر ہے جتنا اسلام سے نہیں۔

بیعت یا صحبت

تصوف کے باب میں صحبت کو بڑا دخل ہے اگر یہ حاصل نہ ہو تو شاید کچھ بھی حاصل نہ ہو اسی صحبت کی وجہ سے حضرات صحابہ اس اعزاز کے مستحق ہوئے ہیں۔

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ — اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے

یہی اعزاز حضرات تابعین کو ملا

والذین اتبعوھم باحسان — اور وہ جنہوں نے صحابہ کی نیکیوں میں اتباع کی اللہ ان سے

---

[1] مکتوب حضرت شیخ الحدیث [2] مکتوب ۳۶ دفتر اول

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ — راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے

اسی صحبت کیوجہ سے حضرت ابوبکر صدیق مقام صدیقیت پر فائز ہوئے اور اسی کیوجہ سے حضرت ابوذر رضہ کو مقام جذب وفنا حاصل ہوا غرضکہ صحبت کو تبدیل احوال اور تربیت اخلاق میں بڑا دخل ہے

حضرت امام ابوحنیفہ اسی مبارک زمانہ (خیر القرون) ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور اسی میں پلے بڑھے اور اسی دور میں وفات پاگئے، لہذا حضرات صحابہ کی صحبت ان سے ملاقات، اسی طرح جلیل القدر تابعین کی صحبتیں اور ان سے ملاقات جس قدر امام صاحب کو حاصل ہوئیں کسی دوسرے کو شاذ ہی حاصل ہونگی اور جبکہ مروجہ سلوک وتصوف کے متعلق گذشتہ سطور میں بیان کیا جاچکا ہے تو اب امام صاحب کے بیعت ہونے یا ان کے خرقۂ خلافت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر جبکہ خود امام حسن بصری کے بارے میں بھی سخت اختلاف موجود ہے موضوعات کبیر میں ملا علی قاری نے تحریر فرمایا ہے

خرقۂ خلافت کی اصل

صوفیاء کا خرقہ پہنو اور حسن بصری نے اس خرقہ کو حضرت علی رضہ سے پہنا ہے ابن دحیہ اور ابن صلاح فرماتے ہیں یہ باطل ہے اسیطرح امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ اسکی سندات میں کوئی بھی سند ایسی نہیں ہے جو ثابت ہو اور اس مضمون پر کوئی حدیث جو صحیح، حسن، یا ضعیف ہو موجود نہیں ہے کہ نبی کریم صلعم نے کسی صحابی کو اس فعل کا حکم دیا اور جو اس بارے میں روایتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب باطل ہیں پھر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان تہمت لگانے والوں کے جھوٹ میں یہ بات بھی موجود ہے کہ حضرت علی رضہ نے یہ خرقہ حضرت حسن بصری کو پہنایا۔ حضرت حسن بصری ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں لیکن تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت حسن بصری کو حضرت علی رضہ سے سماع حاصل نہیں ہے کجا کہ حضرت علی رضہ کا ان کو خرقہ پہنانا۔

علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے شیخ ہی منفرد نہیں بلکہ ایک جماعت نے اس پر عمل کیا ہے جیسے دمیاطی، ذہبی، ابن حبان، علائی، عراقی، ابن الملقن اور برہان وغیرہ، ایک قوم کی مشابہت اور ان کے طریقہ کو متبرک سمجھتے ہوئے کیونکہ انہیں جو صحبت متصلہ سے حصہ ملا ہے کمیل ابن زیاد کے واسطے سے اور وہ حضرت علی رضہ کے ساتھ رہے۔

اور بعض سندات میں خرقہ کا تعلق اویس قرنی سے بتایا جاتا ہے کہ حضرت اویس رضہ حضرت عمر رضہ اور حضرت علی رضہ کے ساتھ جمع ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں ایسے ہی صوفیا میں جو تلقین کی نسبت پائی جاتی ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے

اسی طرح خرقہ کی نسبت حضرت اویس رضہ کیطرف کہ نبی کریم صلعم نے اپنے خرقہ کی وصیت ان کے لئے کی اور حضرت عمر رضہ اور حضرت علی رضہ نے ان کے سپرد کیا اور وہ اویس کے ذریعہ ان صوفیا تک پہونچا اور اسی طرح چلتا رہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے [۱]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

ارباب طریقت کے نزدیک حضرت حسن بصری حضرت علی رضہ کی جانب یقینی منسوب ہیں لیکن محدثین کے نزدیک یہ انتساب نہیں ہے [۲]

یہ ہے متعارف تصوف کی اصل وحقیقت اب ہم امام صاحب کے تصوف کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی ان اجزاء تصوف کو بیان کرتے ہیں جو تصوف کی روح ہیں۔

کثرت عبادت

امام صاحب کے تذکرے ایسے واقعات سمیٹے ہوئے ہیں کہ جن کی وجہ سے آج بھی قلوب کو نورانیت طمانینت حاصل ہوئی ہے ان میں سے چند روایتوں کو اس جگہ پیش کیا جارہا ہے۔

---

[۱] موضوعات کبیر مطبوعہ کراچی ص ۳۰۲، ص ۳۰۳ [۲] الانتباہ ص ۱۳۱

۱۔ امام صاحب رمضان میں ۶۰ قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے ایک دن میں اور ایک رات میں

۲۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو دیکھا کہ انہوں نے نماز میں صرف اسی ایک آیت پر پوری رات گزار دی۔ آیت یہ ہے
بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ وامر

۳۔ حضرت محارب بن دثار کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ اچھا شب بیدار نہیں دیکھا

۴۔ ابوعاصم نبیل کہتے ہیں کہ امام صاحب کو قیام صلوٰۃ اور کثرت عبادت کی وجہ سے میخ کہا جاتا تھا۔

۵ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایام حج میں مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ رح سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا

۶۔ یحییٰ بن ایوب زاہد کہتے ہیں کہ امام صاحب رات کو نہیں سوتے تھے

۷۔ اسد بن عمر کہتے ہیں امام صاحب نے چالیس سال تک عشا کی وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے آپ اکثر ایک ہی رکعت میں قرآن مجید ختم کرتے تھے ابن مبارک نے بھی اس روایت کی تائید کی ہے

۸۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے پورا قرآن شریف وتر میں ختم کیا ہے

۹۔ حسن بن عمارہ کہتے ہیں اللہ تعالےٰ امام ابوحنیفہ پر رحم فرمائے کہ انہوں نے تیس سال تک نہ افطار کیا اور نہ چالیس سال تک رات کو بستر سے کمر لگائی۔

۱۰۔ ابوزایدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب کے ساتھ انکی مسجد میں عشار کی نماز پڑھی جب سب لوگ چلے گئے تو میں ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا تو امام صاحب نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے جب آپ اس آیت پر پہونچے فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ تو اسی کی تکرار فرماتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی

۱۱- یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اور امام صاحب نے عشاء کی نماز علی حسن موذن کے پیچھے پڑھی۔ اس نے سورۂ اذا زلزلت الارض کی قراءۃ کی نماز کے بعد سب لوگ تو چلے گئے۔ لیکن امام صاحب اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ٹھنڈی سانسیں لیتے رہے۔ میں آپ کی توجہ ہٹ جانے کے خیال سے اٹھ کر چلا گیا اور روشنی کا قندیل (لالٹین) وہیں چھوڑ آیا۔ لیکن چونکہ اس میں تیل کم تھا اس لئے اس کی روشنی دھیمی کر دی تھی جب میں صبح ہوتے ہی پہونچا تو آپ اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے رو رہے تھے اور فرما رہے تھے

اے وہ ذات! جو لوگوں کو ذرہ ذرہ نیکیوں کا بدلہ دیگی۔ نعمان اپنے بندے کو آگ سے محفوظ رکھ! اور اپنی رحمت میں چھپالے۔

۱۲- امام صاحب تہجد کی نماز کے لئے بہترین کپڑا پہنا کرتے تھے اور اس کو خوشبو میں خوب بسا لیتے تھے۔

۱۳- آپ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے فرماتے ہیں نماز کا کوئی وقت ایسا نہیں آیا جس میں میں باوضو نہ ہوں

۱۴- امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام صاحب کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک آدمی نے آپکو دیکھ کر فرمایا یہ ابو حنیفہ ہیں رات بھر بیدار رہتے ہیں اسکے بعد امام صاحب پوری رات نماز اور دعا میں گذار دیتے تھے

۱۵- مسعر بن کدام کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے ایک قاری کو قرآن پڑھتے سنا تو مجھے بہت اچھا معلوم ہوا اور میں بیٹھ کر سننے لگا۔ میرا خیال تھا کہ یہ قاری ایک منزل پڑھ کر ختم کر دے گا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ہی رکعت میں پورا ختم کر دیا میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ ابو حنیفہ تھے [1]

امام صاحب کے اوقات

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور گرد شاگردوں کا مجمع

---

[1] ماخوذ از موفق و علامہ ذہبی متفرقاً

ہوتا تھا) اور درس کا سلسلہ شروع فرما دیتے تھے۔ درمیان میں اگر باہر سے آنے والا کوئی سوال کرتا تو آپ جواب دیدیتے تھے اس کے بعد مجلس تدوین فقہ منعقد ہوتی جس میں بڑے بڑے علمار شریک ہوتے، ظہر کی نماز پڑھ کر آپ گھر تشریف لاتے اور ظہر سے لیکر عصر کے قریب تک آرام فرماتے، تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنی دوکان پر بھی تشریف لے جاتے اسی وقت آپ مریضوں کی عیادت بھی کرتے اور دوستوں سے ملاقات بھی، مغرب کی نماز کے بعد پھر پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جاڑوں میں عشار کی نماز سے پہلے سو جاتے تھے اور پھر عشار کی نماز پڑھتے اس کے بعد پھر نہ سوتے تھے لہ

محمد بن فرات کہتے ہیں امام صاحب جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل ۲۰ رکعات نفل پڑھا کرتے تھے ابو اسماعیل کہتے ہیں آپ جمعہ کی نماز کے بعد ۶ رکعات پڑھا کرتے تھے

زہد و تقویٰ لغت میں تقویٰ کے معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانا ہے جو مضر یا نقصان دہ ہو کبھی کبھی تقوے کو خوف اور خوف کو تقوے کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ لسان شریعت میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانا جو گناہ کی طرف موصل ہو یعنی ممنوعات سے پرہیز کرنا، لیکن اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مباحات سے بھی پرہیز کیا جائے، حضور صلعم ارشاد فرماتے ہیں۔

الحلال بین والحرام بین و	حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور
من ارتع حول الحمی یحقیق	چراگاہ کے گرد جو چرائیگا ایسا علوم
ان یقع فیہ الحدیث	ہوتا ہے کہ وہ اس میں مبتلا ہو جائیگا۔

دوسری حدیث میں اسی کو امور مشتبہات سے تعبیر کیا ہے

ان احادیث کی موجودگی میں علمائے اسلام نے تقوے کے تین مرتبے مقرر کئے ہیں (۱) ادنیٰ (۲) اوسط (۳) اعلیٰ۔ ادنیٰ درجہ کا تقویٰ ایمان لانا ہے کہ اس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے رہائی ہوگی۔ اوسط درجہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کو ترک

لہ اس ترتیب اوقات پر سوانح نگاروں کا اتفاق ہے۔

کر دیا جائے جس کے ارتکاب سے آدمی گنہگار بن جائے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ باطن کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھا جائے جو ماسوی اللہ میں مشغول کرے یہ تقوی کا حقیقی درجہ ہے[1]

یک چشم زدن غافل ازآں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

حضرت مجدد الف ثانی رح بیان فرماتے ہیں

ممنوعات سے پرہیز کرنا اور باز رہنا ہی حقیقت تقوی ہے اور دین کی اصل بنیاد ہے[1]

اس کے علاوہ بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ تقوے کی فضیلت کے متعلق موجود ہیں قرآن پاک نے جگہ جگہ اسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب قرار دیا ہے۔

اب امام صاحب کے متعلق چند اقوال کو پیش کیا جا رہا ہے جن سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کا تقویٰ کس درجہ کا تھا۔

اقوال اور رائیں

یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ ہم بہت سے حضرات کے پاس بیٹھے اور بہت سے حضرات کو دیکھا لیکن ہم نے امام ابوحنیفہ جیسا آدمی نہ دیکھا اور نہ سنا ہمیں نے انکو دیکھتے ہی جان لیا تھا کہ وہ متقی ہیں۔

۲۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا زاہد، سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ تو سب باتوں میں سب نے امام ابوحنیفہ کا نام لیا۔

۳۔ قیس بن ربیع کہتے ہیں امام صاحب بہت بڑے متقی ہیں وہ لوگوں کیساتھ بہت زیادہ احسان کرتے تھے لیکن انکے معصران سے حسد رکھتے تھے۔

۴۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم سیکھا لیکن امام

[1] مکتوب ۹ دفتر سوم

صاحب سے زیادہ متقی اور کم گو میں نے کسی کو نہیں پایا۔
۵۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ کسی کو متقی نہیں دیکھا۔
۶۔ ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ متقی اور فقیہ کسی کو نہیں دیکھا
۷۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اپنے علم، تقویٰ اور فقہ کی وجہ سے ہم سب پر غالب رہتے تھے
۸۔ عبدالرحمٰن بن عابس کہتے ہیں کہ ہم نے امام صاحب جیسا متقی نہیں دیکھا
۹۔ وکیع کہتے ہیں کہ حدیث میں جس قدر تقویٰ امام صاحب اختیار کرتے تھے ہمیں میسر نہیں ہوا۔
۱۰۔ احمد بن بدیل کہتے ہیں کہ میں نے عبشر کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام صاحب جیسا قائم اللیل اور صائم النہار نہیں دیکھا۔
۱۱۔ معروف بن بکیر کہتے ہیں کہ جو امام صاحب کو دیکھ لیتا تھا وہ یقین کر لیتا تھا کہ یہ خیر ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔
۱۲۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ امام صاحب اتنے بڑے انسان تھے کہ ان سے علم، تقویٰ، سخاوت وغیرہ کے پہاڑ بنائے جا سکتے ہیں۔
۱۳۔ ابن ابی لیلےٰ کہتے ہیں کہ دنیا کے دروازے ہمارے لئے بھی کھلے اور امام صاحب کے لئے بھی لیکن امام صاحب نے آخرت کو اختیار کیا اور ہم نے دنیا کو [۱]

جامع الصفات

ایک دن ہارون رشید نے امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا۔ میں جہاں تک جانتا ہوں امام صاحب کے اخلاق یہ تھے کہ وہ نہایت پرہیز گار تھے ممنوعات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے کوئی شخص ان سے سوال کرتا تو جواب دیتے ورنہ اکثر سوچا کرتے تھے نہایت فیاض تھے کسی کے پاس حاجت لیکر نہیں جاتے تھے اہل دنیا سے احتراز کرتے اور دنیوی عزت وجاہ کو حقیر سمجھتے تھے غیبت سے پرہیز کرتے اور ہمیشہ دوسروں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے تھے بڑے عالم تھے مال خرچ کرنے میں

[۱] موفق متفرقا

دریغ نہ کرتے تھے ہارون رشید نے سنکر یہ کہا صلحاء کے یہی اوصاف ہوتے ہیں[۱]

چند واقعات

یحییٰ بن زائدہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام صاحب کو ایک مکان کے قریب دھوپ میں کھڑے دیکھا میں نے تعجب کر دریافت کیا حضرت! آپ اس دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے فرمایا اہل خانہ پر میرا کچھ قرض چاہتا ہے اسلئے میں اس کی دیوار کے سایہ سے منفعت حاصل کرنا مناسب نہیں سمجھتا اور فرمایا میں دوسروں کو اس عمل کا مکلف قرار نہیں دیتا ہوں، ہاں عالم کو محتاط رہنا چاہیئے

ایک دفعہ امام صاحب نے اپنے شریک حفص بن غیاث کو تجارت کی غرض سے باہر بھیجا اور ایک چیز کے بارے میں فرمایا اس میں یہ عیب ہے جب فروخت کرو تو اس کا عیب بتلا دینا اتفاق سے حفص بن غیاث خریدار کو یہ بتلانا بھول گئے اور یہ بھی یاد نہ رکھا کہ وہ کس کے ہاتھ فروخت کی ہے، جب قیمت امام صاحب کو لاکر دی تو امام صاحب نے اسی چیز کے بارے میں دریافت فرمایا تو حفص بن غیاث نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا امام صاحب نے فوراً ہی ان کو شرکت سے علیحدہ کر دیا اور کل سامان کی قیمت جو مبلغ تیس ہزار دینار ہوتی تھی صدقہ کردی

ایک دفعہ ایک بوڑھی عورت امام صاحب کی دوکان پر ایک ریشمی کپڑا خریدنے آئی اور کہا یہ کپڑا آپ کو جتنے میں پڑا ہوا اتنے کو دیدیجئے! امام صاحب نے فرمایا اچھا تو آپ اس کے چار درہم دیدیجئے! بوڑھیا نے کہا آپ کیوں مذاق کرتے ہیں امام صاحب نے فرمایا مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو کپڑے تھے دونوں کی قیمت اس قدر تھی ایک میں نے فروخت کردیا اب اس کپڑے کی قیمت چار درہم باقی رہ گئی تھی۔

ایک دفعہ امام صاحب کو کسی کپڑے کی ضرورت تھی آپ ایک دوکاندار کے پاس گئے، اس نے امام صاحب کو دیکھا تا کپڑے کی قیمت ایک ہزار درہم بتلائی

---

[۱] موفق متفرقاً

امام صاحب نے فرمایا، یہ کپڑا ایک ہزار درہم کا نہیں بلکہ زیادہ کا ہے، اس طرح آپ اس کو آٹھ ہزار درہم میں خرید کر لائے [۱]

وظیفہ خوری سے اجتناب تاریخ شاہد ہے کہ حق گوئی انہیں علماء کے حصہ میں آئی جنہوں نے اپنے آپ کو وظیفوں احکام رسی اور عہدوں اور نذرانوں سے محفوظ رکھا۔ امام صاحب اسی صفت کے انسان تھے

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے امام صاحب کو تیس ہزار درہم نذر کرنا چاہے امام صاحب نے انکار کر دیا اور فرمایا میرے گھر میں اتنی جگہ نہیں ہے جو اس کثیر رقم کو اپنے گھر رکھ سکوں۔ جب امام صاحب کا انتقال ہوا تو تقریباً ۵۵ ہزار روپیہ امانتوں کے نکلے۔ تب خلیفہ منصور نے کہا کہ یہ شخص ہمیشہ ہم سے عذر ہی کرتا رہا لیکن بات یہ صحیح تھی۔ اگر امام صاحب کا گھر امانتوں سے خالی ہوتا تب اس رقم کو رکھتے۔

ایک دفعہ منصور اور اس کی بیوی میں کچھ رنجش ہو گئی۔ بیوی کو شکایت تھی کہ آپ عدل سے کام نہیں لیتے۔ منصور نے کہا کہ میں عدل سے کام لیتا ہوں بالآخر اس قضیہ کا حکم امام صاحب کو مقرر کیا گیا۔ امام صاحب تشریف لائے بیگم پس پردہ ہو بیٹھیں منصور نے دریافت کیا ایک آزاد مرد کو کتنے نکاح کرنے جائز ہیں امام صاحب نے فرمایا، بیک وقت چار، خلیفہ نے خاتون سے کہا آپ نے سنا! خاتون نے کہا جی ہاں!۔ امام صاحب نے فرمایا یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب خاوند عدل سے کام لے ورنہ صرف ایک ہی پر اکتفا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد امام صاحب گھر تشریف لائے تو پیچھے سے ایک غلام نے حاضر ہو کر چار ہزار درہم کی تھیلی بیگم کیطرف سے پیش کی اور بیگم کیطرف سے سلام بھی پیش کیا۔ امام صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا جاؤ بیگم سے کہہ دینا میں نے اپنا فرض منصبی انجام دیا ہے۔

---

[۱] موفق

ایک دفعہ کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے عرض کیا حضرت! کبھی تشریف لایا کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا تم سے ملکر کیا کرونگا۔ آؤنگا تو احسان کروگے تو میں تمہارے دام میں آجاؤں گا اور ناراض ہوئے تو اسمیں میری ذلت ہر جو تمہارے پاس ہے اسکی مجھے حاجت نہیں اور جو میرے پاس (علم) ہے اس کو کوئی چھین سکتا نہیں۔

مشتبہات سے اجتناب

امام صاحب اکل حلال کے نہایت سختی سے پابند تھے اس پر اگرچہ مندرجہ واقعات سے کافی روشنی پڑچکی ہے مگر یہاں بھی کچھ ذکر کئے جاتے ہیں

جن ایام میں امام صاحب نظر بند تھے خلیفہ کے یہاں کا کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنے مکان سے ستومنگا کر کھایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ شہر میں کسی کی بکری گم ہوگئی جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپنے تحقیق فرمائی کہ بکری کتنے دن زندہ رہتی ہے معلوم ہوا سات سال، چنانچہ آپ نے سات سال بکری کا گوشت نہیں کھایا۔

مولانا شبلی نے اگرچہ اس کا انکار کیا ہے لیکن امام صاحب جیسے متقی آدمی کے بارے میں تو کسی کی تنقید کی گنجائش نہیں جبکہ ایسے واقعات آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ابھی سو سال کی بات ہوگی کہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے چار سال تک دلی میں رہتے ہوئے سالن سے روٹی نہیں کھائی کیونکہ اسوقت دلی کے سالنوں میں آم کی کھٹائی ڈالی جاتی تھی اور آم کی بیع فاسد طور پر ہوتی تھی اس لئے آپ نے اجتناب کیا [۱]

امانتداری

امام صاحب نہایت امانتدار تھے عبدالرحمن بن مسعودی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اچھا امین نہیں دیکھا انکا جس وقت انتقال ہوا تو ۵۵ ہزار کی امانتیں انکے گھر میں موجود تھیں جنمیں سے ایک درہم بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔

---

[۱] تذکرۃ الخلیل

ابوبکر زرنجری کہتے ہیں کہ ایک آدمی امام صاحب کے پاس ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم رکھ کر مرگیا، اس کی ایک لڑکی تھی جب وہ بالغ ہوئی تو امام صاحب نے وہ رقم اس لڑکی کے سپرد کر دی [1]

حق ہمسائیگی

امام صاحب کا ایک پڑوسی تھا۔ دن بھر کی مزدوری سے جو حاصل ہوتا اس کی شراب اور کباب خرید لاتا تھا اور اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لاتا اور رات بھر اودھم مچاتا اور خوب گاتا۔ راوی کا بیان ہے ہم نے اس کے اشعار یاد کر لئے تھے ان اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے

اضاعونی وای فتی اضاعوا ؛ لیوم کریھۃ وسداد ثغر

یعنی لوگوں نے مجھے کھو دیا اور کتنے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائیوں اور رخنہ بندیوں میں کام آتا تھا۔ امام صاحب نے اسکو چند مرتبہ سمجھایا لیکن باز نہ آیا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن حکومت کی پولیس اس کو گرفتار کر کے لے گئی اور جیل خانہ میں ڈالدیا امام صاحب کو جب خلاف معمول اس کے اودھم کی آواز نہ سنائی دی تو دریافت کیا لوگوں نے واقعہ بیان کر دیا۔ امام صاحب یہ سنکر بیچین ہو گئے اور امیر کے پاس گئے آپکے ساتھ اہل مجلس بھی ہو لئے جب دارالامارت کے قریب پہونچے تو امیر کو معلوم ہوا وہ دوڑا ہوا استقبال کے لئے حاضر ہوا امام صاحب نے آنے کی غرض بیان کی۔ امیر نے کہا حضرت کسی خادم کو بھیجدیتے تب بھی تعمیل حکم ہوتی۔ بہر حال امیر نے جوان اور اس کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ امام صاحب نے اس جوان سے فرمایا "دیکھا! ہم نے تجھے ضائع نہیں کیا" اس شخص نے امام صاحب کے سر کو بوسہ دیا اور تائب ہو گیا پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اکثر حلقہ درس میں شریک رہتا راوی کا بیان ہے کہ یہ بھی علمائے کوفہ میں شمار ہونے لگا تھا۔ اس شخص کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ یہ قاضی ابن ابی لیلے کی عدالت میں ایک شخص کے باغ کے متعلق شہادت دینے گیا قاضی صاحب نے دریافت کیا بتلاؤ اسمیں کتنے درخت ہیں؟ جب یہ نہ بتلا سکے تو قاضی صاحب نے ان کی گواہی کو رد کر دیا جب

---

[1] موفق

انہوں نے امام صاحب سے واقعہ بیان کیا تو امام صاحب نے فرمایا یہ جاکر کہو کہ آپ ۲۰ سال سے کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کرتے ہیں بتلائیے اس میں کتنے ستون ہیں؟ اس نے یوں ہی جاکر کہہ دیا تو ابن ابی لیلیٰ کو حیرت ہوئی اور اس کی شہادت قبول کرلی۔

ایک دفعہ امام صاحب کے ایک پڑوسی نے خواب دیکھا اور وہ اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے بصرہ امام ابن سیرین کے پاس گیا۔ جب واپس آیا تو امام صاحب نے دریافت کیا بھائی کہاں رہے ہمیں تو آپ کیطرف سے بہت فکر تھا اس نے واقعہ بیان کیا۔ امام صاحب نے فرمایا، سبحان اللہ! بھائی اطلاع تو کرتے جاتے[۱]

سخاوت

امام صاحب بہت بڑے سخی انسان تھے اور ہمیشہ ضرورتمندوں کا خیال رکھا کرتے تھے۔ علماء، صوفیاء، فقہاء، طلباء، جلساء اور اہل جوار سب ہی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوا کرتے تھے آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا جلیسوں کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے اسی وجہ سے آپکے معاصرین کا قول ہے۔

کان اکرم الناس مجالسۃ	ہمنشین میں وہ نہایت بہترین اور کریم انسان تھے

حسین بن سلیمان کہتے ہیں:

ما رائت احدا اسخی من ابی حنیفۃ	میں نے کسی کو امام ابو حنیفہ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا

آپ نے اپنے بیٹے حماد کو حکم دے رکھا تھا کہ روزانہ دس درہم کی روٹیاں خرید کر پڑوسیوں کے یہاں پہونچا دیا کرو۔ امام ابو یوسف کو دس سال تک اپنے پاس سے خرچ دیکر پڑھایا آپ کو علم اور اہل علم کی خدمت کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی چنانچہ جس دن آپ کے صاحبزادے نے بسم اللہ شروع کی تو آپ نے پانچ ہزار درہم معلم کی نذر کیئے اور جس دن سورہ فاتحہ ختم کی اس دن بھی پانچ ہزار درہم نذر کیئے اور معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا

---

[۱] موفق متفرقا

واللہ لو کان عندی اکثر من ذلک لدفعناہ تعظیما للقرآن	قسم خدا کی اگر اس سے زیادہ میرے پاس ہوتا تو قرآن کے احترام میں وہ بھی پیش کر دیتا۔

ایک آدمی نے آپ سے آکر عرض کیا میرے ذمہ پانچ ہزار درہم قرض میں اور دائن تقاضہ کر رہا ہے آپ اس سے فرما دیجئے کہ وہ مجھے کچھ مہلت دیدے آپ نے دائن سے کہا، اس نے جواب دیا حضرت آپکی وجہ سے اپنا مطالبہ معاف کرتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا نہیں، لیجئے یہ آپ کا مطالبہ ہے اسی وجہ سے امام ابو یوسف فرماتے ہیں

لا یکاد یسئل حاجۃ الا قضاھا	آپ سے جس ضرورت کے متعلق سوال کیا جاتا آپ اس کو پورا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک دوست آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے مگر شکستہ حال معلوم ہوتے تھے جب جانے لگے تو آپنے پانچ ہزار درہم پیش کئے اس نے کہا حضرت میرے یہاں بہت کچھ موجود ہے میں غریب نہیں ہوں تب آپ نے فرمایا۔

ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علے عبدہٖ	اللہ تعالےٰ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے

ایک دفعہ آپ کے پاس بطور ہدیہ ایک ہزار جوڑے جوتے آئے آپ نے سب اپنے دوستوں، پڑوسیوں اور طلباء میں تقسیم فرما دئے اتفاق سے شام کو اپنے بیٹے حماد کے لئے ضرورت پیش آئی تو آپ نے اس کو بازار سے منگا دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا حضرت یہ کیا؟ تب آپ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا

انا اھدی الرجل فجلساءہٗ شرکاءہٗ	جب کسی آدمی کے پاس کوئی ہدیہ آئے تو اسکے ہمنشین اسکے شریک ہوتے

امام صاحب کی عادت شریفہ تھی کہ عیدین کے موقعہ پر اپنے دوستوں اور ملنے والوں کے یہاں تحائف بھیجا کرتے تھے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے، غریب بچیوں کی شادیاں اپنے پاس سے کیا کرتے تھے جب اپنے بچوں کیلئے کوئی چیز لاتے تو علماء، مشائخ اور پڑوسیوں کیلئے بھی اسی قدر لاتے تھے، بضاعت کے ذریعہ جو نفع آپ کو حاصل ہوا کرتا تھا وہ سب طلباء اور علماء پر صرف کر دیتے تھے اگر کوئی آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھ کر سنا دیتے

انما انا خازن اضع حیث امرت — میں تو خازن ہوں جہاں کا حکم ہوتا وہیں رکھ دیتا ہوں

آپ نے فرمایا میں چار ہزار درہم سے زیادہ کا کبھی مالک نہیں ہوا، جو آیا خرچ کر دیا کیونکہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا ہے

اربعۃ الاف وما دونہا صدقۃ — چار ہزار اور اس سے زیادہ خرچ ہونا چاہیئے

یعنی کسی آدمی کو چار ہزار سے زیادہ کی پونجی رکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے [1]

سخاوت و مروت سخاوت کے ساتھ مروت بھی آپ کا خصوصی وصف ہے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک مرتبہ مجھے ایک ضرورت لاحق ہوئی، میں نے آپکی طرف سے فلاں تاجر کے نام ایک رقعہ لکھا کہ وہ مجھے تیس اشرفیاں دیدے، چنانچہ میں اس تدبیر میں کامیاب ہوگیا۔ امام صاحب نے یہ سنا اور مسکرا دئے۔

ایک دفعہ ایک شخص کی بیوی نے اس کو بہت تنگ کیا اور کہا: "جاؤ لڑکی جوان ہے شادی کرنا ہے، فاقوں نے گھر بھر کو پریشان کر دیا ہے امام صاحب سے جا کر کہو وہ ضرور آپکی مدد کرینگے یہ شخص امام صاحب کی مجلس میں گیا اور واپس آگیا۔ امام صاحب نے قیافہ سے اس کو تاڑ لیا جب یہ شخص چلا گیا تو اس کا گھر معلوم کر کے رات کو دروازہ میں سے پانچہزار درہم کی ایک تھیلی اس کے گھر میں ڈال آئے آپ نے اس تھیلی میں ایک پرچہ بھی لکھ کر رکھدیا تھا کہ اسکو بلا دریغ خرچ کریں، جب ختم ہوجائے پھر خبر کر دیں [2]

وقار اور حلم ان تمام خصوصیات کے ساتھ آپ عالمانہ وقار وحلم کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے امام مالک فرماتے ہیں "ابوحنیفہ حلیم الطبع انسان تھے" آپ کے

---

[1] موفق منتفرقاً [2] ایضاً

بعض معاصرین آپ کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کرتے تھے لیکن آپ حلم و وقار کی تصویر بن جاتے تھے۔ ابو معاذ کہتے ہیں کہ میرا آنا جانا امام سفیان ثوری کی خدمت میں بھی رہتا تھا اور میں امام صاحب کے حلقہ میں شرکت کرتا تھا سفیان ثوری کو یہ بات ناگوار تھی، لیکن امام صاحب کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا امام صاحب کی یہی ادائیں تو تھیں جن کی بنا پر مشائخ وقت ان سے محبت کرتے تھے مسعر بن کدام فرماتے ہیں۔

قد جمع الله فیه خصالا شریفة	اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین خصلتیں جمع کر دی تھیں

ایک دفعہ مسجد کی چھت سے ایک سانپ گرا اور عین آپ کے برابر میں گرا سب لوگ تو اٹھ اٹھ کر بھاگ گئے لیکن آپ بدستور بیٹھے رہے۔ راوی کہتا ہے

فعرفت انه صاحب یقین	میں جان گیا کہ آپ صاحب یقین ہیں

ایک دفعہ ایک نوجوان آدمی امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا اور ایک گوشہ میں کھڑا ہو کر زور زور سے آپ پر تنقید کرنے لگا۔ لوگوں کو اس کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا لیکن آپ نے سب کو منع کر دیا کہ اس کو کچھ نہ کہا جائے جب امام صاحب اپنے دروازے پر پہونچے تو فرمایا بھائی! اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اور کہہ لو اب میں اندر جاتا ہوں یہ حلم دیکھ کر وہ آدمی شرمندہ ہوا اور معافی چاہی

عمرو بن الہیثم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شعبہ کا رقعہ لیکر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت عصر کا وقت تھا، آپ نے مسجد ہی میں عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور بعد عشا مجھے ہمراہ لیکر دولت کدہ پر تشریف لائے کھانا کھلایا اور ایک بستر پر مجھے لٹا دیا اور خود ایک گوشہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور تمام رات پڑھتے رہے، جب صبح ہوئی تو مجھے اٹھایا اور وضو کا پانی لا کر دیا اور مسجد میں تشریف لے گئے صبح کی نماز پڑھ کر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہے اسی اثنا میں ایک سانپ مسجد کی چھت سے آپ کے اوپر گرا اور آپ نے اسکے سر پر پیر رکھ دیا اور بیٹھ گئے جب سورج طلوع ہوا تو آپ نے یہ دعا پڑھی

الحمد لله الذی اطلعها	اس خدا کی تعریف جس نے سورج کو اس کے

من مطلعها اللهم ارزقنا — مطلع سے نکالا۔ اے اللہ! اس سے
خیرها وخیر ما طلعت علیه — جس پر اس نے طلوع کیا ہے بہترین رزق عطا فرما

اس کے بعد آپ نے سانپ مارنے کا حکم فرمایا، اتنی دیر آپ نہایت سکون و وقار سے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اشراق کی نماز پڑھ کر آپ نے مجھے ایک حدیث پڑھ کر سنائی وہ یہ ہے

ومن صلی الفجر ولم یتکلم الا — جس نے صبح کی نماز پڑھی اور سورج
بذکر الله تعالی حتی تطلع — نکلنے تک سوائے ذکر خدا کے اور کچھ زبان
الشمس کان کالمجاهد — سے نہ کہا وہ مثل مجاہد فی سبیل اللہ
فی سبیل الله — کے ہے۔

ان واقعات سے امام صاحب کے عالمانہ تحمل اور وقار کا پتہ لگایا جا سکتا ہے[1]

والدین کا احترام

آپ کے والد محترم کا انتقال تو پہلے ہی ہو چکا تھا البتہ آپ کی والدہ حیات تھیں آپ نے ان کی بے حد خدمت کی اور ان کی مرضی کا ہمیشہ احترام کیا، چنانچہ محمد بن بشر اسلمی کہتے ہیں کہ کوفہ میں دو ہی شخص سب سے زیادہ والدین کی خدمت کرنے والے تھے، ایک منصور کہ وہ اپنی ماں کے سر کی جوئیں چنتے اور سر دھلاتے اور دوسرے امام صاحب

جن دنوں کوفہ کا گورنر ابن ہبیرہ آپکو قضا قبول کرنے کے لئے کوڑوں کی سزا دیا کرتا تھا ان دنوں کا ذکر ہے کہ ایک دن کوڑا آپ کے سر پر لگا جس کی وجہ سے آپکا چہرہ متورم ہو گیا یہ دیکھ کر آپ رو دیئے۔ جلاد نے کہا قضا قبول کر لو، روتے کیوں ہو؟ امام صاحب نے فرمایا، میں مار کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس وجہ سے روتا ہوں جب میری والدہ محترمہ اس چوٹ کا نشان دیکھیں گی تو ان کو صدمہ ہو گا۔

کوفہ میں ذرعہ نامی ایک واعظ رہتا تھا، امام صاحب کی والدہ انکی بہت معتقد تھیں، ایک دن امام صاحب کی والدہ کو ایک مسئلہ کی ضرورت پیش آئی انھوں نے امام صاحب سے فرمایا، جاؤ ذرعہ سے یہ معلوم کر آؤ۔ امام صاحب نے کہا اس کا

---

[1] موفق متفرقاً

جواب یہ ہے والدہ نے کہا میں تیرا جواب نہیں مانوں گی۔ ذرعہ ہی سے پوچھ کر آ۔ آپ گئے ذرعہ نے کہا۔ حضرت! میں آپ کے سامنے کیا مسئلہ بیان کروں آپ خود ہی بتلا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا والدہ کا حکم ہے

دوسری روایت یہ ہے کہ امام صاحب کی والدہ سواری پر بیٹھ کر اور امام صاحب کو ساتھ لیکر ذرعہ کے پاس گئیں تب ذرعہ نے کہا حضرت! آپ نے کیا جواب دیا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو یہ جواب دیا تھا تو ذرعہ نے کہا آپ نے صحیح فرمایا، تب کہیں امام صاحب کی والدہ کو اطمینان ہوا

کوفہ میں ایک واعظ اور تھا جس کا نام عمرو بن ذر تھا امام صاحب کی والدہ ان کی بھی بہت معتقد تھیں۔ ان کے پاس بھی آپ کو اپنی والدہ کے مسائل پوچھنے کے لئے آنا پڑتا تھا۔ اتفاق سے ان کا مکان بہت فاصلہ پر تھا ایک دفعہ امام صاحب کی والدہ نے کہا عمر بن ذر سے یہ مسئلہ پوچھ کر آ۔ امام صاحب تشریف لیگئے تو عمرو بن ذر نے کہا مجھے تو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے البتہ آپ بتلا دیں۔ میں وہی آپ سے نقل کر دونگا پھر آپ اپنی والدہ کو جا کر بتلا دیں۔ امام صاحب نے ایسا ہی کیا[1]

حسنِ سلوک

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں صاحب کمال سے محبت رکھنے والے ہوتے ہیں وہاں اس سے بغض و حسد رکھنے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی اسلئے امام صاحب سے حسد و بغض رکھنے والے بھی کم نہ تھے آج امام صاحب کے متعلق غلط روائتیں اور ناقدانہ اقوال کا وجود اسی بغض و حسد کی کرشمہ سازی ہے۔ احادیث کی متداول کتابوں میں جب ہم امام صاحب کی سند سے کم روائتیں دیکھتے ہیں تو ہمیں محدثین کرام کے خلاف اپنے جذبات اور خیالات کو دبانے میں بڑے ہی ضبط کا کام لینا پڑتا ہے تب کہیں ہم اپنی سوءِ ظنی کے رُخ کو بدل پاتے ہیں کیونکہ راوی کی اس سند کو ترک کر دیا جاتا ہے جس میں امام صاحب موجود ہیں حالانکہ حدیث کا ایک ہی مدار روایت ہے اللہ بہتر جانے کیا معاملہ ہے۔ وہ جانیں اور ان کا کام "لبعض الناس" کہہ کر امام صاحب

---

[1] مناقب موفق

کو ناقابل اعتنا سمجھنا یہ ان کے اپنے منصب کا تقاضا ہوگا۔ دنیا تو امام صاحب کو امام اعظم ہی کہتی آئی ہے اور سمجھ رہی ہے اور انشاء اللہ یہی سمجھا جائے گا۔ مزید براں یہ کہ آج امام صاحب کا مسلک دنیا کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسلک ہے اور فریق مخالف کے کہیں دس بھی مقلد نہیں ہیں

جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

امام صاحب لوگوں کے اس رویہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا اور نہ کسی کو برائی کے ساتھ یاد کیا اس کے باوجود تم جانتے ہو کہ اہل مکہ نے مجھ سے کیوں بغض کیا؟ اسکی وجہ یہی تھی کہ میں بعض مدنی آیات کے ذریعہ بعض مکی آیات کو منسوخ الحکم قرار دیتا تھا اور اہل مدینہ نے مجھ سے یوں بغض رکھا کہ میں نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگوانے سے وضو کو ساقط قرار دیتا تھا اور ایسی وضو کے ذریعہ نماز کو غیر صحیح قرار دیتا تھا اہل بصرہ میرے اس وجہ سے مخالف تھے کہ میں انکے معرکۃ الآراء مسئلہ قدر کا رد کرتا تھا۔ اور اہل شام نے میرے ساتھ اس وجہ سے بغض کو روا رکھا کہ میں حضرت علی رضہ کو حق پر سمجھتا تھا اور اہلِ حدیث میرے اس وجہ سے دشمن ہوئے کہ میں آل رسول (زید بن علی، جعفر صادق) کی حمایت کرتا تھا [۱]

یحییٰ بن آدم سے دریافت کیا گیا کہ شریک کو امام صاحب کے اقوال پسند نہ تھے فرمایا، پسند تو کرتے تھے لیکن حسد کیوجہ سے اسکو قبول نہیں کرتے تھے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ کا یہ حال تھا کہ امام صاحب کو دیکھ نہیں پاتے تھے۔ اسی بنا پر امام صاحب فرماتے ہیں" ابن ابی لیلیٰ میرے ساتھ اس سلوک کو روا رکھتے ہیں جو اپنی بلی کے ساتھ بھی روا نہیں رکھتے"۔ لیکن امام صاحب ان حالات اور واقعات کے باوجود اپنے معاصرین کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے اور اپنی عنایات سے کسی کو محروم نہ رکھتے، حسن سلوک کا یہ مقام نہایت بلند مقام ہے۔

---

[۱] موفق ص۹۔ ج ۲

مخالفوں کے ساتھ حسن سلوک کے اس عنوان کو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور ان شرمناک واقعات کا تذکرہ کر کے گندگی اچھالنا پسند نہیں کرتے ؎

خدا مجنوں کو بخشے مرگیا اور ہم کو مرنا ہے

یہ چند سطریں امام اعظمؒ کے اخلاق و عادات اور عملی کمالات کے متعلق تحریر کی گئی ہیں جن سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ امام صاحب اعمال اور اخلاق میں بھی نہایت مکمل انسان تھے یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے انہیں نہایت مکمل ترین علم عنایت فرمایا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

من عمل بما یعلم اتاہ اللہ	جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا
علم مالم یعلم	اللہ تعالےٰ اسے وہ علم عطا کرتا ہے کہ جو وہ
	ابتک نہیں جانتا تھا۔

چنانچہ امام صاحب پر فیضان الٰہی تھا کہ ان کو ایسا علم عطا ہوا کہ جسکی وجہ سے بقول امام شافعی صاحب بقیہ امت انکی عیال ہے حدیث، تفسیر، فقہ، علم کلام قرأۃ، نحو، صرف، عربیت وغیرہ میں ایسے ایسے نکات پیدا کیئے کہ آج دنیا محوحیرت ہے مناظروں میں انہوں نے اپنے حریفوں کو انہیں کے الفاظ میں شکست دی یہ سب کچھ عطیہ از فیضان الٰہی ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ نے انکی عملی زندگی اور بندگی سے خوش ہو کر ان پر نازل کیا ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء ✤ بے کتاب و بے معید و اوستا

وجہ اس کی غالباً یہ ہے کہ عمل کی وجہ سے انسان کے قلب کو نورانیت اور شرح کو تقویت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا تعلق حق سبحانہ تعالےٰ سے قریب تر اور قوی تر ہو جاتا ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے اس کو وہ تمام کمالات تفویض ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے یہاں سب کے سب محبوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں اور ان ہی میں سے علم بھی ایک ایسا کمال ہے جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک تمام کمالات میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور اعلیٰ ہے۔

امام صاحب کے حالات اور اخلاقیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک غیر جانبدار آدمی پر یہ بات روز روشن کیطرح کھل جاتی ہے کہ امام صاحب کی عملی اور علمی دونوں زندگیاں عطیہ الٰہی کا بہترین نمونہ ہیں جنہوں نے امام صاحب کو اس نظر سے دیکھا وہ خود مقبول بارگاہ ہوئے اور جنہوں نے امام صاحب سے حسد و بغض کیا اور تنقید سے کام لیا۔ آج تاریخ عالم کے صفحات پر ان کے واقعات دوسروں کے لئے عبرت بنے ہوئے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ آج امام صاحب کا مسلک اور ان کے نام لیوا اسی فرش زمین پر کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور حاسدین و ناقدین کے قول و مسلک پر دس مسلمان بھی نماز پڑھنے والے شاید مشکل سے دستیاب ہو سکیں گے۔

جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ	اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے
واعد لہم جنٰت تجری من	راضی ہیں اور اللہ تعالےٰ نے انکے لئے
تحتہا الانہٰر خالدین فیہا	باغیچے تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے نیچے
ابداً	نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہینگے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتمۃُ الکتاب

وصایا

اور

اقوالِ زرّیں

مآخذ و حوالہ جات

۱۔ الاشباہ والنظائر از علامہ ابن نجیم

۲۔ مقدمہ مسند امام اعظم۔